

مُسْلِمِ کُذَّاب

سے

دُجَالِ قَادِیَانِ

تک

جانبِ از مرزا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جلد حقوق محفوظ ہیں

ناشر مکتبہ تبصرہ لاہور

طبع خادم پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت اول گیارہ سو

کتابت نذیر احمد تنویر، عبداللطیف

تاریخ اشاعت فروری ۱۹۹۳ء

مضامات ۲۵۶ صفحات

سرورق حضرت سید نفیس رقم مدظلہ العالی

قیمت ۱۰۰ روپیہ

مکتبہ تبصرہ ، لالہ زار کالونی کشمیر روڈ

نیو شاد باغ لاہور

مرزائیت، انسانیت کے دامن پر ایک ایسا گھرا
 اور سیاہ داغ تھا جسے شہدائے ختم نبوت نے
 اپنے خون سے دھویا ہے اگر یہ لہو نہ گرتا تو مسئلہ
 ختم نبوت اقوام عالم کی نظر میں مشکوک ہو کر رہ جاتا۔
 سلام ہو ان ماؤں کی کوکھ پر جنہوں نے ان
 بہادر سپوتوں کو جنم دیا۔ (مصنف)

دوستوں کے با وفا ہونے کا وقت آیا

زیر نظر کتاب برسوں پہلے قارئین تک پہنچ گئی ہوئی لیکن انسانی سوچ اور فکر جہاں پہنچ کر دم توڑ دیتی ہے وہیں سے رب اکبر کا فیصلہ شروع ہوتا ہے۔ اور یہی فیصلہ حقیقت ہے۔

اپنی اصلیت تک پہنچنے کے لیے تاریخ کو کٹی موڑ کٹنے پڑتے ہیں۔ پھر کہیں منزل ملتی ہے۔ پھول نہیں کاٹوں سے گذرنا پڑتا ہے کبھی ہوائیں اور اُراق اڑا کر لے جاتی ہیں کبھی حالات قلم کا راستہ روک لیتے ہیں۔ ارادہ تھا کہ جیسے ہی تحریک ختم نبوت پر حکومت کے دستخط ہوئے تھے۔ یہ دستاویز عوام کے حوالے کر دی جاتی لیکن حالات و واقعات کی دیواریں اونچی ہوتی چلی گئیں کہ بعض دفعہ تو انہیں عبور کرنے میں جی ہار دینا پڑا۔ مگر جوئی شہدائے ختم نبوت کا خون اپنی بے گناہی کا واسطہ دیتا دکھائی دیا قلم بیتاب ہو گیا۔ مگر ساتھ ہی کاغذ کی گرانی، پریس کی ضرورت، وقتری کا رونا، نیز اپنی ضرورتوں کا تقاضا دامن کھینچتے رہے۔ اس پر اپنی تھی دامن کی دھجیاں اڑتی نظر آئیں۔ آخر اُن دروازوں پر دستک دینا پڑی جہاں خالی ہاتھ لوٹ آنے کا تصور تک نہیں تھا۔ سب نے وعدہ تو کیا مگر وعدہ کی وفا کسی نے نہ کی۔

سہ تیرے وعدوں پہ جیسے ہم تو یہ جہاں جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے مگر اعتبار ہوتا

بہر طور وقت تھا کہ گذرنا چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں ایسے دوست بھی سامنے آئے جن سے مایوسی کی اُمید نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے بھی سوت کی آٹی پر یوسف کی خریداری کو گراں سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ ادھا پر بھی کسی نے سودا نہ لیا حالانکہ یہ اُن کی ضرورت کی

پہنچ رہی تھی۔

حکومت کو تو جاننا ہمارے قلم پر اعتبار نہیں مگر جاننے پہچانے لوگ بھی وفاء کر سکے۔
دوستوں سے ہٹ کر مجلسوں کے دروازے کھٹکھٹائے مگر جاننا ہمارے قلم پر اعتبار بھی اعتبار
نہ آیا۔

رہا سہا انا نہ گذشتہ کئی برسوں کی مسلسل بیماری کی نظر ہو گیا۔ ان پریشانیوں کے
باعث کئی ہفتے قلم چھوڑے رکھا کئی دفعہ مسودہ پھاڑ پھینکے کوجی چاہا۔
سہ جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

لیکن ایک قلم کار کے لیے یہ مشکل تھا ایک دفعہ تو آنسو ٹپک آئے مگر یہ سوچ کر کہ:

عہ نا خدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے

اس پر کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ غلطی میری اپنی تھی کہ میں نے خالق کائنات کا دروازہ چھوڑ
کر بندوں سے آس لگائی تھی۔

سمندر میں جوار بھانڈا کی طرح زمانہ اپنے ساتھ سب کچھ لے کر آتا ہے اور بہت
کچھ ساتھ لے جاتا ہے، مگر تاریخ کو نہ کسی کے جانے کا غم اور نہ آنے کی خوشی۔ وہ صرف
اپنا تحفظ چاہتی ہے۔ زمانے کی خواہش کہ میں دو جج دو کو چار کیوں کہتا ہوں پانچ
کیوں نہیں کہہ دیتا۔

سہ اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی نالاں ہیں

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

جنرل ضیاء الحق کے دور کا ذکر ہے کہ اُن کے ایک قریبی دوست میرے پاس

تشریف لائے اور کہا:

”میراجی چاہتا ہے کہ آپ کو حکومت پاکستان سے کاروائی اجازت پر

ایوارڈ دلوانے کی سفارش کروں۔ لیکن آپ نے تو کسی کو معاف نہیں کیا۔“

میں نے یہ بات سننے میں ٹال دی۔

مؤرخ تاریخ کا اماندار ہوتا ہے۔ اس کا تحفظ اس پر لازم آتا ہے۔ ذرا سی غلطی ماضی کو مشکوک کر دیتی ہے۔

تحفظ ختم نبوت کی تحریک اس صدی کی بہت بڑی تحریک تھی۔ اس تحریک میں بہرہ جانے والا لہو متقا صاف کرتا ہے کہ قلم کو سنبھال کر اٹھاؤ۔ لیکن میرے عزیزوں نے مصنف بننے کی خوشی میں تمام تاریخ کو ایسا داغدار کیا کہ مستقبل کا مؤرخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

حقیقت تک پہنچنے کی تصویر کو من و عن فریم میں لایا جائے۔ لیکن رفقاء میں بدگمانی کا خوف حائل ہوا۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۴ء تک کی یہ تحریک جن سلطان راہوں سے گزری اگر انہیں واقعات کو گواہ بنا کر تحقیق کی جاتی تو بات صاف ہو جاتی اور ممکن ہے مزید قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی یا اگر بالآخر نظری خود اس پر ایک نظر ڈالیں تو بڑی حد تک معاملہ درست رہتا۔ جب سچائی کو جھوٹ کے ساتھ گمرہ دینے کا رواج چل پڑے اور انسانی ضمیر بازاری اشیاء کی طرح فروخت ہو رہا ہو۔ تو ایسے میں صحیح راستہ تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ پتھر کھانے پڑتے ہیں۔ گالیاں سننی پڑتی ہیں۔ اس پر بھی اگر حقیقت سمجھ میں آجائے تو سودا مہنگا نہیں ہوتا اگرچہ رواں حالات نے دل و دماغ بگاڑ رکھے ہیں۔ بازار میں کھوٹے کے مہنگے بھاؤ پک رہے ہیں۔ خود حکومت کی جیب میں بھی ایسے ہی رکتوں کا رواج ہے سوچ دیکھو کہ سوتے بند ہو چکے ہیں۔ جن سانچوں میں میرے کل پڑنے ڈھلے ہیں۔ ان کے ہاں ایمان کی دولت ہی تو تھی۔ جو کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

سہ من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں۔

دھن کی دولت پھاٹوں سے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

میں نے اپنے قلم اور ضمیر کا سودا کبھی نہیں کیا۔ اور نہ آئندہ ہوگا۔ (انشاء اللہ)

بات دوسری طرف چل نکلی۔ میرا منشاء یہ سب کچھ کہنے کا نہیں تھا۔ مگر خیر.....

زیر نظر کتاب کی اشاعت کا ذکر چل رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت رواں صدی کی بہت بڑی تحریک تھی۔ اگر اسے کمزور قلم کاروں پر چھوڑ دیا جاتا تو اس تحریک کی افادیت ضائع ہو جاتی۔

میں نے اپنے پختہ کار ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ تاہم جہاں تک تحریک ختم نبوت کی تاریخ کا تعلق ہے۔ میری حقیقت ساحل پر کھڑے تماشا ٹی کی نہیں بلکہ میں برسوں اس سمندر کا تیراک رہا ہوں۔ موجوں سے اٹھیا، نہنگوں سے لڑا اور طوفانوں سے کھیلتا آ رہا ہوں۔ کبھی ہارا نہیں۔ ماضی کی تاریخ پر میرا قلم رہا ہے۔ الحمد للہ اقتدار کو رکھتے ہوئے واقعات کو میری رائے سے اختلاف نہیں۔ ہاں کوتاہی ہو سکتی ہے۔

تاریخ اُن واقعات کو اپنے دامن میں گرہ دیتی ہے جو اُس کے حتم دید ہوں۔ یا اُن شخصیات کا ذکر ضروری ہوتا ہے جو اس کے محرک روپ لگے ہوں۔ رہے وہ نام جو اس راستے میں کام آئے اُن کی فہرست داد و محشر تک محفوظ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا صلہ ضرور دے گا۔

۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۴ء تک ہزاروں شہید ہوئے۔ لاکھوں جیل خانوں میں گئے۔ یہ تمام روزِ محشر میں سامنے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی لاج رکھیں گے۔

قارئین جان گئے ہوں گے کہ جب میں کسی تاریخ یا تحریک پر قلم اٹھاتا ہوں تو اُس کا پس منظر سامنے لانا میرے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ مستقبل سمجھنے سے پہلے ماضی سمجھ میں آجائے۔

مغربی تہذیب نے جن اطوار سے اسلام کے ساتھ برصغیر کی تاریخ کو اپنی سیاسی مزدورت کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ رواں نسل اس حقیقت کو جان کر اپنا کردار چھوڑتی جا

رہی ہے۔
 زیرِ مطالعہ کتاب اگر ۱۹۳۱ء سے شروع کرتا تو تحریک ختم نبوت کے کئی ابتدائی اور
 بنیادی پہلو ذہنوں سے ماورئِ رہتے۔ جبکہ نصف صدی گزرنے پر بھی غلامی کے اثرات
 نوجوانوں کے ذہنوں پر غالب ہیں۔

غدا ختم نبوت، دجال قادیان (مرزا غلام احمد) کا شجرہ نسب چونکہ سیلمہ کذاب سے
 ملتا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے کتاب کی صفحت بڑھنی لازمی تھی۔ ظاہر ہے اس کا قیمت
 پر بھی اثر پڑتا۔ لہذا اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب خریدنے میں آسانی ہے۔
 دوسرا حصہ کتابت کے مراحل طے کر رہا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد قارئین تک پہنچ
 جائے گا۔ واسلام آپ کی دعاؤں کا محتاج جانبا زمر ۱۴۹۲ھ

قارئین کرام! والدِ گرامی مرزا غلام نبی جانبا زکی زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت تھی بچپن
 ہی سے قافلہٴ احرار سے وابستہ ہو کر حیل اور ریل کی نڈھ بھگتے اور پھر زندگی کے آخری دور میں
 قلم و قسط اس سے رشتہ جوڑ کر تاریخ کی گتھیاں سلجھانے میں لگ گئے۔ اس میدان میں
 انہوں نے تنہا وہ کام کیا جو ایک ادارے اور جماعت کا کام تھا۔

”سیلمہ کذاب دجال قادیان تک“ ان کا آخری کارنامہ ہے جس کی تکمیل و اشاعت کیلئے وہ
 آخری وقت تک بھرپور توجہ دیتے رہے کتابت کے مراحل ان کی زندگی میں طے ہو گئے۔
 افسوس ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء کی شب وہ آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے اور اشاعت کی خواہش
 ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی بہر حال اب یہ امانت آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

ان کے جملہ تحریری سرمایہ کی اشاعت کا تسلسل انشاء اللہ جاری رہے گا۔ اس ضمن میں
 ان کے احباب اور نیاز مندوں کی دعائیں اور تعاون مجھے درکار ہو گا۔ یقین ہے کہ احباب
 حسبِ سابق محبت سے لوازیں گے۔

میں اپنے بزرگ مولانا محمد شریف احرار اور اپنے چھوٹے بھائی طارق جانبا ز کا
 بھی ممنون ہوں جن کا پُر خلوص تعاون میرے ساتھ ہے۔ واسلام

دعاؤں کا محتاج ————— مولانا جانبا ز ۱۴۹۳ھ - ۱۴۹۲ھ

فہرست مضامین

- ارشادِ خداوندی
- ارشادِ خاتم الانبیاء (صلیہ)
- مسیلمہ کذاب کی حضور خاتم الانبیاء کی خدمت میں حاضری
- سرکارِ دو عالم کا جواب
- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ حکومت
- حضرت خالد بن ولید کا مسیلمہ سے آمناسامنا
- مسیلمہ کذاب کا قتل بدست حضرت وحشیؓ

۲

- برطانوی دورِ حکومت اور غدار کی تلاش
- برطانوی وفد کی غدار کی تلاش میں ہندوستان میں آمد
- غدارِ وطن کا خط برطانوی ملکہ کے نام
- دجال قادیان کی موت کس طرح سے ہوئی (باتصویر)
- مرزاٹیوں کا سیاسی اور اخلاقی ماحول
- مولانا عبدالکریم میاہلہ کا قادیان سے نکلنا
- مفکرِ احرار چوہدری افضل حق سے مباہلہ کی ملاقات
- قادیان میں احرار کا پہلا وفد اور اُس کی پٹائی
- قادیان میں انسانوں کا قتل عام
- قادیان میں مجلسِ احرار کا قیام اور مولانا عنایت اللہ حبشی

۳

و قادیان میں احرار کانفرنس (۱۹۳۳ء)

و رب قادیان

و حضرت امیر شریعت کا قادیان میں داخلہ

و مرزائیوں کے خلاف دیوبندی، بریلوی اور شیعہ اتحاد

و خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم اور میاں ممتاز محمد دو تار کی جھپٹلش

و قادیان میں احرار کا دفتر

و ماسٹر تاج الدین انصاری کا قادیان میں تقرر

۴

و تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کا آغاز

و گرفتاریاں اور نظر بندیاں

و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا تحریک ختم نبوت میں کردار

و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی گرفتاری

و مولانا مودودی گرفتار کیوں ہوئے

و ایک اہم اختلاف

مصنفین اور معاونین کا شکریہ | یہ نا انصافی ہوگی اگر میں اُن مصنفین اور معاونین کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری اس تاریخی دستاویز کو مکمل کرنے میں میرے سوا ہیں اور دل کی رہنمائی کی۔

و آتمہ تبلیس حصہ اول، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری و مشاہدت قادیان، مولانا عنایت اللہ چشتی میانوالی و شہر سدوم، شفیق مرزا و منیر انکوائری رپورٹ و کاروان احرار جلد چہارم، حیات امیر شریعت جانا باز مرزا، میری ذاتی یادداشتوں کے علاوہ مولانا عبد الرحیم اشعر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، مولانا حمید الرحمن عباسی، مولانا عبد الرشید انصاری نے بھی میری رہنمائی کی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خرد دے۔ (آمین)

نظام فطرت میں جھوٹ اور سچائی کے مابین کشمکش کی تاریخ انسان کی پیدائش سے شروع ہے۔ کبھی جھوٹ کی چمک سچائی کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور کبھی سچائی ابھر کر جھوٹ کی روشنی کو ماذکر دیتی ہے جیسے ہی انسانی بت حقیقت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں وقت اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے اور جھوٹ کی ساری عمارت ڈھیر ہو کر رہ جاتی ہے۔

اغراض زمانہ اس لڑائی کو کسی نہ کسی پڑے میں ڈال کر اپنے کو شریک کر لیتی ہیں، یہیں سے سیاست جنم لیتی ہے جس کی زد کبھی مذہب پر پڑتی ہے اور کبھی سلطنت اپنا دقار ضائع کر بیٹھتی ہے۔

اقوام مغرب کی مشرق میں آمد کے ساتھ ہی جس سیاسی وجود نے جنم لیا برصغیر میں اپنے برگ و بار بکھرے اور ایٹائی مذاہب کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کی سب سے بڑی زد اسلام پر پڑی۔ اس باخ کا ہر گل بوڑا بادِ سموم کی زد میں آکر اپنی بہاریں کھو بیٹھا۔

کفر کے قدم جیسے آگے بڑھتے گئے، اسلام کا متوقف اور اصول غیر ملکی آئین کی نظروں میں جکڑتے چلے گئے تا آنکہ سورج کی ہر کرن برائی کے گھیراو میں آکر داغدار دکھائی دینے لگی۔ اس مذہم گھٹن میں برائی کے جو ذرات پھیلے، مزاریت کا وجود بھی انہیں میں تھا۔ اس کی تخم ریزی میں وہی ہاتھ کار فرما تھا، جنہیں اپنے استحکام کے لئے غلامی کی گرہیں مضبوط کرنا مقصود تھا۔

یہ پودا جب تن آدر درخت بن کر اسلام کے دامن کو اپنے خار و خس سے
 پھیدنے لگا تو اس کی بیخ کنی کی فکر ہوئی بالآخر وہی ہاتھ اس کو اکھاڑنے کے لئے
 اٹھے، جو ۱۸۵۷ء سے انگریز کے دست و گریبان سے کھیلنے چلے آ رہے تھے۔
 انگریز بھی اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کے لئے پوری قوت سے
 ان لوگوں کے سامنے آیا۔ آخر جیت کس کی ہوتی؟ یہ داستان دلچسپ بھی ہے
 اور پُر مصائب بھی۔

زیر نظر کتاب کا مطالعہ دینی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ
قارئین کرام! مرزائیت کی سیاسی، تاریخی، اخلاقی اور دیگر داریوں
 کے پس منظر میں کریں۔

اس گروہ نے ملت اسلامیہ اور اسلام کے بنیادی پتھر کو انگریز کا اشارہ پا کر اپنی
 جگہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ خدا نخواستہ اگر یہ اپنی کوشش میں انگریز کی سیاسی ضرورت
 کے لیے کامیاب ہو جاتے تو اسلام کا روشن چراغ ہمیشہ کے لیے مدھم ہو جاتا۔
 یہ انہیں کے مطلب کی کمرہ رہے تھے
 زبانِ ان کی تھی، ہاتھ ان کی

انگریز نے اپنی زرتیت کے ذریعے مسئلہ جہاد اور اس قسم کے ضروری ارکان
 کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ عین وقت پر مجلسِ احرار اسلام ہند نے آگے بڑھ کر اس گروہ کو
 ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اور الحمد للہ احرار کامیاب ہوئے۔ آج یہ گروہ مسلمانانِ عالم میں
 ایک گالی کی حیثیت رکھتا ہے۔
 لہذا کتاب لہذا کو اسی پس منظر میں پڑھیں۔

(مصنف)

غدارِ وطن

غدارِ وطن غدارِ نبیؐ اس پاک وطن میں کیوں کر ہیں
 میں پوچھتا ہوں یا ایرانِ وطن یہ خارِ چمن میں کیوں کر ہیں
 ناموسِ محمدؐ عربی پر ہم جان بچھا کر دیں گے
 گر وقت نے ہم سے تجوئی مانگا ہم وقت کا دامن بھر دیں گے
 باطل نے بھی ہم کو جانا ہے ہم دار و رس کے راہی ہیں
 ہم موت سے لڑنا جانتے ہیں اس بات کی قسمیں کھائی ہیں
 باطل کی نبوتِ باطل ہے یہ زہر ہے ابنِ آدم کو
 یہ ٹولہ ہے ابلیسوں کا کہہ دو سارے عالم کو
 ہو قادیان یا پھر ربوہ ہو میخانے ہیں افرنگ کے یہ
 یوں ننگِ شرافت کہیے انہیں اسلام کی راہ میں ننگ ہیں یہ
 جمہور تقاضا کرتی ہے یہ کفر کی بستی ختم کرو
 یہ جاسوسوں کا ڈیرہ ہے اس ڈیرے کو بھی ختم کرو
 ورنہ پھر میدان میں ہیں سمجھو کہ کفنِ بردوش بھی ہیں
 ہم ختمِ نبوت کے وارث اس راہ میں سرِ فردش بھی ہیں
 تم سانپوں کے رکھو اے ہو کیوں دودھ پلاتے ہو ان کو
 یہ پاک وطن کے دشمن ہیں تم دوست سمجھتے ہو جی کو
 ہمت تو کرو جانبا زِ ذرا یہ بیڑہ ڈوبنے والا ہے
 تم دیکھتے ہو دجالوں کا اس دنیا میں منہ کالا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغاز سفر

عیسائی اور یہودیت کی گمراہ کن تحریکیں اپنے عروج پر تھیں۔ عقیدہ توحید ان کی ادب میں معدوم ہو چکا تھا۔ مخلوق اپنے خالق سے بیگانہ تھی تین خداؤں کی جو کھٹ پر سجدوں کی بھیڑ لگ رہی تھی ایسا لگتا تھا کہ ایک خالق کی مخلوق بہت سے خداؤں کی بھیڑ میں گم ہو چکی ہے۔ یہ ایک دو سالوں کی بات نہیں بلکہ پانچ صدیاں اسی گمراہی میں گزر چکی تھیں۔ اس دوران حیوانات کی پرستش کو اپنی ضرورتوں کا محور سمجھ کر ان کی پوجا ہو رہی تھی۔ انہیں کو حاجت روا جان کر خدا کی مخلوق خدا سے ہزاروں میل دور جا چکی تھی۔ خدا کے پیغام کی آواز اگر ان تک پہنچی بھی تو سنی اُن سنی کر کے اس کا مذاق اڑایا گیا۔ یہ مغرب کا حال تھا۔

اقوام عرب اس سے کہیں بڑھ کر ذلالت کے گڑھے میں گری ہوئی تھی۔ یہاں نہ کوئی مذہب تھا، نہ اصول، ہر قبیلے کے ہر گھر کے طاقتے میں اپنا اپنا بت رکھا تھا۔ لات ڈھیل اور منات کی پوجا ہو رہی تھی۔ ماؤں بیٹیوں اور بہنوں سے ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی رسمیں عام تھیں فسق و فجور کے اسی پُر آشوب دور میں یہاں اسلام کا ظہور ہوا۔

خالق کا آخری پیغام بر نبی نوع انسان کی بھلائی اور سلامتی کے لئے جو نسخہ کیا لے کر آیا تھا، سچائی سے منخرن اور بھٹکی ہوئی اقوام عرب نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ادارہ مزاج عرب قبائل قسیمیٹھا کر

حق کی آواز دکنے کے لئے کوہِ گراں بن کر آں کھڑے ہوتے۔ دقت۔ صبی
انہیں کے ساتھ ہو لیا۔

عرب کی خزاں زدہ وادیاں جو صدیوں سے اپنی بہاریں کھو چکی تھیں
باوِ سموم کے تند و تیز جھونکے، تپتی ریٹ کی گھٹریاں لے کر اپنے سروں پر

ڈال رہے تھے، ایسے میں بھی دادِ حشر کا نجات دہندہ اپنے رب کا حکم ان تک
پہنچاتا رہا۔ لیکن بگڑی ہوئی قوم نے سمجھنے اور سننے کی بجائے انہیں مجنون کہا۔ دعائیں
دینے کی بجائے گالیاں دیں۔ پھولوں کی بجگہ پتھر مارے۔ مکہ کی گلیاں اور بازار
اور خود رہ کر کائنات تیرہ برس خاتم الانبیاء کے صبر اور تحمل کا امتحان لیتا رہا۔
اپنے مظلوم بندے کے ساتھ اقوامِ عرب کا برتاؤ دیکھ کر فطرت کے آنسو بھی بہہ
نکلے اور یہی آنسو ابرِ رحمت بن کر وادیِ عرب پر برسے کہ زمین کے ساتھ دلوں
کی کھیتیاں بھی لہلہا اُٹھیں۔ مگر ابھی اور جہالت کے بادل جنہوں نے سچائی کے
سورج کی کرنیں روک رکھی تھیں پھٹتے چلے گئے۔ اس پر بھی رنگ آلود دلوں
کا کھڑنا مشکل تھا۔

نیکی انمول شے ہے اور اس پر مالکِ کون و مکاں کا اپنا اختیار ہے۔ وہ
جسے مناسب سمجھیں عنایت کرتے ہیں۔ فطرت کا یہ انمول شاہکار جن نیک
سیرت مہولیوں میں گرنا تھا، گرا اور وہ راہِ حق کے سنگِ میل بن کر کائنات
پر ابھرے۔

صداقت کا آفتاب طلوع ہونے کی دیر تھی کہ عرب قبائل کفر کے اندھیڑوں
سے نکل کر اسلام کے اُجالے میں آنے لگے، تاہم بعض دلوں میں کفر کی سیاہی
بدستور جمی رہی، منہم کدوں سے بُت اٹھا کر آستینوں میں رکھ لئے گئے۔
اسلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف
سازشوں کا مرکز دشمنِ اسلام عمر بن حشام (ابو جہل) کی حویلی کو بھڑایا گیا۔
منافقین مکہ کی یہود اور نصاریٰ سے شبِ دروزہم آہنجی بڑھنے لگی۔

سرتاج انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے کے ہر سوڑ پر دکھ اور تکلیف دینے کے نئے منصوبے سوچے گئے، راہ چلتے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر ان پر پھینکے گئے، انہیں مجنون کہہ کر بچوں سے تالیاں پٹوائی گئیں۔ نماز کے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر ادنٹ کی اوجھ رکھ دینا منافقین کا روز کا معمول بن گیا۔ اس پر یہ ستم کہ اپنے بھی متہ سوڑ کر پرانی صف میں جا کھڑے ہوتے۔

یتیم تک ایسے حالات میں یکہ دہنا مکہ کی گلیوں میں رب اکبر کا پیغام پہنچاتے رہے۔ نہ تو نیکی نے اپنا راستہ کبھی چھوڑا نہ بُرائی نیکی کے رستے خراب کرنے سے باز رہی۔ آفتاب رسالت نے جب سارے عرب کو محیط کر لیا تو باطل نئی سوچ و فکر سے سامنے آیا۔

انسانی دل و دماغ سے ایوانِ حکومت تک گذشتہ نصف صدی میں مرزائیت کے خلات جو عملی، علمی سیاسی اور آئینی جدوجہد ہوتی اس سے مرزائیت اس قابل نہیں رہی کہ اس کا تذکرہ کیا جائے، تاہم رواں نسل جسے مغربی تعلیم نے اسلام سے ارادتاً دور رکھا، مرزائیت کی باطل تحریک سے ہنوز پوری طرح آشنا نہیں۔

یہ دجالی تحریک نہ تو کوئی مذہب تھا اور نہ عقیدہ بلکہ غیر ملکی حکومت کی برصغیر میں سیاسی ضرورت تھی یہ تحریک جس کے پس منظر میں اسلام کا بنیادی عقیدہ ختم نبوت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس حقیقت کو ختم کرنا مقصود تھا کیونکہ اسلام کا محور یہی عقیدہ ہے مسلمان اس شمع پر جل کر اپنا ایمان سمجھتا ہے۔

عیسائی حکمرانوں کے لئے لازم تھا کہ وہ برصغیر کے غلام مسلمان کو اس عقیدے

سے منحرف ہونے کی ترغیب دیں، نیز اس سے مسلمان کو بغاوت پر آمادہ کریں۔ انگریز نے اس پر عمل کرتے ہوئے تمام کھیل کھیلا، چنانچہ یہی وہ باطل تحریک ہے جس نے مسلمان کو جہاد لیے جذبہ سے بیگانہ کر کے انگریز کی معاونت پر آمادہ کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی جذبہ جہاد کا نتیجہ تھی اور انگریز اس تحریک سے الگ تھا۔ اس جذبے کو ختم کرنا فرنگی حکمرانوں کے لئے از بس ضروری تھا۔ اسی ضرورت کے لئے انگریز نے مرزایت کو جنم دیا۔ جس نے آگے چل کر محکوم مسلمان کو مذہب سے بیگانہ کر دیا۔

دجالی تحریک کے بانی (مرزا غلام احمد) نے انگریز کی منشا اور اغراض کے لئے قریباً نوے سال پیشتر سے اسلام کے عنوان پر داعی اسلام کے خلاف لٹریچر کی اشاعت کی اور ہندوستان کے مسلمان کو گمراہ کیا۔

(۳)

فوس کی زندگی میں وہ دن بڑا منحوس ہوتا ہے جب وہ کسی غیر ملک کے غلام ہو جائیں۔ پھر تمدن کے ساتھ مذہب پر بھی پرائی چھاپ لگ جاتی ہے۔ ایک ہزار برس برصغیر پر حکومت کی ہواؤں میں تیرنے والا مسلمان جب فرنگی کی عمارت میں اپنا وقار کھو بیٹھا۔ اس پر اس کی تمام فردیں ہر گئیں۔ اس کے پاس عزت کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ مقدر کے ساتھ مذہب کا دفاع کیسے ہو سکے، احتجاج تک کی قوت بھی سلب ہو کر رہ گئی۔ انہیں واقعات نے عقیدہ ختم نبوت کو زہنوں سے اس حد تک محو کر دیا کہ اسلام کی بنیاد پر زور پڑتی دکھائی دینے لگی۔ اسلام اپنی حقانیت کے باوجود مشکوک ہونے لگ پڑا۔ غیر ملکی حکومت کا یہی منشا تھا اور وہ اس میں کامیاب تھی۔

احساس غلامی کے باوجود علمائے دین نے اپنی قوت ایمانی کو برطانوی ایجنٹوں دہن عزیز کے غداروں اور ختم نبوت کے باغی دجالی گروہ کے مقابل متحد کرنے کا فیصلہ

کر لیا۔

۱۹۳۱ء کا سال اس اعتبار سے بڑا مبارک سال ہے۔ جب اس غدار ٹوٹے پر مجلس اصرار کی پہلی ضرب پڑی یہ ضرب اس قدر کاری تھی کہ سازِ فرنگی کے تمام تار جھنجھٹا اٹھے اور مرزائیت کے تمام راگ بے سر سے ہو کر رہ گئے۔

(۴)

مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (نعوذ باللہ) اور ان کی قبر کشمیر سرینگر کے ایک محلہ بانپال میں ہے۔ اس باطل عقیدے کے تحت یہ دجالی گروہ کشمیر پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو کشمیر کا تیس لاکھ مسلمان مرزائیت کی آغوش میں چلا جاتا۔ (اس کی تفصیل پہلے

کارروانِ اصرار کی پہلی جلد دیکھیں) جب کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کشمیر کمیٹی کی صدارت میں دجال بشیر الدین محمود کے سپرد کر چکے تھے۔ اگر اصرار رہنما اس وقت جرات نہ کرتے تو آج سارا کشمیر کفر گڑھ ہوتا۔

اس موقع پر فرنگی سامراج اپنی روحانی اولاد کی حفاظت کے لئے کیل کانٹوں سے آراستہ محاذ آرائی پر اتر آیا۔

کاروانِ حریت ایک طرف دہلی عزیز کی آزادی کے لئے انگریزوں سے جنگ آزما تھا تو عین اسی وقت اسے دشمنانِ ملت سے بھی برسرِ پیکار ہونا پڑا۔

(۵)

زیرِ نظر کتاب کی نہ تو مذہبی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا دینی مسائل سے کوئی تعلق، کیونکہ قادیانی تحریک نہ مذہبی ہے نہ علمی۔ اکثر مستنفین نے خواہ مخواہ اس دجالی گروہ کو مذہبی سمجھ کر اس پر دلیل و برہین کے ڈھیر لگا دیئے۔ غام الا نبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ تھی نہ ہے۔

تاہم دنیاوی محبت کے طور پر حضرت مولانا ثنا اللہ امرتسری دجال اعظم (مرزا غلام احمد) سے جو عملی مباحلہ ہوا کہ

”سچے کے مقابل جھوٹا اس کی زندگی میں مرجائے گا“

تو یہ فیصلہ بھی ہو چکا، جھوٹا دجال اعظم (مرزا غلام احمد) مولانا ثنا اللہ کی زندگی میں واصل جہنم ہوا۔ اور حضرت مولانا چالیس سال بعد فوت ہوئے۔ یہ محبت بھی پوری ہو گئی۔

قرآن حکیم :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا، اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیز جانتا۔

ارشادِ ربِّ کریم

الْيَوْمَ بَيَّسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ -
الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا - (المائدہ: ۳۰)

آج کے دن کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے (کہ اب یہ دین ختم نہیں ہو سکتا) اس لیے تم کافروں سے مت ڈرو صرف مجھی سے ڈرو۔

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت میں

نے پوری کر دی۔ اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو ہی بطور دین پسند کیا۔
 مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ
 النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔ (الاحزاب: ۴۰)
 (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ
 وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شے کی حقیقت
 کو جاننے والے ہیں۔

ارشادِ خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔ (الحديث)
 میں نبیوں کی آمد کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي

حضرت امام ابو حنیفہؒ

”کوئی شخص کہے کہ وہ نبی ہے اس سے دلیل مانگئے والا بھی کافر ہو
 جاتا ہے۔“



ان واضح حقائق اور زرین اقوال کے بعد دینی اور دنیاوی اعتبار سے کسی لیل
 کی ضرورت نہ تھی، لیکن برطانوی دورِ اقتدار میں کوئی ہمت نہ کر سکا کہ وہ دجالِ قاذبان
 (مرزا غلام احمد) سے وہ سلوک کرے جو حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حکم پر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ

نے میلہ کذاب سے کیا تھا۔ تاہم وہ لوگ قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں جنہوں نے غلام ہونے پر عی دجالی اعظم سے اس کے دجل اور فریب پر علمی بحث کی اور کتابیں لکھیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ (آمین)

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھانے کوئی
کچھ اگر ہوئے تو یہی زندانیِ قداخوار ہوئے

جانبا زمرزا

منصب نبوت پر حملے اور دفاع نبوت

اندرونی خلفشار جس میں منافقین مکہ کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا بڑا دنل تھا، کے علاوہ عرب کے گرد و نواح میں ازداد و بغاوت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی رہنمائی چار شخص کر رہے تھے جن میں تین مرد اور ایک عورت تھی۔ پہلا شخص میلہ کذاب تھا، بعض مؤرخین نے اس مسئلے میں غلط فہمی کی ہے۔ انہوں نے اسود غنسی کو اسلام اور نبوت کا پہلا باغی قرار دیا، مگر حقیقت یہ نہیں۔ اسود غنسی، خاتم الانبیاء (صلعم) کی حیات طیبہ کے آخری ایام کے قریب منصب نبوت پر حملہ آور ہوا اور اپنی بیوی (جس کا نام آزار تھا) کی سازش سے داصل جہنم ہوا۔ جیسا کہ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری نے اپنی عربی کتاب میں درج کیا ہے جس کا اردو ترجمہ بھی انہوں نے خود ہی کیا۔ اس میں انہوں نے اسود غنسی کے متعلق اسی طرح لکھا ہے جب کہ باغیان ختم نبوت کی ترتیب اس کے برعکس ہے۔

(۱) میلہ الکذاب (۲۱) سباح بنت حارث (۳) طلحہ اور (۴) اسود غنسی، یہ غارت گرے انسانیت اپنے اپنے وقت میں ختم نبوت کے خلاف علم بغلات بلند کر کے محسن کائنات کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ عرب کے جملہ ان کے جال میں آتے چلے گئے۔

یہ لڑائی ایک طرف عرب کی تہذیب کمنہ کی نمائندہ تھی جس میں شعبہ باز اور بُت گردوں کے گردہ پوری قوت سے آراستہ تھے۔ خدا کا آخری پینا بزم

صرف اور صرف یکہ و تنہا سچائی اور دیانت کے پہاڑ پر کھڑا لوگوں کو کھار رہا تھا۔
 ”ہذا صراط مستقیم“

تاریخ عالم کے اکثر قضیے، عورت، مذہب یا وقارِ سلطنت کے بہانے
 لڑے گئے۔ لیکن عوام ان کے پس منظر سے ہمیشہ نا آشنا رہے اور جب
 حقیقت سامنے آتی تو پانی سروں سے گزر چکا ہوتا۔ مگر۔

ۛ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

دشمنانِ ختمِ نبوتؐ کا انجام
 ۱۔ مسیلمۃ الکذاب

مسیلمۃ کے باپ کا نام حبیب تھا اور کنیت
 ابو ثمامہ یا ابو ثمالہ تھی لے بنو حنیفہ سے تعلق
 رکھتا تھا۔ بنو حنیفہ کا جو ذند آئندہ حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۹ھ میں آیا تھا، اُس کا ایک رکن یہ بھی تھا
 اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام
 بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ سے بیعت کر لوں گا، لیکن آپ نے کھجور کی ایک
 شاخ جو آپ کے پاس تھی اس کی طرف اشارہ کر کے صاف جواب دے دیا کہ اگر
 تم مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگو گے
 تو میں نہیں دوں گا۔ اسی
 قبیلہ کے ایک اور شخص ہوزہ بن علی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح
 کی بات کہی تھی۔ لیکن آپ نے اس کو بھی یہی جواب دیا اور ساتھ ہی دعا فرمائی
 کہ اے اللہ! تو مجھ کو اس کے شر سے بچا۔ چنانچہ چند روز کے بعد ہی یہ مر گیا۔
 (بلاذری ص ۹۴)

مسیلمۃ و ذند بنو حنیفہ کے ساتھ اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا تو نبوتؐ کا دعویٰ
 کر دیا اور اس کے ساتھیوں نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد (رسول اللہ) نے مسیلمہ کو
 اپنا شریک کا تسلیم کر لیا ہے۔ بنو حنیفہ اور جو لوگ ان کے حلیف تھے وہ سب

نوٹ : بلاذری بیان کے مطابق حبیب مسیلمہ کے باپ کا نہیں دادا کا نام تھا
 اور باپ وغیرہ مسیلمہ بن حبیب کہتے ہیں لے صحیح بخاری ۲۶۰ ص ۶۲۸

مسیلمہ کے ساتھی ہو گئے۔ اب ان کی برزات یہاں تک ہو گئی کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہ عبارت تھی۔

”من مِیلَمَہ رسول اللہ الی مُحَمَّد رسول اللہ“ اور اس کے بعد لکھا تھا: ”آدمی زمین میری ہے اور آدمی زمین قریش کے لئے۔ لیکن قریش انصاف نہیں کریں گے۔“

یہ خط عمر بن ابجار و داحنفی نے مسیلمہ کی طرف سے لکھا تھا اس کا جواب نبی صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب سے جو کھوایا اس کے شروع میں یہ الفاظ تھے ”محمد النبی الی مِیلَمَہ الکذاب“ اور پھر لکھا تھا کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

مسیلمہ کے ساتھیوں میں کثرت سے ایسے لوگ تھے جو مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے تھے اور اس کی بد اخلاقی و بد عملی کے باعث اس کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ لیکن صرف قبائلی عصبیت کے باعث اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، چنانچہ خود مسیلمہ کا مؤذن جس کا نام حجر تھا اور وہ جب اذان دیتا تھا تو بر ملا کہتا تھا، ”اشھدان مِیلَمَہ یزعم انہ رسول اللہ“ یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور لطف یہ ہے کہ مسیلمہ بھی یہ سن کر کہتا تھا ”افصح حجید“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسیلمہ خود بھی اپنے متفق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا لیکن صرف اپنا کام نکالنے کے لئے چہرہ پر نبوت کا نقاب ڈال لیا تھا۔

یوں تو مدعیان نبوت کے سلسلہ میں اور بھی دو تین نام ملتے ہیں، لیکن ان کو فروغ نہیں ہوا اور وہ جلد ہی گم نامی کی موت مر گئے۔ ارتداد و بغاوت کا عرب میں ایک بیک جو طوفان اُٹھ آیا تھا اس کی رہبری اور قیادت بھی مذکورہ بالا چار شخص تین مرد اور ایک عورت کر رہے تھے، ان کے علاوہ عینیتہ بن حسن انغرازی اور مالک بن نویرہ وغیرہ ہما قسم کے لوگ انہیں میں سے کسی نہ کسی کے اعمال و انصارتھے۔ ان چار میں سے ایک شخص یعنی اسود عسنی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا آپ کی وفات کے فوراً بعد (علی اختلاف الروایات) مارا گیا تھا اور اس کے ساتھیوں میں سے جو چند آدمی زندہ د سلامت پہنچ رہے تھے انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔



سبحاح بنت اسکارث | اس وقت نبوت کا چھوٹا دعویٰ کرنے کی ہوا کچھ ایسی چل رہی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کے لئے اُتر پڑیں۔ چنانچہ سبحاح نے جو بنو تغلب سے تعلق رکھتی تھی، اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو تغلب اور بنو میم میں کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ ان کے علاوہ قبیلہ ہذیل جو عیسائی تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا اور مسیحیت کو ترک کر دیا۔ مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دست راست تھا لیکن سبحاح اور مسلمہ جس کا ذکر ابھی آتا ہے دونوں میں ازدواجی تعلق ہو گیا اور اس طرح اس کی نبوت مسلمہ کی نبوت میں مدغم ہو گئی۔

اس تعلق کی ابتداء کیوں کر ہوئی اور یہ کس نوعیت کا تعلق تھا۔ ابن جریر نے اس کی تفصیل جو کہ نہایت فحش ہے جلد دوم ص ۴۹ میں لکھی ہے لے فتوح البلدان ص ۹۷ بلاذری نے علیہ یہ لکھا ہے کہ پست قامت زرد رُدا اور چبڑی ناک دالی تھی۔ سبحاح بنت اسکارث کا انجام بھی مسلمہ کذاب کے ساتھ ہوا۔

طلیحہ بن خویلد اسدی قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب
طلیحہ ترا الاسدی ہے جو نواح خیبر میں آباد تھا۔ اس شخص نے حضرت
 رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد سعادت میں مرتد ہو کر سیمرا میں
 اقامت اختیار کی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے اغوائے خلق میں مصروف ہوا۔
 تھوڑے ہی دن میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

طلیحہ نے اپنے عم زاد بھائی یا برادر زادہ کو جس کا نام حیال یا حبال تھا۔ دُنیل کے ہادی
 اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی نبوت کی دعوت کے لئے مدینہ منورہ روانہ
 کیا۔ حیال بارگاہِ نبویؐ میں پہنچا اور سورتِ حال بیان کر کے حضرت سید الاولین
 والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) طلیحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت
 دی۔ حیال نے اپنے اثباتِ دعویٰ میں کہا کہ طلیحہ کے پاس ذوالنون (روح الامین)
 آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ”تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سُن لیا ہے۔“
 حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجہ میں کہنے لگا ”واہ صاحبِ ا
 آپ کیلئے ہیں، کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور
 نجات دہندہ یقین کرتی ہے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گستاخی پر
 ناخوش ہوئے اور فرمایا ”خدا تمہیں ہلاک کرے۔ اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔“
 چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حیال حالت ارتداد ہی میں قتل ہو کر داخل جہنم ہوا۔
 اور اس دُنیا سے نامراد گیا۔ طلیحہ نے چند اکاذیب اپنی طرف سے جوڑ جاڑ کر
 ان کو مسجع کیا اور اپنی نئی شریعت لوگوں کے سامنے اس شکل میں پیش کی کہ نماز
 میں صرف قیام کو ضروری قرار دیا۔ رکوع و سجود کو حذف کر دیا۔ رکوع و سجود کے
 متعلق کہا کرتا تھا کہ خدا نے بے نیاز مومنوں کے خاک پر رگڑنے سے مستغنی
 ہے اور وہ تمہاری پشت کی خمیدگی سے بھی بے نیاز ہے۔ معبود برحق کو کھڑے
 ہو کر یاد کر لینا کافی ہے۔ دوسرے احکام اور عبادات کے متعلق بھی بہت

سی باتیں اختراع کی تھیں۔ کہا کرتا تھا کہ جبریل امین ہر وقت میری مصابحت میں رہتے ہیں اور وزیر کی حیثیت سے تمام امورِ مہمہ میں مشورے دیتے ہیں۔

طلیحہ کے باپ کا نام خویہ تھا اور قبیلہ نبی اسد کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے اسدی کہلاتا تھا، اس نے نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کیا۔ آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ضرار بن الازور کو نبو اسد کا عامل بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو لوگ مرتد ہو گئے ہیں ان

کی سرزنش کی جائے، ضرار مسلمانوں کے ساتھ مقامِ واردات میں مقیم تھے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ان کے برخلاف طلیحہ اپنے آدمیوں کے ساتھ سیمرا میں فروکش تھا، لیکن اس کے ساتھیوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ آخر ضرار کے کسی ساتھی نے طلیحہ کو پکڑ کر اس پر تلوار مار دی، لیکن اتفاق سے یہ بچ کر بھاگ نکلا۔ اب اس کو پردہ پیگنڈہ کا اچھا موقع مل گیا کہ تلوار اس پر اثر نہیں کرتی ہے۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایک وسیع حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا۔ طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے پاس جبریل آتے ہیں اور مسیحی عبارتیں گھڑ گھڑ کر یہ بطور دجی سناتا تھا۔ عینیتہ بن حصن الفزاری جو طلیحہ کا دستِ راست تھا۔ جہاں عصیت کے نام پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔

بہر حال اسد غطفان اور اطراف کے قبائل میں اس کو بڑا نفوذ و اثر حاصل ہو گیا۔ طلیحہ نے ان سب لوگوں کو دو حصتوں میں تقسیم کر کے ایک کو مقام ابرق میں ٹھہرا دیا اور دوسرے فریق کو مقام ذوالقنہ کی طرف بھیجا جو مدینہ طیبہ سے نجد کے راستہ پر قریب ہی واقع ہے۔

حیال کی آمد کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت **طلیحہ کی موت** ضرار بن ازور کو اپنے اُن اعمال اور قبائل کے پاس تحریکِ جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا، جو طلیحہ سے قریب واقع تھے۔ حضرت

ضرار نے علی ابن اسد، لقمان بن ابوسنان، اور قبیلہ قضا لح اور قبیلہ بنو دوناؤزہ کے پاس پہنچ کر انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے اس ارشاد پر لبیک کہا اور حضرت ضرار کے ماتحت مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا۔ لشکر اسلام واردات کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ ادھر کفار نے بھی لاد لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی دل دادگانِ توحید و جان نثارانِ رسالت شیر غزان کی طرح دشمن پر چھٹ پڑے اور جو سامنے آیا اس کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر گرا دیا۔

پیردانِ طلحہ نے جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کے زخم کو رد کرنے کی بہتری کوشش کی، لیکن شجاعانِ اسلام کے مقابلہ میں کسی طرح عمدہ برآمد ہو سکے اور سخت بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام منظر و منصور واپس آیا۔ طلحہ بھی اس جنگ میں واصل جہنم ہوا۔



اسود غنسی | اس کا نام عجلہ بن کعب تھا۔ قبیلہ مذحج کی شاخ غنس سے تعلق رکھتا تھا۔ کہانت اور شعبہ بازی میں اس کو بڑی دسترس تھی۔ اس کا ایک گدھا تھا جس کو اس نے سکھا پڑھا رکھا تھا۔ گدھے سے کہتا کہ کیا تو اپنے رب کے سامنے سجدہ نہیں کرے گا اور اس کے بعد وہ گدھے سے گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہتا اور گدھا اس کی فوراً تعمیل کرتا تھا اس کی وجہ سے اس کا لقب ذوالخمار پڑ گیا تھا۔ یہ بلاذری کا بیان ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ذوالخمار نہیں بلکہ ذوالخمار ہے۔ خمار دوپٹہ یا اوڑھنی کو کہتے ہیں، چونکہ یہ ہر وقت عمامہ باندھے رہتا اور چادر اوڑھے رہتا تھا اس لئے اس کو ذوالخمار کہتے تھے۔

اُن دنوں میں سیاسی اعتبار سے شاہِ ایران کے ماتحت تھا۔

اسود غنسی کا دعویٰ نبوت اور خروج | حجۃ الوداع سے تشریف لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

مزاج گرامی کچھ ناساز ہو گیا تھا۔ اسود عنی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کا حوصلہ بڑھا اور اس نے خود نبوت کا دعویٰ کر دیا، جیسا کہ کہا چکا ہے یہ شعبہ باز تو تھا ہی۔ قبیلہ مدح اس کا ہم نوا ہو گیا۔ اسود نے سب سے پہلے نجران پر حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جگہ جو عامل اور مبلغ مقرر تھے یعنی عمر بن خرم اور خالد بن سعید ان کو یہاں سے نکال دیا۔ اب وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ ادھر سے باذان کا بیٹا شرمقابلہ کے لئے نکلا۔ لیکن شہر بن باذان نے جام شہادت نوش کیا (یہ واقعہ اسود عنی

کے خروج کے پچیس دن کے بعد پیش آیا) شہر صنعاء کی حیثیت چونکہ مرکزی تھی اس لئے اس کے سقوط کے ساتھ ہی مسلمان عمال میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ نضا کو ناسازگار پاکر منتشر ہو گئے۔ بقول مؤرخ ابن اثیر کے اسود عنی کی شہرت آگ کی طرح پھیل گئی اور چند روز میں ہی یہ یمن کی سب سے بڑی طاقت بن گیا۔ شہر بن باذان کی شہادت کے بعد اس نے اس کی بیوہ۔ یہ نکاح بھی کر لیا تھا جس کا نام آزاد تھا، قدرت نے اسی بیوہ کے ہاتھوں اس کی ہلاکت مقدر کی تھی۔

اس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے یہاں جو لوگ اپنے اسلام پر ثابت قدم تھے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ صاف طور پر کھلم کھلایا چالاک کے ساتھ جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنی کا مقابلہ کریں۔ ادھر ایران کے شاہی خاندان کے افراد اور اعیان داسرا جو یمن میں آباد تھے اسود عنی نے ان کے ساتھ انتہائی تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرنا شروع کر دیا تھا، اس لئے یہ لوگ اس شخص سے نالاں اور پریشان تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پہنچا جس کو دہر بن نجس الازدی لے کر گئے تھے اور ادھر آپ نے قیس بن ہیرۃ بن مکشوح کو بھی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اسود سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا تو ان لوگوں نے

ایرانی اسرافیرز اور داؤد وید اور شہرین باذان کی بیوہ آزاد جواب اسود کی بیوی تھی ان سب کے ساتھ مل کر اسود کو دھوکہ سے قتل کر دینے کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ چنانچہ آزاد کی رہنمائی میں ایک شب یہ سب لوگ اسود غسی کے مکان میں ایک پوشیدہ راستہ سے داخل ہو کر چھپ کر بیٹھ گئے اور آخر صبح کے وقت جبکہ اسود نشہ کی حالت میں پڑا سو رہا تھا، فیرز نے آگے بڑھ کر اس زور سے تلوار کا دار کیا کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور مذبح بیل کی طرح دھڑکیں مارنے لگا۔ اسود کے مکان کے پہرہ دار جو ادھر ادھر تھے یہ سچ سن کر دوڑ

پڑے اور پوچھا کہ کیا ہوا تو آزاد نے مذاق میں کہا کہ تمہارے پیغمبر پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اتنے میں داؤد وید اور قیس اور چند اور مسلمان جو چھپے بیٹھے تھے آگئے اور قیس نے اسود کی گردن اس کے تن سے جدا کر دی۔ اس کے بعد شہر کی چار دیواری پر گھڑے ہو کر اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور اسود غسی جھوٹا اور کاذب تھا۔ اسود کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، جو بھاگ سکتے تھے بھاگ گئے، جنہوں نے کچھ مقاومت کی ان کا کام تمام کر دیا گیا۔

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز پہلے پیش آیا اور آپ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا، لیکن اس کی اطلاع مدینہ میں آپ کی وفات کے دس دن بعد پہنچی، چونکہ خلافتِ مدنی کے عہد کی یہ پہلی خوشخبری تھی اس لئے حضرت ابوبکر صدیق کو قدرتی طور پر اس کی بڑی مسرت ہوئی۔

مصر کے معروف دانشور محمد حسین ہیکل ان واقعات
فتنوں کا پس منظر | پر لکھتے ہیں۔

”فتنہ و فساد کے اس طوفان پر نظر ڈالنے سے بعض قابلِ غور

اہم امور سامنے آتے ہیں۔“

”پہلی بات تو یہ ہے کہ جو فتنہ اٹھا، بڑی تیزی سے اٹھا۔ اسود
غنسی مینی نے بڑے تھوڑے عرصہ میں ملک کے ایک بڑے حصے
پر قبضہ کر لیا اور اس کی حکومت حضرموت سے مکہ مکرمہ اور طائف
یک پھیل گئی۔“

”مسلمہ اور طلحہ نے بھی غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ مسلمہ، طلحہ اور اسود
تینوں ایسے موقع کی تلاش میں تھے، جب وہ باقاعدہ بغادت کا اعلان
کر کے اسلامی حکومت کا تختہ الٹ سکیں۔ ابتدا میں ان تینوں نے بناب
رسالت آج کی ذات پر کوئی الزام رکھے بغیر یا آپ کی رسالت کی

مخالفت کتے بغیر اپنا پر اپگنڈہ شروع کیا۔ تینوں کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی
ہیں اور جیسے ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء مبعوث ہوئے
ہیں اسی طرح انہیں بھی اپنی اپنی قوم کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، مگر
جو نبی حضور اکرم کی رحلت کی خبر پھیلی ان فتنوں کی آگ بھڑک اٹھی۔
اور دیکھتے دیکھتے سارا عرب ایک آتش فشاں پہاڑ میں تبدیل ہو گیا۔
اور اس سے آگ اور لادانکل کر چاروں طرف پھیلنے لگا۔ یہ فتنہ مختلف
نقاطوں میں مختلف صورتوں میں پھیلا اور ہر جگہ اس کے اسباب و عوامل
بھی علیحدہ علیحدہ تھے۔

” ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ جن علاقوں میں ارتداد کا فتنہ
پھیلا، وہ تہذیب و تمدن اور دولت و ثروت کے لحاظ سے سارے
عرب میں نمایاں تھے اور ان کی حدود ایران سے بہت قریب تھیں۔
اسی لئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ شاید ان فتنوں کے پیچھے
ایران کا ہاتھ ہو۔“

” ان مدعیان نبوت کی عارضی کامیابی میں بعض اور عناصر بھی کار فرما

تھے۔ مثلاً اسود عسی کی کامیابی کی بڑی وجہ اہل یمن کی اہل حجاز سے سخت نفرت تھی۔ اسو نے ان کا یہ جذبہ نفرت ابھار کر انہیں آسانی سے اہل حجاز کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ میلہ اور طلیحہ نے بھی اپنی اپنی قوم کی عصیت کو بھڑکایا۔

”یمن کی بغاوت نے بنی یمامہ اور بنی اسد کو اسلامی حکومت کے خلاف کھڑے ہونے کی جرات دلائی، ورنہ ابتدائی وہ علم بغاوت بلند کرنے سے خائف تھے۔“

اللہ تعالیٰ بھی قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

مَا كَانَ لِإِنْسِيَا أَنْ يُوْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ
لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّاتِنِ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝

تیسرا پارہ سورۃ آل عمران

ترجمہ: کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وہ تو یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، پوری انسانیت میں بالخصوص اور کائنات کی ہر نوع میں بالعموم سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام منصب نبوت ہے جو کائنات کی ہر مخلوق کا تعلق بغیر کسی واسطہ سے رب کے ساتھ جوڑتا ہے۔ خدا کے ایک ہونے اور بے مثل اور بے مثال ہونے کا تعارف نبوت کی زبان میں کرتا ہے جس کو قرآن مقدس کی روشنی میں وحی الہی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خاتم الانبیاء کا سفر آخرت | منصب نبوت ایسی کھپ نہیں نہ منڈی کا مال ہے
کہ ہر کوئی خرید سکے یہ عطیہ خداوندی ہے جو تن

صاف ستھرا ہوگا۔ یہ متاع گراں مایہ خالق کائنات اسی میں ڈالتے ہیں۔
معنی کائنات کسی دنیاوی سلطنت کے وارث نہیں تھے اس پر بھی فطرت کی
طرف سے جو ذمہ داریاں انہیں سونپی گئیں کہ اقوام عرب کے بوسیدہ اور بگڑے
ہوئے چلن کو سنوار کر انہیں منم کدوں سے اٹھا کر توحید باری تعالیٰ کے سامنے
سجدہ ریز کر دیں۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دم واپسی تک اپنی انہیں ذمہ داریوں کو پتھر کھا کر
کھالیاں کھنکھائی ہو کر نبھایا۔ اس طرح یہ دفاع نبوت کا دورِ اولین ہے جس
کی رہنمائی خود سرورِ دو عالم نے فرمائی اور جو کام رہ گیا وہ اپنے بااعتماد رفیقِ کار
حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سونپ کر خود سفرِ آخرت کو روانہ ہو گئے۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدائی میں خدا کے نمائندہ
محمد صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) ہوتے ہوئے مخلوق کے لئے نیک خواہشات

کا آئینہ تھے۔ لاریب فریم میں ہر تصویر اپنا عکس لئے ہوتی ہے البتہ اس کے
رنگ و روغن میں تضاد ہونا فطری عمل ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں تربیت پانے اور انہیں حاصل
زندگی سمجھنے والا جب انسانیت کے سکول میں داخل ہوا تو بچے اختیار کر کے اٹھا۔

۱۔ اقبال تیزے عشق نے سب بل دیئے نکال
مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

●
حضرت صدیق اکبرؓ اس درسِ عظیم کے پروردہ اور تعلیم یافتہ ہی نہیں
بلکہ اس منصب کے اہل بھی سمجھے گئے، جو انہیں سپرد کیا گیا۔
۲۔ دیتے ہیں تیرے طرف کدہ خوار دیکھ کر

تلاذہ وہی کامیاب مانے جاتے ہیں جنہیں معلم کی مسند کا احساس ہو اور جب وہ اس منصب پر فائز ہو جائیں تو مقصود معلم تک پہنچنے میں تامل نہ کریں۔

داعی اسلام سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے کندھوں پر سب سے بڑا بوجھ اُن مرتدین کا خاتمہ تھا جنہوں نے سخت نبوت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف آفتاب رسالت شفق الہی میں غروب ہونے کے بعد مسلمان غم کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے انہیں کچھ سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ منافقین اسلام کی مخالف قوتوں سے گٹھ جوڑ کرنے لگ پڑے تھے۔ حضور (صلعم) کے وصال کی خبر سنتے ہی لوگوں کے ایمان کی کشتیاں ڈگمگانے لگ گئیں۔ کفر اپنے باطل ارادوں کا برملا اظہار کرنے لگا۔ مسلمانوں کے سیاسی نظام کو دھچکا پہنچ رہا تھا۔ یہ وقت اصحاب رسولؐ کے لئے ابتلا و آزمائش کا بڑا ہی خطرناک تھا، لیکن ایمان پختہ اور ارادے میں کجی نہ ہو تو سمندر کے پانی پاؤں دھولے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے مسندِ خلافت سنبھالی تو دو عظیم فتنے مدعیانِ نبوت اور منکرینِ زکوٰۃ اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے تھے۔ اگر اس وقت امیر المومنین حضرت صدیق اکبرؓ اس دور پر آشوب میں کسی مصلحت کا شکار ہو جاتے تو اسلام کا نظام اور اس کی افادیت ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ جاتی۔

تحریک ختم نبوت کا دوسرا باب

صدف سے موقی نکالنا اس قدر دشوار نہیں جب کہ اس کی سنبھال مشکل ہوتی ہے۔ بلاشبہ اسلام کے موقف میں زکوٰۃ کا مسئلہ اس عظیم عمارت کی خشتِ اول تھا، لیکن اس صورت میں جب یہ عمارت باقی رہے؟ اسلام کی اصل بنیاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ہے۔ اگر یہ پتھر اپنے

مقام پر نہیں رہتا تو اسلام کی تمام عمارت دھڑام سے نیچے آ رہتی۔ اگر شاخ نہ رہے تو ٹہن کیا؟ اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے معلم اعظم (صلعم) کی خواہش پر رب اکبر کے فیصلے پر پھول چڑھائیے کر دین مصطفیٰؐ کی تکمیل ہو چکی۔ اب کسی نئے دین یا مزید کسی نبی کی ضرورت نہیں لہذا باقی امور مملکت کو مؤخر کر کے اس ضرورت کو اولیت دی کہ مستقبل میں ملت کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے کا احتمال تھا۔

عزم راسخ ہی انسان کی معراج ہے۔ حضور (صلعم) کے وصال کے بعد حالات میں جو تعطل آچکا تھا اسے محسوس کرتے ہوئے اجماع صحابہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سمیت یہ رائے قرار پا چکی تھی کہ دین الہی کی بنیادیں ہنوز نچتے نہیں ہیں۔ بادِ سموم ہر گام پر آگ برسا رہی ہے۔ منافقین کے گروہوں میں سازشیں زور پکڑ رہی ہیں۔ ان حالات میں کوئی ایسا قدم جس سے جنگ و قتال کا پہلو نکلتا ہو غیر مفید ہوگا۔

ان دنوں اطرافِ عرب سے کئی وفد حضرت صدیق اکبرؓ سے مدینہ میں آکر ملتے جن میں منکرینِ زکوٰۃ اپنے حق میں کئی دلائل دیتے، جسے سن کر اکثر صحابہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ

”ان لوگوں کو جو زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے، انہیں موجودہ حالات میں چھوڑ دیا جائے اور ان سے مزید کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ ان لوگوں کا ایمان نیا نیا ہے جب مکمل طور پر دینِ ذہن نشین اور واضح ہو جائے گا تو پھر یہ لوگ خود بخود زکوٰۃ دینے لگ جائیں گے“

حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کا یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جواب میں فرمایا۔

”خدا کی قسم اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسی سے بھی جویر سرکلہ دو عالم (صلعم) کے عہد میں زکوٰۃ ادا کرتے تھے، انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا“

حضرت صدیق اکبرؓ کے اس جواب کے خلاف حضرت فاروقؓ نے اپنے دلائل

دیئے، لیکن اونٹ کسی کر دٹ نہ بیٹھا۔

یہ بحث ہنوز تشنہ تھی کہ ایک اور سوال سامنے آیا کہ حضورؐ کی حجابِ طیبہ میں جو شکر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں ظلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا تھا حضرت صدیق اکبرؓ اس لشکر کو مدینہ سے روانہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ صحابہ اکرام اس پر بھی معترض تھے کہ ان حالات میں اسلامی لشکر کا مدینہ سے باہر جانا درست نہیں جبکہ منافقین چاروں طرف سے اسلامی اصولوں کا محاصرو کئے ہوئے تھے ایسا نہ ہو کہ وہ مدینہ کو مجاہدین سے خالی پا کر حملہ آور ہوں؟ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ حضرت اسامہ کی روانگی پر کیوں مُسّر تھے اس کا پس منظر جان لینا بھی ضروری ہے تاکہ صدیق اکبرؓ کے نیا ض نبوتہ ہونے کی تصدیق ہو سکے۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام اور متبنی تھے۔ ملک شام میں موتہ کے مقام پر نصاریٰ کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ اس بنا پر محرمِ سالہ میں حضرت خیر الودیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر بھیجنے کا عزم فرمایا تھا۔ آپؐ نے اس مهم کی قیادت حضرت زید شہیدؓ کے فرزند گرامی حضرت اسامہؓ کو تفویض فرماتے ہوئے حکم دیا تھا کہ وہ شام جا کر یقیناً اور داروم کی سرحد تک ترکنا کریں اور اعدائے اسلام کو اپنے شہید باپ کے قتل کی قرار واقعی سزا دیں، لیکن منافقوں نے اربابِ ایمان کو بد دل کرنے کے لئے یہ بحث کھڑی کر دی تھی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و انصار پر ایک غلام کو امیر و سردار بنا دیا ہے، اہل نفاق کی شرانگیزی کا حال حضورؐ کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اس سے پیشتر اسامہؓ کے باپ زید بن حارثہؓ کی امارت پر بھی طعن کیا تھا حالانکہ زیدؓ کی طرح اسامہؓ میں بھی صلاحیت موجود ہے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ اسلام اپنے تمام پیروں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ غلام ہو یا آزاد اتنی قابلیت و صلاحیت شرط ہے اکثر اکابر صحابہ جمعی میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جلیل القدر مہاجر بھی داخل تھے۔

حضرت اُسامہ بن زیدؓ کے ہر کاب ہونے۔ یہ لشکر ابھی چلنے ہی کو تھا کہ حضور سید
الاکرمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مرض سے دوچار ہونا پڑا، جس میں آپؐ نے
اس سرائے فانی کو الوداع کہا اور چونکہ حضورؐ کا مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا
اور اس قسم کی متوحش خبریں پیہم آنے لگیں کہ یمن میں اُسود غنسی نے، یمامہ میں مسیلمہ نے
اور بنی اسد کے اندر طلحہ نے فروج کیا ہے۔ جیش اُسامہؓ کی روانگی میں مزید التوا ہو گیا۔
بنابرین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت اُسامہؓ کے لشکر بھیجنے پر اسی طرح
قائم رہے جس طرح وہ منکمرین زکوٰۃ کے سلسلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔

مسلمہ کذاب اور سجاح سے پیشتر بھی پاگلوں کا گروہ تختِ نبوت پر حملہ آور
ہو چکا تھا جن میں اُسود غنسیؓ، طلحہؓ، رمدیؓ اور ابن حیاؓ زیادہ معروف ہوئے۔

ان مدعیانِ نبوت کے ساتھ ان کے قابلِ بھی اسلام سے منحرف ہو کر اسلام کے
خلاف اودھم مچاتے رہے خاص کر اُسود غنسیؓ اور مسلمہ کذاب کے کردار نے سرورِ
کونین (صلعمؐ) کو زیادہ صدمہ پہنچایا۔ ان دونوں سرکارِ دو عالم (صلعمؐ) حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کے گھر مبارک میں دمِ آخری کے انتظار میں تھے کہ سرکارِ دو عالم (صلعمؐ) نے
خود فرمایا۔

میں نے خواب میں اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے۔ مجھے
ان سے نفرت ہوئی تو ان پر پھونک دیا۔ مَآنِ دونوں کنگن معدوم ہو
گئے۔ ان دونوں کنگنوں کی تعبیر یہی دو جھوٹے دجال ہیں کہ میں جن
کے درمیان میں ہوں۔ ایک مسلمہ یمامہ والا اور دوسرا اُسود غنسیؓ۔
آپؐ نے انہیں ایامِ مرض میں وحی الہی سے اطلاع پاکر یہ بھی فرمایا کہ:
”اُسود فلان روز اور فلان مقام پر قتل کیا جاتے گا۔“
چنانچہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ان کے جانثار صحابہ اکرامؓ نے
مدعیانِ نبوت سمیت تمام فتنوں کو ختم کر دیا تھا، البتہ یمامہ میں مسلمہ کذاب کا وجود

حق کے راستے میں کانٹے بکھیر رہا تھا۔ دوسری طرف عرب کے شمال مشرق میں قبیلہ تمیم میں سجاح بنت حارث اپنے حُسن کے سبب پر جُہلا کے دل غریب رہی تھی۔

ۛ دل سے دل نہ پھرتی ہوں ہے کوئی لینے والا

صنفِ نازک ہونے کے باوجود سجاح بہادر حوصلہ مند تیز طرار تھی۔ اپنی گفتگو سے پتھر موم کر لینے کا ملکہ رکھتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اسے بھی کاروبار نبوت کا شوق چرایا۔ کوئی اگر سجاح سے سوال کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فرماتے ہیں کہ:

”میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا“

جواب میں کہتی کہ۔

”حضور نے درست فرمایا کہ مردوں میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔

مگر حضور نے یہ تو نہیں فرمایا کہ عورتوں میں کوئی نبیہ نہیں آئے گی۔“

تھوڑی سی طاقت بھی آدمی کو آپلے سے باہر کر دیتی ہے۔ سجاح محض حُسن و جوانی کے سرمایے سے مالا مال تھی بلکہ اس کی جھولی میں جو دولت تھی اسی کی گمراہی میں آن کر قبیلہ بنی تغلق کے سردار بھی اس کے لشکر میں شریک ہو گئے، لیکن لشکر کی کمان سنبھالنے پر باہم چھوٹ پڑ گئی، جسے سجاح کی چرب زبانی نے سنبھال لیا۔ یہ تیاری قبیلہ بنی دہاب کے خلاف تھی۔ مقابلہ میں بنی دہاب بھی تیار تھا۔ میدان کارزار میں آمنے سامنے ہونے پر دونوں طرف سے جنگجو مارے گئے۔ آخر میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

قبیلہ بنی دہاب
سیلمہ کذاب اور سجاح کا ازدواجی بندھن | سے فارغ ہو کر

سجاح اپنا لشکر لے کر ارضِ یمامہ کی طرف بڑھی۔ یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ آباد تھا اور یہاں سیلمہ کذاب اپنی نبوت کی ڈنلی سجا رہا تھا۔

سبحا کے گرد جہوجہوم جمع ہو گیا تھا، وہ نہ تو فوجی تھا نہ سامانِ حرب سے واقف اسی بنیاد پر سبحا کو گزشتہ دونوں جنگوں میں شکست ہوئی۔ یہ بیٹھ رہی تھی جسے سبحا کا حُسن اپنے پیچھے لے ہوتے تھا جیسے کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ سبحا بنت حارث مدینہ منورہ پر لشکر کشی کے لئے نکلی تھی لیکن راستہ میں اُسے الجھنا پڑا۔ اب پھر وہ اپنی منزل (مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے) پر روانہ ہوئی۔ پیامہ کے مقام پر قبیلہ بنی حنیفہ آباد تھا، میلہ کذاب کا مرکز بھی تھا چنانچہ صدیق اکبرؓ نے نظامِ خلافت سنبھالنے ہی اس قبیلہ کا خاتمہ ضروری سمجھا اور خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی لشکر پیامہ کی طرف روانہ کیا۔ دوسری طرف سے سبحا میلہ پر حملہ کے لئے پیامہ پہنچ رہی تھی۔ میلہ نے دیکھا کہ اسلامی لشکر اور سبحا ایک ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں اس نے پہلے سبحا سے نپٹنا ضروری سمجھا۔

اس کے لئے میلہ نے سبحا کو اپنے سے مناظرہ کی دعوت دی جسے سبحا نے قبول کر لیا۔

میلہ چھٹا ہوا بدعناش تھا۔ اُس نے سبحا کے آنے سے پیشتر ایک خوبصورت خیمہ نصب کیا، جس کے ارد گرد کا ماحول اور خیمے کے اندر کے ماحول کو ہمہ اقسام کے پھول اور عطریں فضاؤں سے نفسانی خواہشات کے مطابق اس انداز سے بھڑکیلا اور نشاط انگیز طریق سے سجایا کہ مناظرہ کی جگہ یہ خیمہ نو بیاہتا دلہن کا شبِ عردسی کا کمرہ دکھاتی دیتا۔ سبحا جیسے ہی خیمہ کے اندر داخل ہوئی عطریات کی خوشبوؤں نے اس کے دماغ کو اس قدر معطر کیا کہ وہ خیمہ کی سج و طرح نرم ریشمی گتے، ہوا میں اڑتے پھولدار پردے دیکھ کر مبہوت ہو گئی، بے خودی کے عالم میں جوانی کا ابھارا چہلنے لگا۔ اس کی نظروں کے ڈورے سُرخ دیکھ کر میلہ بھی اس کے قریب آ بیٹھا اور لگا مضراب دل کی تاروں کو چھیڑنے۔ جیسے جیسے مضراب کی چوٹ پڑتی گئی، سازِ شوق جذبات کی لہریں میں محبت کے گیت اپنے لگا۔

میلہ اس وقت عمر کے ایک سو برس کے پیٹے میں تھا جب کہ سباح کی جوانی کا دریا پوری طرح اپنے بہاؤ پر تھا۔ شباب اور بڑھاپے کے اس سنگم نے حرص و ہوس کو اس قدر تیز ہوا دی کہ دونوں کے درمیان تمام پردے سرکتے چلے گئے۔ میلہ نے جب دیکھا کہ سباح پوری طرح اس کے دام میں آ چکی ہے تو سباح سے سوال کیا

”اگر جناب پر کوئی تازہ وحی نازل ہوئی ہو تو سنائیے“

سباح : نہیں، پہلے آپ اپنی وحی کے الفاظ سنائیں، کیونکہ میں پھر بھی عورت ہوں۔

سباح کے اس جواب پر میلہ سمجھ گیا کہ سباح کی نبوت کا حوصلہ اس کے مقابلے میں بہت کمزور ہے اور اس کی طرح یہ بھی کافذ کی کشتی پر سوار ہے۔ اس نے سباح کی لسوانی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

مجھ پر یہ وحی ابھی ابھی اُتری ہے۔

التم ترکیف فعل ربت بالحبلی

اخرج منها نمة تسعی من بین صفاق

ترجمہ: ”کیا تم اپنے پروردگار کو نہیں دیکھتے کہ وہ حاملہ عورتوں سے کیا سلوک کرتا ہے۔ ان سے چلتے پھرتے جاندار نکالتا ہے جو نکلتے وقت جلیوں اور پردوں کے درمیان لپٹے ہوتے ہیں“

یہ الفاظ سن کر میلہ نے سباح سے دست درازی شروع کر دی، کبھی جسم کو گدگداتا، کبھی رانوں پر ہاتھ پھیرتا۔ کبھی ہنٹوں اور خدوں کو مس کرتا۔ سباح نے میلہ کا جب یہ حملہ بھی برداشت کر لیا تو اب میلہ نے ایک اور دار کیا یعنی سباح سے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی ایک اور آیت نازل فرمائی ہے

ان الله خلق للنساء افرجاہ وجعل الرجال لهن ازواجاہ فويل
 لهن ايلاجاہ ثم نخرجنا اذا النساء اخراجا فيبين لنا سخالا
 استاجاہ

گہی کو آگ پر رکھا جائے تو وہ یقیناً پگھلے گا، جو ان اور کنواری لڑکی کے سامنے اگر اس
 قسم کی فحش، شرمناک اور اشتعال انگیز گفتگو کی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے جذبات
 میں تلاطم پیدا ہوگا۔

اس کے بعد مسیلمہ نے سباح کو عربی کے ایسے فحش اور حیا سوز اشعار سنائے
 جس نے آگ پر تیل کا کام کیا۔

شیطان سباح پر پوری طرح غالب آچکا تھا۔ مسیلمہ کا الہام اور سباح کی
 وحی اب ایک دوسرے کے سامنے ننگے تھے۔ میدان ہموار دیکھ کر مسیلمہ کذاب
 نے اپنے سفر کی اگلی منزل شروع کی یعنی سباح سے کہا۔

”سنو! خدائے برتر نے نصف زمین مجھے دی تھی اور نصف قریش
 کو، مگر قریش نے نا انصافی کی، جس کی وجہ سے رب العزت نے
 قریش سے ان کا نصف حصہ چھین کر تمہیں عطا کر دیا ہے۔ میں کمال
 صدق و اخلاص سے کہتا ہوں کہ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ تم مجھے
 اپنی ہم نشینی کے لئے قبول کر لو اور ہم تم دونوں باہم عقد کر لیں۔
 کیونکہ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب
 پر قبضہ کر لیں گے۔“

سباح: ”مجھے منظور ہے“

مسیلمہ: پھر دیر کیا ہے۔ آؤ، ذرا گلے لگ جاؤ۔

تیر پر تیر چلاؤ، تمہیں ڈر کس کا ہے

دل کس کا ہے میری جان بگر کس کا ہے

سباح جو شروع سے خیمے کے اندر دنی جذباتی ماحول سے متاثر اور

بدست ہو چکی تھی۔ سیلمہ کی فحش اور گندی گفتگو سے دو آتشہ ہو گئی۔ اس موقع پر شرم و حیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ سبحان نے بے خودی کے عالم میں سیلمہ کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی خواہشات پوری کرے جب ساقی کی اپنی رضا ہو، مہ خوار جام اٹھائے اور پھر موسم بھی برسات کا ہو اور چھائی ہو گھٹا بھی، کون کافر ہے جو انکار کرے، بس پھر کیا تھا، صراحی اور جام ٹکرائے لگے، جام پُرانا تھا مگر اُس نے صراحی کی ٹھیکریاں اڑا دیں۔

یہ بزم آسانی، یہ محفل نشاط تین روز مسلسل شب و روز آراستہ رہی، چراغ جلتے اور بجتے رہے۔ دو دِ چراغِ محفل سے سیلمہ کذاب اور سبحان کے لشکر جو خیمے سے باہر اپنے نبی اور نبیہ کے مذاکرات کے نتیجے کے منتظر تھے، فتح و شکست کے انداز دیکھ رہے تھے۔

تیسرے روز جب نینسی باہر نکلی تو یہ سیلمہ کذاب کی بساط پر سب کچھ مار چکی تھی سبحان کے فوجی اور سرمایہ داروں نے آگے بڑھ کر اپنی نبیہ سے پوچھا۔

”کیوں بی بی کیا فیصلہ ٹھہرا!“

سبحان! وہ بھی نبی برحق ہے۔ میں نے اس کی نبوت تسلیم کر کے اس سے نکاح کر لیا ہے کیونکہ تمہاری مرسلہ کو ایک مرسل کی ضرورت تھی۔

سردار ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ایک سردار نے پوچھا۔

”جب آپ نے زودجیت قبول کر لی ہے تو حق مہر کیا قرار پایا؟“

سبحان نے اس سوال پر نظریں نیچی کر لیں اور بولی۔

”اُوہو، یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔“

یہ سن کر سب نے بیک زبان کہا۔

”حضور جائے اور اپنے حق مہر کا پوچھ کر آئیں۔ کیونکہ کوئی

عورت بغیر حق مہر کے اپنے کو کسی کی زودجیت میں نہیں دیتی۔

سبحان جو بغیر دام کے اپنا جو ہر عصمت فردخت کر چکی تھی، لجاجت اور

شرمندگی کی چادر میں لپٹی ہوئی واپس سیلمہ کے خیمہ میں پہنچی۔ لیکن ماری اپنا تماشہ دکھا کر جا چکا تھا۔

غمناہ کیسا بھی ہو گناہ ہے، دل و دماغ قبول کرے نہ کرے مگر آدمی کا ضمیر اندر سے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف ضرور کرتا ہے۔ سیلمہ کذاب مدعی نبوت ہوتے ہوئے سباج کو اپنی حریف سمجھے ہوئے تھا اور وہ حکمرانی قوت کے ساتھ اس پر حملے کا قصد لے کر آئی تھی یہ الگ بات ہے کہ سیلمہ کذاب نے اپنی حکمت عملی سے سباج کو زیر کر لیا مگر مجرم ضمیر اندر سے خوف زدہ تھا کہ کہیں سباج کا لشکر اس نکاح کو اپنی توہین جان کر اس پر حملہ نہ کر دے۔ اس خوف اور ڈر کے مارے وہ اپنے قلعے میں جا چھپا۔

سباج کے آنے کی اطلاع پا کر سیلمہ قلعہ کی چھت پر آ کر بولا۔
”کیوں۔ اب کیا لینے آئی ہو؟“

سباج، میرا نکاح تو ہو گیا، مگر مہر تو آپ نے نہیں بتایا۔

سیلمہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ تمہارا مناد بھی آیا ہے؟ سباج نے جواب دیا ہاں شیش بن ربیع میرا مودن موجود ہے۔ سیلمہ نے اس سے کہا تم جا کر منادی کو دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے پانچ نمازیں لاتے تھے، رب العزت نے ان میں سے عشا اور صبح کی دو نمازیں مومنوں کو سباج کے مہر میں معاف کر دیں۔

سباج بنت حارث نے اسلام قبول کر لیا

سیلمہ کذاب سے جسمانی اور اخلاقی شکست کے بعد سباج سے اس کا اپنا لشکر بھی دل برداشتہ ہو گیا، جیسے کہ سباج کے ایک ساتھی نے کہا،
”ہماری پیغمبر عورت بنے، جسے ہم ساتھ لے پھرتے ہیں حالانکہ اور لوگوں کے پیغمبر مرد ہیں۔“

آئینِ فطرت کے مطابق اپنے اپنے مقام پر عورت کے بھی ناٹے قابلِ احترام ہیں مگر امامت کی رسی صرف مرد کو زیب دیتی ہے۔

عورت ہوتے ہوئے سباجِ ذلت کے جس گڑھے میں گر چکی تھی شاید اس کا عورت پن جاگ اٹھا ہو کہ اس نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس اپنے قبیلہ میں خاموش اور گنہگار زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

گذشتہ اوراق میں آچکا کہ سباج اور اسلامی لشکر بیک وقت اپنے اپنے مقام سے یمامہ میں سیلمہ کذاب پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اسلامی لشکر ہنوز راتے میں تھا کہ سباج بنت حارث سیلمہ کے خیمہ میں پہنچ گئی۔ اہم اور ضروری کارروائی کے بعد جب وہ یہاں سے واپس لوٹ رہی تھی کہ یمامہ کے قریب سباج کے فوجیوں نے اسلامی لشکر کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں یمامہ کی طرف آنے دیکھا تو افراتفری میں بھاگ کھڑے ہوئے اور سباج نے قریب کے جزیرہ میں پناہ لی۔

مورخین کا کہنا ہے کہ کئی برس بعد جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو ایک سال سخت قحط پڑا تو انہوں نے بنی تغلق کو بصرہ میں طلب کیا۔ سباج بھی ان کے ہمراہ بصرہ آئی تو اس نے اور اس کے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔

سباج مسلمان ہونے کے بعد پوری طرح پرہیزگار رہی اور اسی حالت میں اس جہان سے روانہ ہو گئی۔ حضرت عمرہ ابن عبد بنی نے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ان دنوں بصرہ کے حاکم تھے، ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مرتدین میں ان دنوں سیلمہ کذاب کا بڑا اثر تھا۔ یمامہ میں اس کی فوجی قوت سے جزیرۃ العرب کے قبائل متاثر ہو رہے تھے۔ سباج بنت حارث کی باخفی فوج بھی سیلمہ کی فوج میں شامل ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں دارناہِ نبوت کی فدا رسی کوتاہی سے اسلام کے اصولوں اور خاتم الانبیاء (صلعم) کی تربیت

محنت جو انہوں نے پہاڑوں کو موسوم کرنے میں صرف کی تھی، مشکوک ہو کر رہ جاتی۔
بنابرین غنائی خلافت ہاتھ میں لیتے ہی میلہ کذاب کے خلاف جہاد کا اعلان کر
دیا گیا۔

میلہ کے عقائد باطلہ | پیروان میلہ اپنے تئیں رحمانیہ بھی کہتے تھے کیونکہ
وہ میلہ کو رحمان کے لقب سے یاد کرتے۔ ان کا

گمان ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بسم اللہ کے یہ
معنی ہیں کہ خدا نے میلہ رحیم ہے اور کہتے ہیں کہ فرقان محمدی حضرت میلہ ہی کا معجزہ
ہے۔ قرآن نے نصحائے عرب کی زبان بند کر دی تھی اسی طرح حق تعالیٰ نے میلہ
پر ایک صحیفہ نازل فرمایا، بخود فاروقؓ "اول کے نام سے موسوم ہے اس نے
بھی فصحا کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور ان دونوں صحیفوں یعنی قرآن اور فاروق
اول کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور میلہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان
دونوں آسمانی کتابوں کی قرآنہ دنیا اور آخرت میں سود مند ہے لیکن ان کی
تفسیر کرنا ذنب عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ لایزال و متعال نے حضرت میلہ کو ایک
اور واجب التعظیم کتاب بھی عطا فرمائی تھی جس کا نام "فاروق ثانی" ہے اور
کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور میلہ کی تعلیمات میں کوئی خلاف و تضاد
نہیں اور اگر کہیں میلہ کا کلام اور ان کی آسمانی کتاب اقوال محمد (علیہ الصلوۃ
والسلام) کے خلاف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت میلہ حضرت محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد تک زندہ رہے اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی رحلت کے بعد بعض احکام قرآن فرمان ایزدی سے اسی طرح منسوخ ہو گئے
جس طرح خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عین حیات میں بعض آیتیں
دوسری آیات کی ناسخ ہوئیں۔

میلہ جیسے کار آگاہ فزائے روزگار مدعی سے کچھ بعید
میلہ شریعت و صلوٰۃ نہ تھا کہ وہ استمالت قلوب کے لئے شریعت

محمدی (علیٰ صاحبہما التحیہ والسلام) کے مقابلہ میں کوئی ایسا سیر العمل آئین پیش
 کرتا جو شرعی تکلیفات اور پابندی احکام کی ”تلخ کامیوں“ سے آزاد ہوتا چنانچہ
 اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عامیانہ اور ندانہ مذہب و مسلک کی بنیاد
 ڈالی جو شرمناک قسم کی خواہشات نفسانی کے جس و احتراز سے اصلاً بے نیاز
 تھا۔ سب سے پہلے اُس نے حرمتِ خمر سے انکار کر کے عہد جاہلیت کی رسمِ کھن کا اعلاہ
 کیا۔ اس کے بعد یہ حیا سوز نغمہ چھیڑ دیا کہ چار پاؤں کی طرح انسان بھی توالد و ناسل
 میں فطرۃً آزاد ہے۔ ازدواجی تعلقات محض انتظام خانہ داری کے لئے ہیں در نہ
 کوئی وجہ نہیں کہ مرد و زن عقدِ مناکحت کے دائرہ میں محصور و مجبور رہیں چنانچہ
 اس کی کتاب ”فاروق ثانی“ میں زنا کو مباح لکھا ہے کیونکہ میلہ کے نزدیک
 وہ بھی ایک لذت ہے۔ اس مطلق الغنائی کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف فواحش کے
 شرارے بلند ہوتے اور فساد اور ہوا و ہوس کے پرستار جوق در جوق
 اس کے حلقہ ارادت و نیازمندی میں داخل ہونے لگے۔ میلہ شریعت کے ماتحت
 اباحتِ پند طبائع کو ہوس رانیوں اور نشاط فرمائیوں کا اچھا خاصا حیلہ مل گیا۔
 شراب خواری تو تحلیل زنا سے پہلے ہی حلال کر دی گئی تھی۔ ان فواحش نے
 ملک کو فسق و فجور کا گوارہ بنا دیا اور لطفِ یہ ہے کہ باوجود ان فاسقانہ تعلقات
 کے ”خوش عقیدہ“ لوگ اسے نبی اور رسول برحق ہی یقین کرتے تھے۔
 اوائل میں تحلیل زنا کے ساتھ شادی پر کوئی قیود عائد نہ کئے، لیکن اس کے بعد
 زنا کو تو علی ماہ جاتر رکھا البتہ شادی پر بہت سے قیود عائد کر دیئے، لیکن
 ان قیود کا منشا شاید یہی تھا کہ زنا و حرام کاری میں سہولتیں بہم پہنچانی جائیں۔
 مطلق الغنائی کے پہلے دور کے بعد اس نے حکم دیا کہ جس شخص کے ہاں ایک
 لڑکا پیدا ہو جائے وہ بیوی سے اس وقت تک قربت نہ کرے جب تک

یہ لڑکا زندہ ہو۔ ہاں اگر مر جائے تو دوسرا لڑکا متولد ہونے تک اس سے مباشرت کرے۔ اُمتِ مسیلمہ کے نزدیک نکاح میں گواہوں کے رد و ردایجاب و قبول کی حاجت نہیں بلکہ زن و مرد کا خلوت میں ایجاب و قبول کر لینا کافی ہے۔ ہنود کی طرح مسیلیوں کے نزدیک بھی اقربائیں شادی کرنا مذہبِ موم تھا، وہ کہتے ہیں کہ گو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں چچا بھوپھی ماموں اور خالہ جیسے اقارب کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن آپ کی رحلت کے بعد حرام ہو گیا۔ اس حرمت کی مثال وہی ہے جس طرح کہ ایامِ سلف میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ جناب محمد علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہو گیا۔ چنانچہ مسیلمہ کے پاس فرمانِ لیز دی پہنچا کہ عقد ہمیشہ اس شخص کی ذمہ داری سے کیا جائے جس کے ساتھ پہلے قرابت نہ ہو۔ مسیلمی لوگ نصاریٰ کی طرح تعدد ازواج کو جائز نہیں سمجھتے اگر خواہش ہو تو شیعوں کی طرح ان کے نزدیک متعہ کے طریق پر تعدد ازواج جائز ہے اور کہتے ہیں کہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

تحریک تحفیظِ نبوت کا دوسرا دور ختم | مسیلمہ اپنے پیش رو کذابوں سے زیادہ خطرناک تھا۔ اس کا وجود ختمِ الانبیاء (صلعم) کی ذات گرامی ان کے منصب اور اسلام کے لئے سنگِ گراں تھا جب کہ دورِ جہالت میں عرب اقوام جادو گروں اور شعبہ بازوں کے گھیراؤ میں تھی۔ سچائی اور حقیقت کے باوجود ابلیس ابنِ آدم کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اس پر مسیلمہ کا دعویٰ نبوت جھوٹ اور فریب کو مزید راستہ دے رہا تھا۔ رحمت اللعالمین (صلعم) نے اسے بڑی ڈھیل دی۔ سمجھایا کہ ”انا خاتم النبیین لانی بعدی“ احکامِ خداوندی سنائے لیکن ہاں تک غیر (صلعم) کے دم واپسی تک گھی سیدھی انگلی سے نہ نکل سکا۔ آخر مسئلے کی نوعیت اور مسیلمہ کذاب سے متعلق سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش نیز احکامِ خداوندی کے تحت حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کے خلاف جہاد کر کے اُسے جہنم داخل کیا۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گئی

چوتھا باب

مسئلہ کا قتل

جس وقت امیر المومنین ابو بکرؓ نے مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ فرمایا، اسی وقت ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو فوج کی قیادت تفویض فرما کر مسئلہ کذاب سے لڑنے یمامہ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ پھر ان کے بعد شرجیل بن حسہ کو ان کی کمک کی غرض سے روانہ فرمایا، لیکن عکرمہؓ نے حالات پر قابو پاتے اور ماحول کا کافی مطالعہ کئے بغیر نہایت عجلت کے ساتھ شرجیل کی آمد سے پہلے ہی لڑائی پھیل گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہؓ کو ہزیمت ہوئی، مسئلہ اور اس کے پیروں کے شادیاں بجلتے میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ جب شرجیل کو اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو وہ دہیں بھاگ گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اپنی ہزیمت کا حال امیر المومنینؓ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شرجیل کو تمہارے پیچھے روانہ کرتا ہوں۔ جب وہ پہنچ جائیں تو اس وقت لڑائی شروع کرنا لیکن انسو سہے کہ تم خود تو استاد ہی جانتے نہیں اور شاگرد ہی کو عجب سمجھتے ہو، تمہیں شرجیل کے پہنچنے بغیر ہرگز حملہ میں اقدام نہ کرنا چاہیئے تھا، خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب مدینہ کی طرف رُخ نہ کرنا کیونکہ یہاں اکبر لوگوں کو پست ہمت اور شکستہ دل کر دو گئے، البتہ آگے جا کر حذیقہ اور عرفجہ سے مل جاؤ اور ان کے ماتحت رہ کر عثمان اور مرہ دالوں کا مقابلہ کرو۔ جب اس جنگ سے فراغت حاصل ہو تو اپنا لشکر لے کر مہاجرین ابی امیہ کے پاس میں اور حضرموت کو چلے جاؤ۔ اور شرجیل کو لکھا کہ تم خالد بن ولیدؓ کے صوبوں کی طرف چلے جاؤ اور جب مسئلہ کی لڑائی میں کامیاب ہو جاؤ تو قضاء کا رُخ کرو اور عمر بن عاصؓ کے ساتھ مل کر مرتدین قضاء سے جہاد کرو۔

اس اثنائیں حضرت خالد بن ولیدؓ بطاح سے فارغ ہو کر مدینہ گئے اور امیر المؤمنین کو تمام واقعات زبانی کہہ سناتے۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو میلہ کے خلاف معرکہ اراہونے کا حکم دیا اور مسلمانوں کا ایک لشکر گراں ان کے ساتھ کر دیا۔ مہاجرین پر حضرت ابو حذیفہؓ اور حضرت زید بن خطابؓ امیر مقرر کئے اور حضرت ثابت بن قیسؓ اور حضرت برآبنؓ عازبؓ کو انصار کی قیادت عطا فرمائی۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے نکل کر برق و باد کی طرح یمامہ کی طرف بڑھے۔ گو اس وقت میلہ اور بنی حنیفہ کا طوطی بول رہا تھا اور میلہ کے چالیس ہزار جنگجو سپاہی یمامہ کے دیہات اور دادیوں میں پھیلے ہوئے تھے تاہم باوجود قلتِ تعداد مسلمانوں کا جوشِ جہاد اور ولولہ شہادت اُبل رہا تھا اور وہ سلی مرتدین سے جنگ آزما ہونے کے لئے بھر رہے تھے۔

بنی حنیفہ کی دوسری کامیابی | حضرت عکرمہؓ کی طرح شرجیل نے بھی عجلت سے کر کے جناب خالد بن ولیدؓ کی آمد سے پہلے میلہ کی مربی قوت کا اندازہ کئے بغیر جنگ کی طرح ڈال دی جس میں انہیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسلمانوں کی مکرر نہریت کا علم ہوا تو شرجیل کو سخت ملامت کی اور کہا کہ ہماری آمد کا انقطاع کئے بغیر کیوں پیش دستی کی تمہاری جلدی کا نتیجہ یہ ہے کہ دشمن کی جمعیت پہلے سے بھی فزوں تر ہو گئی ہے اور اعداء کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ ایک تو خود میلہ کے پاس پہلے ہی سے جمعیت کثیر تھی جس میں یوٹا فیوٹا ترقی ہو رہی تھی۔ دوسرے سجاح کی باقی ماندہ فوج بھی میلہ سے مل گئی تھی اس لئے میلہ کی قوت بہت بڑھ گئی۔

اصحاب بدرؓ کی شرکتِ جہاد | اس اثنائیں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی کمک کے لئے ایک دستہ فوج بھی روانہ فرمادی جس کے بطورِ عکریہ سلیط تھے۔ امیر المؤمنین نے سلیط

کو حکم دیا تھا کہ وہ خالدؓ کی امداد کے لئے ان کے عقب میں رہیں تاکہ غنیم خالد کو عقب سے ضرب نہ لگا سکے۔ اس موقع پر حضرات شیخیؓ یعنی امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما میں اس بارہ میں اختلاف رائے تھا کہ غازیان بدر کو بھی لڑائی میں بھیجنا چاہیے یا نہیں۔ حضرت صدیقؓ فرماتے تھے کہ ان سے لڑائی میں مدد لینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے جس قدر کہ ان کی دعا اور برکت کی حاجت ہے کیونکہ ان پاک بازوں کی برکت سے رب ذی المنن اکثر آفات و بلیات کو رفع فرما دیتا ہے مگر حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ زیادہ نہیں تو ان حضرات کو کم از کم فوجوں کی امارت پر ضرور مقرر کیا جائے۔ آخر امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا اور اصحاب بدر رضی اللہ عنہم بھی ان معرکوں میں شریک ہوتے۔

مجامعہ کی گرفتاری جب میلہ کو معلوم ہوا کہ اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اس کی سرکوبی کے لئے آپہنچے ہیں تو اس نے بھی اپنے لشکر کو یمامہ سے حرکت دی اور عقربا کے مقام پر لاجمع کیا۔ میلہ کی طرف سے مجامعہ بن مزارہ ایک جداگانہ دستہ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا، لیکن میلہ تک پہنچنے میں صرف ایک دن کا راستہ باقی تھا کہ حضرت خالدؓ نے مشرجیل بن حسہ کو مقدمہ کی پیش پر مقرر کر کے آگے بڑھنے کا حکم دیا اتفاق سے رات کے وقت مجامعہ سے ڈبھڑ ہو گئی۔ مشرجیل نے نہایت بے جگری کے ساتھ مجامعہ پر حملہ بول دیا اور مجامعہ کے آدمیوں کو مارتے مارتے ان کا کھلیان کر دیا۔ مجامعہ تنہا موت کا شکار ہونے سے بچا۔ مگر گرفتار کر لیا گیا۔

اسلام اور کفر کی آویزش اس واقعہ کے بعد حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور عقربا کے میدان میں ڈیرے

ٹال دیئے اور عرب و قتال کی تیاریوں میں مصروف ہوئے۔ دوسرے دن آتش عرب شعلہ زن ہوئی۔ لشکر اسلام میں مہاجرین کا رایت سالم مولے

البرصہ کے ہاتھ میں تھا۔ انصار کا جھنڈا حضرت ثابت بن قیسؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ دوسرے قبائل عرب کے علم اپنے اپنے سردارانِ قبیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ سیلمہ اپنا خیمہ و خمر گاہ اپنی ٹپت پر چھوڑ آیا تھا۔ نہار الحال بن عنفوہ سیلمہ کا مشیر خاص اور سرِ معرکہ تھا۔ اس معرکہ میں سیلمہ کے ہمراہ چالیس ہزار فوج تھی اور اسلامی لشکر صرف تیرہ ہزار تک شمار ہوا تھا۔ سیلمہ کا بیٹا شریل رجز خوانی کر کے بنو حنیفہ کو جوش دلانے لگا۔ اس نے کہا اے بنی حنیفہ! آج تم شرم و غیرت کے لئے لڑو، کیونکہ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہاری عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کی لوندیاں بن جائیں گی۔ اس لئے چاہیے کہ تم اپنے ننگ و ناموس پر اپنی جانیں قربان کر دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے اتنا مہمت کے لئے سیلمہ اور اس کے پیروؤں کو دین حق کی دعوت دی مگر انہوں نے گوش قبول سے نہ سنا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی پند و موعظہ کا کوئی دقیقہ فرو گذار نہ کیا لیکن ان کے دالمانہ یقین و اعتقاد کی گر مجبوشی میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ اب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مرتدین کی طرف سے سب سے پہلے نہار مسلمانوں کے خلاف رزم خواہ ہوا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے حضرت زید بن خطابؓ کے ہاتھ سے جو امیر المومنین عمر فاروقؓ کے بھائی تھے مارا گیا۔ اس وقت گھسان کارن پڑا۔ دونوں طرف کے دلاور دادِ شجاعت دے رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ یہی معرکہ فریقین کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا۔ اسلام اور کفر کی یہ ایسی زبردست آدیز شش تھی کہ اس سے پیشتر مسلمانوں کو ایسے زبردست معرکہ سے شاید کبھی سابقہ نہ پڑا ہو گا۔

لشکرِ اسلام نے لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ کا حکم پا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بنی حنیفہ کو حضرت خالدؓ کے خیمہ تک پہنچنے کا موقع مل گیا، جہاں جماعہ قید تھا۔ سیلی فوج حضرت خالدؓ کے خیمہ میں آ داخل ہوئی۔ اس وقت خیمہ میں حضرت خالدؓ کی اہلیہ محترمہ موجود تھیں۔ خیمہ میں ایک طرف جماعہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا، جسے حضرت خالدؓ پیچھے ہٹتے وقت اپنی بیگم صاحبہ کی نگرانی میں

دے آئے تھے۔ بنی حنیفہ نے حضرت خالدؓ کی حرم محترم کو قتل کرنا چاہا مگر مجاہد اس میں مزاحم ہوا اور کہا کہ عورت فات سے تعرض کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ اس وقت میری ہمسایہ اور ننگر ان حال میں اس لئے بہتر ہے کہ عورت کا خیال چھوڑ کر مردوں کی جانبر لو۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اسلامی سپہ سالار کی حرم ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فتح ہو۔ اس صورت میں معلوم نہیں کہ مسلمان اس کا کس شدت سے انتقام لیں۔ آپ کی حرم محترم سے کوئی تعرض نہ کیا، البتہ خیمہ کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

حضرت ثابتؓ اب بنو حنیفہ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے از سر نو مبارزت خواہ ہوئے۔ اس وقت مسلمان نشہ شہادت و جان بازی میں سرشار تھے جب ثابت بن قیسؓ نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہا ”اے ملتِ موحدین کے بہادرو! اپنی جانوں پر کھیل جاؤ اور دشمن کی کثرت تمعداد سے مرعوب ہو کر پست ہمتی سے کام نہ لو۔ آٹھویں میں اہل یمامہ کے ارتداد اور اہل ایمان کی کم ہمتی سے غدر خواہ ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نہایت بے جگری سے غنیم کے قلبِ لشکر میں جا گھسے اور دادِ شجاعت دے کر جامِ شہادت پی لیا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ کے برادرِ معظم حضرت زید بن خطابؓ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے کہا ”اے اربابِ ایمان! میں نے نہار کی زندگی کا چراغ گل کیا، لیکن اب میں اس وقت تک کسی سے ہم کلام نہ ہوں گا جب تک کہ اعداء کو منہزم نہ کروں یا خود ہی جرعہ شہادت نہ پی لوں۔ اے توحید کے علمبردارو! توحید کی امانت تمہارے سینوں میں دو بیعت ہے۔ اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تمہیں کوئی غیر اللہ کی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔ اعداء کی کثرت اور اپنی قلتِ تمعداد سے خالی الذہن ہو کر دشمن کا صفایا کر دو۔“ حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا ”اے شمعِ جمالِ محمدی کے پروانو! آج رسول اللہ کے دین پر کٹ مرو۔ اے توحید کے جان نثارو! تم اعلیٰ کلمۃ اللہ کی خاطر دنیا میں بھیجے گئے ہو آج توحید کی

لاج رکھ لیا اے حاملانِ قرآن! قرآن اور اس کے آسمانی احکام دنیا سے مٹنے نہ پائیں!
حضرت خالدؓ نے ہلم بول دیا | اب حضرت خالدؓ نے یک بیک ہلم بول دیا اور شکر اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے

بنی حنیفہ پر اس طرح ٹوٹ پڑا جس طرح بھوکا شیر اپنے شکار پر چھیٹتا ہے۔ اہل ارتداد اس حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ آتشِ عرب جو شش و خروش کے ساتھ شعلہ زن ہوئی۔ اس وقت کبھی توستانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا اور کبھی مرتدوں کا۔ انہی معرکوں میں سالم مولیٰ ابو خدیفہؓ اور زید بن خطابؓ وغیرہ بڑے بڑے اکابرِ ملت شریعت شہادت سے سیراب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ کوئی ایسا نشان قائم کر دے جس سے فوراً معلوم ہو سکے کہ ہمارا کون سا پہلو کمزور ہے اور کس حصہ کو کتنا نقصان پہنچا ہے تاکہ اس کی فوراً تلافی کی جاسکے۔ آخر نشان قائم کئے گئے لیکن مسلمانوں کو اتنا نقصان جان برداشت کرنا پڑا کہ اس سے پیشتر کسی لڑائی میں اس کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ مہاجرینِ انصار اور اہلِ قریٰ کی بہت بڑی تعداد میدانِ جہاد کی تندر ہو گئی۔

میلہ کی ہمت بردانہ | مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد اور ولولہ انگیز یورشوں کے باوجود میلہ میدانِ کارزار میں اس طرح جم کر لڑ رہا تھا کہ گویا کوئی آہنی برج قائم ہے۔ باوجود ضعفِ پیری کے اس نے ذوقِ بھر

بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بنی حنیفہ اس کے ارد گرد خوب دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ حضرت خالدؓ سیفِ اللہؓ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک میلہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جائے دشمن پر غلبہ پانا محال ہے اس لئے آپ اس کو شش میں سرگرم عمل ہوتے کہ کوئی موقع ملے تو خود میلہ پر چڑھ کر لگایا جائے۔ بنی حنیفہ کے مقتولوں کی تعداد گوشہ دارِ مسلمین سے بہت زیادہ تھی مگر انہیں اپنی کثرتِ تعداد کے لحاظ سے اتنے مقتولوں کی کچھ زیادہ پروا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے جوش میں کسی طرح کی کمی نہ آتی تھی اور ان کے اندر اسلامی حملوں سے

کسی خاص ضعف کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے۔

اب حضرت خالدؓ تنہا میدانِ کارزار میں نکلے۔ اس وقت

مگر کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے تھا۔ حضرت خالدؓ نے اپنے مقابلہ میں مبارز طلب کیا۔ اب دو دو سو رماہر فیوں کا سامنا ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ کے مقابلہ پر جو مسیلی آیا آپ نے تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ غرض حضرت خالدؓ نے تنہا مسیلی لشکر کے تمام بڑے بڑے نامی گرامی سواروں کو قہرِ عدم میں پہنچا دیا، یہاں تک کہ لشکرِ اعدا میں ہل چل مچ گئی اور نیم فتح مسلمانوں کے ہدایتِ اقبال پر چلنے لگی۔ اب حضرت خالدؓ نے مسیمہ کو پکارا اور چند دوسرے مطالبات کے علاوہ از سر نو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے، جناب خالدؓ گھوڑا دوڑا کر اس کی طرف پکے اور اسے لڑائی پر مجبور کرنا چاہا مگر وہ طرح دے کر دور نکل گیا اور اس کا لشکر بھی تابِ مقادمت نہ لاکر منتشر ہو گیا۔ اب بنی حنیفہ نے مسیمہ سے کہا کہ عون و نصرتِ الہی کے جو وعدے تم کیا کرتے تھے وہ عونِ خداوندی کیا ہوتی؟ کہنے لگا، ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اہل و عیال اور ننگ و ناموس کے لئے لڑے یہ موقع ان باتوں کے دریافت کرنے کا نہیں ہے۔

محکم بن طفیل نے جو مسیلی

برآبن مالک کی شجاعت و جانبازی | شکر کے میمنہ پر تھا اب

مسیمی لشکر کو ایک نہایت وسیع و عریض باغ میں جو دہاں سے قریب واقع تھا۔ گھس جلنے کو کہا۔ بنی حنیفہ جھٹ باغ میں پناہ گزین ہوئے اور محکم بن طفیل ایک ساعت تک مصروفِ پیکار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) نے اسے قتل کیا۔ جناب عبدالرحمنؓ نے ایسے وقت میں اس کی گردن میں نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا جبکہ وہ اپنی قوم کو خطبہ دیتا اور بنی حنیفہ کو

لڑائی کے لئے برا بیگنہ کر رہا تھا۔ بنی حنیفہ نے باغ کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں بلال بن مالک ایک نہایت سہرا بہادر سپاہی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے خدا کے لئے اس باغ میں ڈال دو۔ ان کے اصرار و الحاح پر انہیں حدیقہ کی دیوار پر چڑھایا گیا وہ اندر کو کودے اور حدیقہ کے دروازہ پر جا کر کمال شجاعت کے ساتھ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں سے لڑنے لگے اور نہایت بہادری کے ساتھ دروازہ پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔ اسلامی لشکر فوراً اندر داخل ہونے لگا۔ باغ میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جس میں جانبین کا سخت نقصان ہوا۔ بنی حنیفہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک کمزوری کا اظہار نہ کیا جب تک کہ سیلہ کا نقش وجود صاف ہستی سے محو نہ ہو گیا۔ یہ باغ جس میں سیلہ اور اس کے ہزار ہا پیرو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے گئے۔ اباض کے نام سے موسوم تھا لیکن بعد کو کثرت موت کے باعث حدیقہ الموت کے نام سے مشہور ہو گیا (آخر جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ آیا تو اسحاق بن ابی قیس نے اس جگہ ایک عالیشان جامع مسجد تعمیر کرائی)

جب سیلہ کو فلاح ورتنگاری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو

سیلہ کا قتل

زرہ اور خود پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایک دستہ فوج کو ساتھ لے کر لڑتا بھڑتا باغ سے باہر نکلا۔ جوں ہی باغ سے باہر آیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے جو اس سے پیشتر مسلمان ہو چکا تھا اسے ایسا نیرہ مارا کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکا۔ معاذ ہیں ٹھنڈا ہو گیا اور حضرت زید بن خطابؓ نے رجال بن خنفوہ کو جرقہ مرگ چکھا کر داخل جہنم کیا۔ سیلہ کے قتل میں دراصل دو مسلمانوں نے حصہ لیا تھا ایک وحشی نے اور دوسرا ایک انصاری نے۔ پہلے وحشی نے ایک نیرہ رسید کیا۔ جونہی اس پر نیرہ پڑا انصاری نے اسے اپنی تلوار پہلے لیا۔ وحشی نے سیلہ کا سر قلم کر کے نیرے پر چڑھایا اور ایک عیار و فتنہ رتبہ جس نے زمانے میں پہل ڈال رکھی تھی۔ اس حسرت آباد دنیا سے

بعد حضرت داندوہ کو ج کر گیا۔ وحشی بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں حالت کفر میں ایک مقدس ترین ہستی کو جام شہادت پلا کر جہنم کے طبقہ اسفل کا مستحق ہو چکا تھا لیکن اس منعم لایزال کا شکر و احسان ہے جس نے دین اسلام کا رفقہ سعادت میری گردن میں ڈالا اور تائید الہی نے ایک بدترین انسان کو میرے ہاتھ سے قتل کر کے کسی مدت تک میرے جرم کی تلافی کرا دی۔

شکر اسلام کی فتح | جب سیلمہ مارا گیا تو بنی حنیفہ سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے جن پر چاروں طرف سے تلوار پڑنے لگی۔ گو بنی حنیفہ نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھی، مگر قدوسیوں نے طاغوتیوں کو مار مار کر ان کے پر نچھڑا دیئے۔ آخر قنصر ارتداد کو پیوند خاک ہونا پڑا اور سیلمی اقبال آنا فائدا سن ادبار میں روپوش ہو گیا۔ ان معرکوں میں بنی حنیفہ نے اکیس ہزار اور اہل اسلام کے چھ سو ساٹھ آدمی کام آئے تھے۔ ایک سیلمی نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کاٹ ڈالی تھی۔ لیکن ان کی شجاعت دیکھتے کہ انہوں نے اس کو وہی ٹانگ اس زور سے ماری کہ معاً طاغوت روح قنصر عنسری سے پرواز کر گیا مگر اس صدمہ سے انہوں نے خود بھی عنان حیات وار آخرت کو پھیر دی۔

حضرت سیف اللہ کفار مقتولین کی لاشوں پر | اختتام جنگ پر حضرت خالد

بن ولیدؓ مجاہد کو اپنے ساتھ لے ہوئے مقتولین اعداء کی طرف گزرے اور حکم دیا کہ سیلمہ کی لاش تلاش کی جائے، چنانچہ مقتولین کی دیکھ بھال شروع ہوئی خالد رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ محکم الیماہ کی لاش پر پہنچے، جو ایک وجیہ آدمی تھا۔ آپ

۱۔ یہ تعداد ابن اثیر نے لکھی ہے، لیکن حسب بیان ابن خلدون شدلے اسلام کی تعداد ایک ہزار اسی تھی ۲

نے فرمایا کہ یہی سلیسہ ہے؟ مُجامعہ نے کہا۔ یہ وجہ و غور و آدمی تو حکم بن طفیل ہے۔ پھر ایک کم روز رد نام چٹپٹی ناک والے آدمی کی لاش پر سے گزرے۔ مُجامعہ کہنے لگا جس لاش کی آپ کو تلاش ہے وہ یہی ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فرمایا اچھا وہی شخص ہے جس نے لوگوں کو گمراہ کر کے دُنیا اور عقبیٰ میں رُوسیاہ کیا؟ اس کے بعد ردیجیل ذمیم اور اخیس کی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ کیا یہی تمہارے سردار تھے اور یہی تم پر حکومت کرتے تھے؟

مُجامعہ کی حیرت انگیز فریب کاری | مُجامعہ انتہائی عیاری اور فریب کاری سے کام لے کر کہنے لگا کہ یہی لوگ میرے سردار تھے، لیکن آپ ان لوگوں کے قتل پر نازاں نہ ہوں کیونکہ جن لوگوں سے آپ کو اب تک سابقہ پڑا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ لڑائی کے لئے بھیر رہے تھے اور دوسروں پر سبقت کر کے طرح جنگ ڈال دی تھی۔ حالانکہ بنی حنیفہ کی فوجوں کی فوجیں اور ان سے زیادہ جنگ آزما بہادر نبرد آزما ہونے کے لئے ہنوز پیچھے ہیں۔ جن سے قلعے اور حصوں بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کے پاس جلد سے جلد صلح کا پیغام بھیجے اور اپنے تحفظ و بقا کے لئے مصالحت و آشتی کا شیوہ اختیار کیجئے اور اگر آپ مصالحت پر آمادہ ہوں تو مجھے رہا کر دیجئے تاکہ اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی طرف سے مصالحت کی سلسلہ جنباہی کروں چونکہ لشکر اسلام کو بہت بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ اور حضرت خالدؓ شکروں کو کمر کھول دینے کا حکم دے چکے تھے اس وجہ سے مُجامعہ سے کہنے لگے کہ میں تجھے قید سے رہا کئے دیتا ہوں تو اپنی قوم میں جا اور ان کو اطاعت سیکار کرنے پر آمادہ کر۔ میں ان سے صرف ان کی جانوں کے متعلق صلح کر لوں گا۔

عورتوں اور بچوں کو مسلح کر کے فصیلوں پر کھڑا کر دیا،

مُجامعہ یہاں سے اہل یمانہ کے پاس گیا۔ اس وقت قلعوں میں عورتوں بچوں

بیماروں اور شیوخِ فانیہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مجامعہ نے انہی کو ہتھیاروں سے مسلح کیا۔ عورتوں کو کہا کہ وہ اپنے سر کے بال کھول کر چھاتی پر ڈال دیں اور اسلحہ لے کر شہر پناہ کی فسیل پر چڑھ جائیں۔ پھر وہ حضرت خالدؓ کے پاس آیا اور کہنے

لگا کہ قلعہ والے تو آپ کے شرائطِ صلح کو ہرگز منظور نہیں کرتے۔ خالدؓ نے بیمار کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کی فسیلیں ہتھیاروں سے چمکتی نظر آئیں۔ حضرت خالدؓ کو یہ دیکھ کر یقین ہو گیا کہ غنیم کے قلعے فوجوں سے معمور ہیں اور مسلمان لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے اور لڑائی شروع ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے جناب خالدؓ نے مجامعہ سے ان کا نصف مال و اسباب اور زمین مژدعہ وغیرہ مژدعہ اور باغات اور قیدی لے کر صلح کر لینے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ مجامعہ نے اس سے انکار کیا۔ آخر حضرت خالدؓ نے جو تھائی مال و اسباب وغیرہ منظور کر کے صلح کر لی۔

مجامعہ نے حیلہ گری کو قومی خدمت سے تعبیر کیا | جب معاہدہ صلح لکھا جا چکا اور

حضرت خالدؓ قلعہ کھول کر ان میں داخل ہوئے تو یہ معلوم کر کے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں عورتوں بچوں اور ضعیفوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ خالدؓ نے مجامعہ سے کہا کہ سخت! تو نے میرے ساتھ دغا کی اور فریب سے صلح نامہ لکھوایا۔ مجامعہ نے عرض کی اے امیر المؤمنین! اگر میں یہ حیلہ نہ کرتا تو میری قوم میں کسی قسم کی استطاعت باقی نہ رہتی۔ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں نے ان کی رسوائی کے خوف سے حیلہ سازی کی اور اپنی قوم کی جس قدر خدمت مجھ سے ہو سکی میں نے کی۔

حضرت خالدؓ مجامعہ کا جواب سن کر خاموش ہو گئے اور باوجودیکہ یہ معاہدہ دھوکے اور فریب کاری کی بنا پر لکھا گیا تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی مسلمانوں کا لازمی شعار ہے۔ حضرت خالدؓ نے

اس معاہدہ کو علیٰ حالہ قائم رکھا۔ مجاعہ کی تحریک سے بنی حنیفہ کے ساتھ نماز افراد منتخب ہوئے جنہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سیلی عقائد سے توبہ کر کے از سر نو اسلام میں داخل ہوئے۔ یاد رہے کہ یمامہ کی جنگ اور فتح سلمہ کا واقعہ ہے۔

امیر المومنین کا فرمان کہ تمام بالغ سیلی بھرم ارتداد قتل کئے جائیں

اس اثنائیں امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ نے سلیم بن دقش کے ہاتھ حضرت خالدؓ کے نام ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اگر خدائے عزیزہ برتر مرتدین پر فتیاب کرے تو بنی حنیفہ میں سے جس قدر افراد بالغ ہو چکے ہیں وہ سب بھرم ارتداد قتل کئے جائیں اور عورتیں اور کم سن لڑکے حراست میں لے لئے جائیں لیکن امیر المومنین کا فرمان پہنچنے سے پیشتر حضرت خالدؓ معاہدہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ اس مجبوری سے اس حکم کا نفاذ نہ ہو سکا۔

منقوح نو مسلموں کا وفد مدینہ منورہ کو | حضرت خالدؓ بن ولید نے کو وفد کی حیثیت سے امیر المومنین کے حضور میں اپنے عریفہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا جس میں سلیم کے مارے جانے اہل یمامہ پر فتح پانے معاہدہ صلح مرتب ہونے اور بنی حنیفہ کے از سر نو اسلام لانے کا مفصل حال درج تھا۔ امیر المومنین ابو بکرؓ نے اہل وفد کو بکمال عزت و احترام فرمایا اور ان لوگوں سے سلیم کی من گھڑت وحی کا کلام سنا۔ امیر المومنین نے فرمایا واللہ یہ خالق ارض و سما کا کلام نہیں ہو سکتا۔ وہ ذات بے ہمتا ہر قسم کے عیوب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے اہل وفد سے

فرمایا جاؤ اپنی قوم میں رہو اور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ جس سے اللہ اور اس کا رسولؐ خوش ہوں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عقاب فرزند گرامی پھر | اس معرکہ میں جس طرح خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے فرزند گرامی حضرت عبدالرحمنؓ شریک ہوئے اسی طرح خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروقؓ کے صاحبزادہ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک غزہ تھے۔ جب لشکر اسلام منظر منصور مدینہ منورہ واپس آیا اور حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد محترم سے ملاقات کی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا ”یہ کیا بات ہے کہ تمہارا چچا (حضرت زید بن خطابؓ) تو شہید ہوا اور تم زندہ رہو؟ تم زیدؓ سے پہلے کیوں نہ مارے گئے۔ کیا تمہیں شہادت کا شوق نہ تھا؟“ جناب عبداللہؓ نے عرض کیا اے والد محترم! چچا صاحب اور میں دونوں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی تھی ان کی دعا مستجاب ہوئی لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا حالانکہ چچا صاحب کی طرح میں نے بھی منائے شہادت کی تکمیل میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا۔

صحابہ کرامؓ جو جنگ یمامہ میں شہید ہوتے | جنگ یمامہ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ

علیہ وسلم کے جو اصحاب رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے ابن اثیر نے ان میں سے مندرجہ ذیل اُنٹالیس حضرات کے اسمائے گرامی قلمبند کئے ہیں (۱) حضرت عبّاد بن بشر انصاری اشہلی جو غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک تھے (۲) عبّاد بن حارث انصاری جو جنگ اُحد میں شریک تھے (۳) عُمیر ابن ادس شریک اُحد (۴) عامر بن ثابت بن سلمہ انصاری (۵) عمارہ ابن حزم انصاری جو غزوہ بدر میں شریک تھے (۶) علی بن عبید اللہ ابن حارث (۷) عائذ ابن مہس انصاری (۸) فردہ بن نعمان جو جنگ اُحد میں شریک تھے (۹) قیس ابن حارث بن عدی انصاری شریک جنگ اُحد (۱۰) سعد بن حجاز انصاری

شریک غزوہ احد (۱۱) ابو جہانہ انصاری بدری (۱۲) سلمہ ابن مسعود ابن سانہ انصاری (۱۳) سائب بن عثمان ابن مظعون جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ بدر میں موجود تھے (۱۴) سائب ابن عوام جو حضرت زبیرؓ کے حقیقی بھائی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی تھے (۱۵) طفیل ابن عمرو الدوسی شریک غزوہ خیبر (۱۶) زرارہ ابن قیس انصاری (۱۷) مالک ابن عکس ابن علقم انصاری جو اُحد میں شریک تھے (۲۰) عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن ابی ابن سلول (مشہور منافق کہے گئے) (۲۱) معن ابن عدی جو عقیقہ اور بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے (۲۲) مسعود ابن سانہ اسود شریک غزوہ اُحد (۲۳) نعمان ابن حصہ بدری (۲۴) صفوان (۲۵) اور مالک عمرو سلمی کے بیٹے جو بدری تھے (۲۶) ضرار ابن ازور اسدی جنہوں نے خالد کے حکم سے مالک بن نویرہ کو قتل کیا (۲۷) عبد اللہ بن حارث سہمی (۲۸) عبد اللہ ابن مخزوم بن عبد العزیٰ جو بدر وغیرہ غزوات میں شریک تھے۔ (۲۹) عبد اللہ ابن غنیک انصاری بدری (۳۰) شجاع بن ابی وہب اسدی بدری (۳۱) ہریم ابن عبد اللہ مطلبی قرشی اور (۳۲) ان کے بھائی جنادہ (۳۳) ولید ابن عبد شمس بن مغیرہ مخزومی جو خالد کے علم بھائی تھے (۳۴) ورقہ ورقہ ابن ایاس بن عمرو انصاری بدری (۳۵) یزید ابن ادس جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے (۳۶) ابو جہہ ابن غزیہ انصاری جو اُحد میں موجود تھے (۳۷) ابو عقیل بلوی بدری (۳۸) ابوقیس ابن حارث سہمی جو مہاجرین حبش میں داخل اور جنگ اُحد میں شریک تھے (۳۹) یزید بن ثابت جو یزید ابن ثابت انصاری کے بھائی تھے رضی اللہ عنہم۔

علامہ بلاذری نے جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابو جہہ لیف بن عتبہ بن ربیعہ جو امیر معاویہؓ کے ماموں اور بدری صحابہ ہیں اور ان کے غلام ابو عبد اللہ سالم ابو عبد اللہ سالم اور بعض دوسرے حضرات کے نام بھی پائے جاتے ہیں اسی طرح بعض مؤرخین نے چند اور نام بھی بتائے ہیں۔

ہر لوہوس نے حسن پرستی شعار کی! کفر کے تفل میں سیلہ کذاب کا جس
 بُری طرح جھٹکا ہوا، یقین واسق تھا کہ کوئی دوسرا کذاب کفر کی یہ چادر نہیں اوڑھے گا، لیکن ابلیسی ہواؤں میں ایسے
 جراثیم تیر رہے تھے کہ یہ مرض پھیلتا ہی چلا گیا۔ دستِ ابلیس کی ذرا سی تھپکی پر
 اچھا بھلا آدمی اپنے کو تختِ ابلیس کا پایہ سمجھنے لگا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات میں درج ہے کہ
 سید الطائفہ حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک
 ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے
 صحبتِ شیخ کی احتیاج نہیں۔ اسی خیال خام کو دل میں پختہ کر کے
 اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزت نشینی اختیار
 کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر
 شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اُسے
 ادنٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاضِ فردوس
 کی سیر کراتے ہیں۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بعض غلص احباب
 سے ذکر کیا کہ میں بارگاہِ رب العزت میں اس درجہ رفیعہ پہنچا
 ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے بہشت
 کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک
 پہنچی۔ آپ اس پر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور
 اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سُن کر فرمایا کہ آج رات
 کو جب جنت میں پہنچو تو ذرا لَحْوَلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ دینا۔
 اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے
 ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوا ہے اور مُردوں کی ہڈیاں سامنے پٹری
 ہیں۔ یہ شخص چونکا اپنی کوتاہی و گمراہی سے توبہ کر کے حضرت

تحریک ختم نبوت کا تیسرا باب

جنید کے کاشانہ زہد پر حاضر ہوا اور تجدید بیعت کر کے برکتِ انفاس سے درجہ کمال کو پہنچا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان للشیطان عرشاً بین
السماء والارض اذا اسل والعبء فنتہ کشف لہ عنہ

حضرت سید العرب والعمم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان شیطان کا ایک تخت ہے، جب کسی انسان کو فتنہ میں ڈالنا اور گمراہ کرنا چاہتا ہے تو وہ تخت دکھا کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ یہود اور عیسائی راہبِ منجم اور کاہنِ غیب کی جھوٹی خبریں سنا کر عوام کو گمراہ کر رہے تھے۔ اس افانوی جہوم میں انبیائے اکرام کی روحانی تعلیم کے مراکز بے اثر ہو کر رہ گئے تھے اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تو زمین پر جنت اور دوزخ کا نقشہ سجا کر فلولِ خدا کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ کئی خدا بن کر بیٹھ گئے۔ دجالی اور کذاب تختِ نبوت کے دعویدار تو اب بھی موجود ہیں۔

دہلی میں ایک شاعر حضرت بیدل ہوگر زریں ہیں وہ اپنی زندگی کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

”ایک دفعہ میں بریلی کا پاگل خانہ دیکھنے گیا کہ ایک صاحب ہاں صاف ستھرا لباس پہنے ایک چبوترے پر بیٹھے تھے دیکھنے میں مہذب اور معزز معلوم ہوتے۔ میں نے اس خیال سے کہ یہ محکمے کے کوئی آفیسر ہوں گے۔ بڑے آداب سے سلام کیا مگر انہوں نے جواب دینے کی بجائے اپنا رخ پھیر لیا۔ میں سمجھا ممکن ہے۔ مجھ سے آداب میں کوتاہی ہوئی ہو۔ میں دوسری طرف ہو کر پھر آداب بجالایا۔ لیکن انہوں نے پھر رخ پھیر لیا۔ تیسرے رخ ہو کر میں اپنا عمل دہرا رہا تھا کہ انہوں نے بڑے غصے میں میری طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا آداب آداب لگا رکھی ہے، جانتے نہیں ہو، میں نبی آخر الزمان ہوں۔“
اس کا یہ کہنا تھا کہ سامنے کے جنگلے سے آواز آتی۔

”بکتا ہے سالہ میں نے اسے نہیں بھیجا۔“

بیدل صاحب لکھتے ہیں۔

میں نے مرگ کر دیکھا تو یہ شخص مادر زار رنگا کھڑا خدا بنا بیٹھا تھا۔
اب مجھے احساس ہوا کہ میں پاگل خانے میں ہوں اور یہ دونوں پاگل
ہیں۔

مذکورہ واقعہ عقل و خرد کے ماضی قریب کا ہے۔ تہذیب کی روشنی
دل و دماغ تک پہنچ چکی تھی۔ ایسے دور میں اگر نبوت اور خدائی کے جھوٹے
دعویدار پیدا ہو سکتے ہیں تو اقوام عرب جو بہالت کے بحر بیکراں میں غوطہ زن تھی
کیا دشوار ہے کہ وہ احکام خداوندی سے بغاوت کی مرتکب نہ ہو، اسی اندھیر
گردی میں دجال اور کذابوں کی مسلسل ہرزہ سرائی سنتے اور دیکھتے ہوئے
معلم اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

انما اخاف علی امتی الائمة المضلین وانه سیکون

فی امتی کذبون ثلاثون کلہم یزعم انہ نبی اللہ

وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ہ

(رواہ مسلم عن ثوبانؓ)

ترجمہ: مجھے اپنی امت کے حق میں گمراہ کرنے والے اماموں کی طرف سے
بڑا کھٹکا ہے۔ اور میری امت میں ضرورتیں کذاب پیدا ہونگے۔
جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی ہوگا کہ وہ خدا کا نبی ہے۔
حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی معبوث نہیں
ہوگا۔

پیغمبر کائنات عالم میں خدا اور خدا کی کے مابین ایک رابطہ ہوتا ہے اور

وہ اپنے پاس سے کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں جیسے کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔
وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

اور نہیں بولتا اپنے ارادہ سے، مگر وہ جو وحی کی جاتی ہے اللہ کی طرف
بنائیں جن تیس دجائوں سے متعلق خبر صادق (صلعم) نے اطلاع دی۔ یقیناً یہ
فیصلہ خالق کائنات کا ہے کہ اختتام کائنات تک ایسے گمراہ فریب خوردہ اور
کذاب آئیں گے جن کے ہاتھوں میں زہر ہلاہل کے جام ہوں گے۔ جن پر سچائی کے
خوبصورت لیل چپاں دکھائی دیں گے۔

ان فرماؤں کی فہرست جنہوں نے بحسن انسانیت (صلعم) کی ہمسری کی اور
ان کے برابر کھڑے ہونے کی سعی کی اس قدر طویل ہے کہ کئی پاگل خلع بن سکتے ہیں۔
مریض اور مرض کے مابین
علاج اس کا بھی کچھ غم جاناں ہے کہ نہیں! | بھی ایک رشتہ ہے۔

روح جب تک جسم کے ساتھ رہتی ہے یہ رشتہ قائم رہتا ہے۔ اس دوران
مرض بھی جسم پر غلبہ پالیتی ہے اور گاہ جسم مرض کو مات دے دیتا ہے، لیکن جن
امراض کا دل و دماغ پر قبضہ ہو جاتا ہے وہ قبر کی لحد تک جسم کا تعاقب کرتی ہیں۔
ان میں مرقا، مالیہ خولہ، نسیان اور وہم ہیں یہ وہ دماغی امراض ہیں جو آدمی کو
عقل و فرد سے دور لے جا کر جنون کے دیرانوں میں پھینک دیتی ہیں، یہیں سے
ابلیس انہیں دلوچتہ ہے اور ایسے سبز باغ دکھاتا ہے کہ آدمی آدمیت سے
ماوری ایسی حرکات کرنے لگتا ہے کہ پھر ابلیس بھی ہتھیار ڈال دیتا ہے قرآن
حکیم کی آخری سورۃ (الداس) سے بھی ایسی حرکات کا اشارہ ملتا ہے۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلَهِ النَّاسِ ۝ مِنْ
شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ترجمہ: کہہ دو میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آیا، لوگوں کے بادشاہ کی

لوگوں کے معبود کی اس شیطان کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنوں اور انسانوں میں سے۔

تاریخ اس موقع پر قندمکر کے طور پر حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کے واقعہ کا پھر سے مطالعہ کریں تاکہ ابلیس کے ایسے تمام خلفاء کے کارناموں کی تصدیق ہو سکے۔

سید الطائفہ حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک ناقص مرید اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ اب مجھے صحبت شیخ کی احتیاج نہیں، اسی خیال خام کو دل میں پختہ کر کے اس نے حضرت جنیدؒ کی صحبت ترک کر دی اور عزت نشینی اختیار کر کے ذکر و فکر میں مصروف ہوا۔ تھوڑے ہی روز کے بعد وہ ہر شب دیکھنے لگا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور اسے اونٹ پر سوار کر کے عالم بالا کو لے جاتے ہیں اور ریاض فردوس کی سیر کراتے ہیں، ایک دفعہ اس نے اپنے بعض مخلص احباب سے ذکر کیا کہ میں بارگاہ رب العزت میں اس درجہ رفیعہ پہنچا ہوں کہ ملائکہ میری خدمت پر مامور ہیں اور ہر شب سوار کر کے مجھے گلستان بہشت کی سیر کراتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت جنیدؒ کے سمع مبارک تک پہنچی۔ آپ اس پر خود غلط مرید کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی زبان سے عروج و صعود کی کیفیت سن کر فرمایا کہ آج رات کو جب جنت میں پہنچو تو فوراً لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ دینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہے کہ تمام شیاطین بھاگ رہے ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور مردوں کی ہڈیاں سامنے پڑی ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد | کثیر قوم سے بنائی گئی مشینری کا چھوٹا سا پُرزہ بھی جواب دے جائے تو تمام مشینری سکریپ (لوہے) کے بھاؤ

فروخت ہوتی ہے جب کہ باقی تمام کل پُرزے کارآمد ہوتے ہیں لیکن جس پُرزے پر ساری مشینری کا دار و مدار ہے جب وہ بے جان ہو جائے تو باقی کیا رہ گیا۔

کارخانہ فطرت میں ڈھلے ہوئے دل و دماغ کے کل پُرزوں کا بھی یہی حال ہے اچھا بھلا انسان جب سوچ و فکر کی بلندیوں سے گرتا ہے تو جان لینا چاہیے کہ اس کی دماغی مشینری کا کوئی پُرزہ اپنی جگہ سے ہل چکا ہے

دماغی توازن کھو کر جب انسان طوطے مینا اڑانے لگتا ہے تو اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے حالانکہ انسان کی ظاہری ہمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سر سے پاؤں تک کے تمام اعضا ٹھیک کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر دماغ کی ذرا سی خرابی نے عقل و فرد کے تمام نظام کو ورہم برہم کر دیا ہو تا ہے ایسے میں آدمی کو آدمی کہنا مشکل ہو جاتا ہے ایسی قوتیں ہیں سے اپنے کارکن منتخب کرتی ہیں جو آگے چل کر آدمیت سے ماوری ہو کر انالاغیری کا نعرہ لگاتا ہے کبھی اپنے کو رب اکبر کہتا ہے اور کبھی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے جن کی پر داز ذرا ہلکی رہی انہوں نے ولایت کی چادر اڑھ لی اور خدا کی بنائی ہوئی آسمانی جنت کا نقشہ زمین پر کیرنا شروع کر دیا۔ ابن آدم کو فریب دینے کے کئی دوسرے طریقے اختیار کئے گئے۔ لیکن حقیقت میں یہ تمام دماغی خلل کے سوا کچھ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کی بھیڑ پاگل خانوں میں پائی گئی ہے۔

صدیاں گزریں کہ انسان عقل و فرد سے بیگانہ کائنات میں بھٹک رہا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زمیندار اپنے استحکام کے لئے اسی خام مال سے اپنی ضروریات کے لوگ منتخب کرتا ہے اور یہی لوگ ایوان سلطنت کا ستون ثابت ہوتے ہیں جن کی چمک سے عوام فریب کھا جاتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے دوران جب مسلمان وطن عزیز کی حفاظت میں انگریز

کاٹکار کھیل رہا تھا۔ ایسے کئی لوگ راستے کی دیوار بنے تیار خج جن کے ماتم سے ہنوز
 فارغ نہیں ہوئی یہی گروہ تھا جس کی ذاتی اغراض کے باعث برصغیر کو کئی سو سال
 انگریزوں کا غلام پہنچا پڑا۔ ان میں ضلع گورداسپور قصبہ فاضیان کا رئیس مرزا غلام مرتضیٰ
 (دجال قادیان مرزا غلام احمد کا والد) بھی تھا جس نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کی ایسے مشکل
 وقت میں مدد کی جب وہ پنجاب پر قبضہ کرنے کی کوشش میں تھیں (دریائے بیاس)
 کے محاذ پر بڑی طرح پھنسا ہوا تھا۔ اس واقعہ کا اقرار کرتے ہوئے دجال قادیان
 مرزا غلام احمد لکھتا ہے۔

”میں نہیں کہتا، گورنمنٹ اُن کی اس خدمات کو کبھی نہیں بھولے گی
 کہ انہوں نے (غلام احمد کے باپ اور بھائی) نے ۱۸۵۷ء کے نازک
 وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر پچاس گھوڑے اپنی گروہ سے
 خرید کر پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے مہیا کر کے گورنمنٹ
 برطانیہ کی مدد کے لئے دیئے تھے۔“

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۳۲)

ایسے غداروں کی امداد اور تعاون سے انگریز جیسے ہی کامیاب ہوا۔ اب اُسے
 برصغیر میں اپنے قیام کے مستقبل کی فکر ہوئی، چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جو سب
 سے بڑا پتھر اس کے راستے کی دیوار بنا، وہ مسلمان کی انگریز دشمنی اور اس کا جذبہ جہاد
 تھا۔ تا دقیکہ ان دونوں کو ختم نہ کر دیا جاتے۔ برطانوی پائے شگھاس تلے کی زمین
 میں زلزلے آتے رہیں گے۔

غیر ملکی اقتدار اپنے زخموں کا لہو چاٹ رہا تھا تو دوسری طرف جہاد آزادی کے
 مجاہدین نے بھی اپنی تلواریں نیام میں نہیں کی تھیں۔ دونوں طرف دلوں کی بھٹیاں شعلہ
 فشاں تھیں۔

۱۔ یہی قصبہ آگے چل کر قادیان کے نام سے معروف ہوا۔

یورپین دانشوروں کو سیاسیات کا عظیم معلم قرار دیا گیا۔ وہ آگ کہیں لگاتے ہیں اور اس کا دھواں کہیں سے اٹھتا ہے، اپنے حریف کومات دینے میں گو بندوبست اپنی استعمال کرتے ہیں لیکن کندھا ان کا نہیں ہوتا۔

برصغیر کے مسلمان کے دل و دماغ سے انگریز دشمنی اور جذبہ جہاد ختم کرنے کیلئے انگریز نے دوماذا قائم کئے، ایک تعلیمی دوسرا جہاد کا جذبہ ختم کرنا ضروری اور اہم تھا۔ پہلا تعلیمی محاذ تو سرسید احمد خان کے سپرد کیا گیا۔ (اس کی تفصیل مصنف کی کتاب انگریز کے باغی مسلمان میں دیکھیں) البتہ جہاد ایسے تلاطم خیز طوفان کا وکنا انگریز کے بس کا روگ نہیں تھا، لیکن مذہباً اور سیاسی طور پر بھی اس کا ختم کرنا عیسائی حکمرانوں کے لئے بنیادی کام تھا۔

یہ دور تھا جب برصغیر میں انگریز ظلم و جور کی توپ کے دھانے پر کھڑا ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں کو نشانہ بنارہا تھا۔ خوف و ہراس کے اس جھگڑ میں عیسائی پادری مسلمانوں کے ایمان پر عیسائیت کی لہریں ثبت کر رہے تھے۔ اس پر بھی حکمران ٹولہ مطیعین نہیں تھا۔ اُسے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کی آگ بدستور سلگتی دکھائی دے رہی تھی۔

ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی، لیکن اس کے دوبارہ حصول میں ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ کیوں؟ — جب کہ مسلمان یہ لڑائی جہاد کے عنوان اور جذبے سے لڑ رہا تھا اور غیر اسلامی تہذیب میں جہاد کا دہود یک نہیں۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ تحریث میں غیر مسلم کیوں شریک ہوا۔ فرنگی دانشوروں کی یہ سوچ جب ایوانِ حکومت تک پہنچی تو اس پر ۱۸۶۹ء کو انگریزوں نے ایک کمیشن ہندوستان بھیجا کہ وہ انگریزوں کے خلاف خاص کر مسلمانوں کا ذہن معلوم کرنے نیز آئندہ کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کو رام کرنے کی تجاویز مرتب کرے اس کمیشن نے ایک سال ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کے حالات معلوم کئے اور واپسی پر ۱۸۷۰ء کو لندن

وائٹ ہاؤس میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں کمیشن مذکور کے نمائندوں کے علاوہ ہندوستان میں متعین عیسائی مشنری کے پادری بھی خاص دعوت پر شریک ہوئے کمیشن کے نمائندوں اور پادریوں نے اپنی اپنی رپورٹ پیش کی، اس ضمن میں کمیشن کے سربراہ سر ولیم ہنٹر کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے اور ان کے لئے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے اس تصور سے مسلمانوں میں ایک جوش ایک ولولہ ہے، وہ جہاد کیلئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں، ان کی یہ کیفیت کسی وقت بھی انہیں غیر ملکی حکومت کے خلاف ابھار سکتی ہے۔

پادریوں کی رپورٹ | اس موقع پر ہندوستان میں متعین پادریوں نے جنہیں خاص طور پر دعوت دے کر بلایا گیا تھا اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

ہندوستان کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پری مریدی کے رجحانات کی حامل ہے، اگر ان میں سے اس وقت کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں جو (ظلمی) نبوت کا دعویٰ کرنے کو تیار ہو جائے تو اس کے حلقہ نبوت میں ہزاروں مسلمان جوت درجوت شامل ہو جائیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے اس قسم کے دعویٰ کے لئے کسی کو تیار کرنا بنیادی کام ہے، اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو پھر اس شخص کی نبوت کو حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں میں غدار پیدا کرنے کی حکمت عملی سے وقت کی حکومتوں کو شکست

دے چکے ہیں، لیکن وہ مرحلہ اور تھا، کیونکہ اس وقت فوجی نقطہ نظر سے
 غداروں کی تلاش کی گئی تھی مگر اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ
 پر حکمران ہیں اور ہر طرف امن و امان ہو گیا ہے تو ان حالات میں
 ہمیں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیئے جو یہاں کے باشندوں
 کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔“

انتباس مطبوعہ رپورٹ

کانفرنس واٹ ہاؤس منعقدہ ۱۸۷۰ء

”دی اراٹیل آف برٹش ایمپائر آف انڈیا۔“

جب اندر خانے یہ فیصلہ ہو چکا کہ مسلمان ہند کے اس کمزور عقیدے پر استفادہ
 کیا جاسکتا ہے تو خفیہ طور پر ایسا آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو فرنگی حکومت
 کی رائے پر عمل پیرا ہو کر بھوت کا دعویٰ کر کے جہاد جیسے جذبہ سے مسلمانوں کو
 بغاوت پر اکسائے۔

جی ہو تو نزاکت اور ادا میں آپ سے آپ آجاتی ہیں۔ سیاست دان
 ہو اور حکمران بھی ہو تو فکر کی تمام راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں لندن میں جو بات
 طے پا چکی تھی، انگریز کی نگاہیں اپنے شکار کی تلاش میں مصروف ہو گئیں۔
 یوں تو ہندوستان میں غداروں کی کمی نہیں تھی، لیکن پنجاب اس فصل
 کے لئے بہترین زمین ثابت ہو چکا تھا چنانچہ انگریز کی نظریں بار بار قصبہ قاضیاں کے رئیس
 مرزا غلام مرتضیٰ کے خاندان سے ٹکراتی رہیں جس نے تموکے عمار پر انگریز کی
 مشکل ترین وقت میں فوجی امداد کی تھی۔

آدمی کسی مذہب سے متعلق ہو۔ کوئی ساکب کرتا ہو،

مرزا غلام احمد

دجال قادیات

ذات بلادری کی بھی کوئی بحث نہیں چاہے کسی
 حیثیت کا ہو، والدین کو اس کی پیدائش کی تاریخ
 یاد ہوتی ہے خاص کر ماں کو تو دن اور وقت بھی ازبر ہوتا ہے، لیکن

مرزا غلام احمد (دجال قادیان) اپنی پیدائش کے سن و سال سے ایسا غائب ہوا ہے کہ نہ تو باپ کو اور نہ ماں کو اس کے جنم کی تاریخ یاد ہے البتہ مرزا غلام احمد خود کہتا ہے کہ ۱۸۴۰ء میں اس کی پیدائش ہوئی وہ اپنے ساتھ ایک بچہ کی پیدائش کا بھی ذکر کرتا ہے جب کہ والدین اور گھر کے باقی افراد اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ یہاں تک کہ مرزا غلام احمد کہتا ہے۔



مرزا غلام احمد (دجال قادیان) ”میرے ساتھ پیدا ہونے والی

لڑکی کا نام جنت تھا، پہلے وہ پیٹ سے نکلی تھی اور اس کے بعد یمن نکلا تھا“ (تزیان القلوب ص ۱۵۷)

مگر ماں اس کی تصدیق نہیں کرتی۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے رسالہ ”اشاعتِ سنہ“ میں لکھتا ہے۔
مذہب غلام احمد کا والد غلام مرتضیٰ حکیمانہ مذہب رکھتا تھا۔ اگر کسی مذہب کی طرف کچھ میلان تھا تو تنبیہ کی طرف تھا۔ پیرانہ سالی میں اسے دیکھا ہے اُن کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا کوئی خیال تک نہیں تھا۔
 ”اشاعتِ سنہ جلد ۶“

غلام احمد کے درمیان بھاتی میاں بشیر احمد ایم اے نے سیرت الممدی میں لکھا ہے۔

”ہمارے دادا بچے نماز تھے، یہاں تک کہ پچھتر سال کی عمر میں پنجنگ

بھی نماز نہیں پڑھی۔

میاں بشیر احمد نے اپنے بعض اقربا کے متعلق لکھا ہے۔

”میرے تمام رشتہ دار پرلے مہجے کے بے دین اور لاندہب تھے“

(”سیرت المہدی“ جلد اول ص ۲۱۲)

تہوں کے محاذ پر مجاہدین وطن کے مقابل ”انگریز کی امداد کرنے کے
معاش | صلے میں مرزا غلام مرتضیٰ کو سات سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی۔
سیرت المہدی میں مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔

”مجھے ایک دفعہ میری والدہ نے اپنی جوانی کا واقعہ سناتے ہوئے
کہا۔

مرزا غلام احمد یہ پنشن وصول کرنے کے لئے گیا۔ اس کے پیچھے مرزا
امام دین بھی چلا گیا جب پنشن وصول کر لی تو مرزا امام دین فریب دے
کر اور پھلا کر غلام احمد کو تادیبان لانے کی بجائے کہیں باہر لے گیا اور
تمام روپیہ ختم کر ادیا اور امام دین اُسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ اس پر
غلام احمد کئی دن گھر نہیں آیا۔“

مرزا امام دین نے غلام احمد کے ساتھ جبکہ وہ کئی راتیں باہر اس
کے ساتھ رہا اور کیا کیا۔ مرزا آئی یہ سناتے ہوئے شرماتے ہیں۔

(مصنف)

سیرت المہدی جلد اول ص ۲۲۶ پر لکھتا ہے
یہ حرام ہے یا حلال | کہ ”مرزا غلام احمد کو بچپن میں چڑیا پکڑنے

کا شوق تھا۔ چنانچہ چڑیا پکڑ کر چھڑی یا چاقو کی بجائے سر کندھے سے
بغیر بکیر کہ جس طرح سکھ جھٹکا کرتے ہیں چڑیوں کا سر کاٹ دیتا
تھا۔“

یہ فیصلہ مرزائی کریں کہ مرزا غلام احمد حلال کھاتا تھا کہ حرام (مصنف)

ملازمت | زمانہ ہے جب آٹھ آنے من آنا اور کڑیاں عام مل جاتی تھیں، میں
پچیس روپے بھینس کی قیمت تھی۔ دس پندرہ روپے میں گلے، بھیڑ بکری بہت کم
داموں میں فروخت ہوتی تھی، ایسے سستے میں سات سو روپیہ ایک خاندان کی
کفالت کے لئے کافی تھا مگر جہاں بے نمازوں کا ڈیرہ ہو، حرام و حلال کی تمیز نہ
ہو، وہاں برکت کہاں اور پھر جس گھر میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور
دجال پرورش پارہ ہو، وہاں برکت خداوندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
روز و شب کا نظام نظرت اپنے محور کے گرد جس طرح رواں ہے انسانوں کے
مقدور انہیں اطوار سے اپنے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔

تادیان کاریں گھرانہ اپنی نحوست اور باطل حرکات کے باعث جب
افلاس کی زد میں آیا تو اپنی ہی ریاست میں ملازمت کی تلاش کرنے لگا۔ ان
دنوں باپ نے کشمیر میں جا کر ملازمت کرنی اور بیٹا (دجال تادیان) مرزا
غلام احمد سیالکوٹ چلا آیا اور ضلع کچہری میں پندرہ روپے ماہوار پر اہلہ مقرر
ہوا۔ یہاں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں اہلہ نہیں بلکہ محرر مقرر ہوا
تھا مگر تنخواہ میں کسی کو اختلاف نہیں، ایک مدت اس عہدے پر رہا۔ اس
دوران اس کی ملاقات ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر سے ہوئی۔ پھر کیا ہوا؟
— آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے

تم ہمارے، ہم تمہارے ہو گئے
تاثر نے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ اس انگریز کی دور رس
نگاہوں نے لندن کانفرنس کے فیصلے کے مطابق دو چار ملاقاتوں میں دجال تادیان

۱۔ انوس ڈپٹی کمشنر کو رکانام معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی سیرت الہمدی کے مصنف نے یہ
مناسب سمجھا۔

کو اپنے ڈھب کا آدمی پا کر اُسے اپنی ضرورت کے شیشے میں اتار لیا۔
 ۷ مدت سے آرزو تھی، کوئی دلربا ملے۔

اس طرح اس انگریز آفیسر نے اپنی قوم اور حکومت کی بڑی خدمت انجام دی۔
 انگریز کی سان پر چڑھ کر دجالِ قادیان نے سیا کوٹ سے نوکری چھوڑ کر عیادتیں
 آریہ سماج اور برہمن سماج کے خلاف مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ چونکہ ہندو مسلمانوں نے مشترک لڑی تھی لہذا انگریز کو ضرورت
 تھی کہ ان دو قوموں کے مابین افتراق بڑھے، گو یہ کام پیشتر سے سرسید احمد بہت
 حد تک کر چکا تھا تاہم اس وقت مرزا غلام احمد کے مضامین بھی فرنگی ضرورت
 کے معادنِ ثابت ہوتے۔

قارئین کو فی الحال دجالِ قادیان مرزا غلام احمد کے حالات زندگی یا اس
 خاندان سے آگاہی حاصل کرنا مقصود نہیں اِنشاء اللہ آنسو سفر میں مصنف قارئین کو
 دجال کے اندرونِ خانہ لے چلے گا۔ جہاں آپ ابلیس کی محفلِ نشاط کا دلچسپی سے
 نظارہ کر سکیں گے۔

دامنِ افروز نے دجالِ قادیان کے ان مضامین کو اس قدر ہوا دی کہ
 وہ اقوامِ ہند کے مابین بادِ سموم کا طوفان بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیٹے
 سمے جن دلوں میں انگریز کی نفرت تھی اب دہاں آپس میں نفرت کا نہر پڑ رہا
 پانے لگا۔

شیطان کی انگیخت پر دجالِ قادیان نے ملازمت چھوڑ کر جو
مکتبِ فروشی دھندا شروع کیا تھا، تھا تو نفع بخش مگر تھی دامن نے
 منزل کے قریب پہنچ کر ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا ایک ہندو دوست لالہ بھیم سین
 ان دنوں مختاری کا امتحان دے رہا تھا۔ اس کے دیکھا دیکھی یہ بھی مختاری کے
 امتحان میں بیٹھ گیا، مگر ناکام رہا۔

شیطان نے حلوائی کی دکان تو دکھا دی مگر جیب خالی رہنے دی۔ اب

شیطنت کے راستے تلاش کرنا شروع کئے تاکہ کسی طرح دولت فراہم ہو۔ اقوام ہند کے خلاف مضامین لکھنے پر بھی کشکول زر خالی رہا۔ آخر اسے پتہ چلا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی (جو دجال قادیان کا ہم سبق رہ چکا تھا) دہلی سے بٹالہ آگیا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی میاں ندیر حسین دہلوی سے حدیث پڑھ کر آیا تھا (دجال قادیان فوراً اُسے ملا اور اپنی تھی دامنی کارونا روایا۔ مولوی محمد حسین نے اسے لاہور چینیاں والی مسجد جہاں کہ وہ ان دنوں خطیب تھے لے آیا چنانچہ دجال قادیان قریباً دو ہفتے چینیاں والی مسجد میں رہا۔ اس دوران ایک نماز جمعہ بھی اس نے یہاں پڑھائی۔ قاریت! یہ بات ذہن میں رہے کہ میاں ندیر حسین چونکہ سرسید احمد خان کے نورتنوں میں شامل تھے اور سرسید احمد خان انگریزوں کے حامی کار تھے۔ اس تعلق کی بنا پر مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذہن بھی انگریز کا ہنوا تھا لہذا دجال قادیان کو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اقوام ہند کے مابین افتراق کا درس دیا۔ دجال قادیان نے مولوی محمد حسین سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں غیر اسلامی ادیان کے رد میں ایک کتاب لکھوں۔“

محمد حسین بٹالوی: ہاں! یہ تو بڑا مبارک خیال ہے لیکن بڑی وقت یہ ہے کہ غیر معروف مصنف کی کتاب مشکل سے فروخت ہوتی ہے۔

دجال قادیان: حصولِ شہرت کون سا مشکل کام ہے، البتہ اصل مشکل یہ کہ تالیف و اشاعت کا کام سرمایہ کا متاج ہے اور اپنے پاس روپیہ نہیں۔ مولوی محمد حسین: تم کام شروع کر دو اور اپنے ارادے کو مشہر کرو۔ میں بھی مدد کروں گا۔

۱۔ میاں ندیر حسین دہلوی سرسید احمد خان کے حلقہ اثر میں شامل تھے جس کی تفصیل مصنف کی کتاب انگریز کے باغی مسلمان کی پہلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ زمانہ ہے جب انگریز پادری پنجاب اور خصوصاً لاہور کے بازاروں میں
کریاں سروں پر اٹھائے اسلام اور مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف سے جیلنج کرتے
پھر رہے تھے۔ دوسری طرف آریہ سماج کے رہنما سوامی دیانند سروتی کی کتاب
”ستیا رتھ پرکاش“ کا بھی چرچا تھا جس میں قرآن حکیم پر بے جا تنقید کی گئی تھی
اس موقع پر محمد حسین بٹالوی کے مشورے اور دجال قادیان کی رائے ہم آہنگ
ہو کر میدان میں آئیں چنانچہ دجال قادیان کی طرف سے ”براہمن احمدیہ“ نامی کتاب
شائع کرنے کا اعلان کیا گیا۔

اس سلسلہ میں جو اشتہار شائع ہوا اس کی عبارت کچھ اس طرح تھی۔
”عیسائی پادریوں اور آریہ سماج کی طرف سے اسلام اور قرآن حکیم
پر جو اعتراض کئے گئے ہیں براہمن احمدیہ“ میں اس کے جوابات
دیئے گئے ہیں۔ کتاب مذکور چونکہ پانچ حصوں میں شائع کی جا رہی
ہے اس کے لئے دس ہزار روپیہ کی فوری ضرورت ہے لہذا
مسلمان بطور پیشگی یہ روپیہ فوراً میرے نام قادیان روانہ کریں۔
خاکسار غلام احمد ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء“

اس کے ساتھ ہی لاہور میں آریوں اور پادریوں کے ساتھ مناظروں کے
اکھاڑے جننے لگے جیسے جیسے ان اکھاڑوں کی بھیت میں انصاف ہوتا گیا دجال
قادیان کا بطور مبلغ اسلام چرچا ہونے لگا۔

۱۸۵۷ء کے فرنگی تشدد سے خوفزدہ اور تن آسان مسلمان نے آریہ سماج
اور پادریوں کے مقابل دجال قادیان کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کی
پوری مالی اعانت کی اور ”براہمن احمدیہ“ پر اچھے بھلے لوگ بھی فریب میں
آنے لگے اور دقت کے معروف اخبارات نے بھی اس پر تبصرے کئے

”مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے
اخبار زمیندار ۸ جون ۱۹۰۸ء“ قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ

کی عمر ۲۲-۲۳ سال کی ہوگی اور ختم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔۔۔۔۔ ۱۸۷۷ء میں بھی ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔

اسی طرح مختلف معروف شخصیات نے دجال قادیان کے عیسائیوں اور آریوں کے خلاف محاذ کو پسند کیا۔

منشی محمد اسماعیل سیالکوٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ ڈاکٹر علامہ اقبال کے والد | سر محمد اقبال جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا جن کو عام لوگ ”شیخ تھو“ کے نام سے پکارتے تھے۔ شیخ نور محمد صاحب نے غالباً ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم اور سید حامد شاہ مرحوم کی تحریک پر حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی تھی۔ ان دنوں سر محمد اقبال سکول میں پڑھتے تھے اور اپنے باپ کی بیعت کے بعد وہ بھی اپنے آپ کو احمدیت میں شمار کرتے تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کے معتقد تھے کیونکہ سر اقبال کو بچپن ہی سے شعرو شاعری کا شوق تھا۔ اس لئے ان دنوں میں انہوں نے سعد اللہ لدھیانوی کے خلاف حضرت مسیح موعودؑ کی تائید میں ایک نظم بھی لکھی تھی جس کا عنوان تھا ”جیسا منہ تمہی چپیٹر“ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ:

واہ مولوی دیکھ لی گندہ دہنی آپ کی
خوب ہوگی مہتروں میں قدر دانی آپ کی
گوہر بے ”ر“ جھڑے ہیں آپ کے منہ سے سبھی
جان سے تنگ آگئی ہے مہترانی آپ کی
آفتاب صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
حضرت شیطان کریں گے ساتبانی آپ کی

اس ضمن میں "سیرت المہدی" کی چلہ سوم ص ۲۴۹، ۲۵۰ پر ابن دجال مرزا بشیر احمد ایم اے ابن غلام احمد قادیانی لکھتا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے بیان کیا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود ^{۱۸۹۱ء} یا ^{۱۸۹۲ء} سلمہ میں سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے اور وہاں آپ نے ایک تقریر فرمائی تھی جس میں کثرت کے ساتھ لوگ شامل ہوتے تھے اور ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پر ہجوم ہو گیا تھا تو اس وقت ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی وہاں موجود تھے اور کہہ رہے تھے کہ دیکھو شمع پر کس طرح پردانے گر رہے ہیں۔

عقل عیار ہے سو بھیس بٹالیتی ہے۔ تقریریں اور اشتہارات کے ذریعے دجال قادیان کا جال پھینتا چلا گیا۔ خاص کر اپنی کتاب (براہین احمدیہ) کا خاصہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ اسلام کی تبلیغ کے بہانے مسلمانوں نے کتاب ہذا کے لئے دل کھول کر چندہ دیا۔

دولت کی حرص آدمی کو مقصدِ حیات اور ایمان سے خالی کر دیتی ہے۔۔۔ دجال قادیان نے حصول زر کے لئے مذہب کو عنوان بنا کر ڈرامہ کھیلا۔ ابلیس نے اس کا پورا ساتھ دیا۔

"براہین احمدیہ" کی قیمت پانچ روپے تھی لیکن خریداروں کا ہجوم دیکھ کر دسمبر ۱۸۹۹ء کو اس کی قیمت دس روپے کر دی اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ جن حضرات کی رقم پانچ روپے کے حساب سے آچکی ہے وہ مزید رقم بھیج دیں۔ غیر مسلموں کے لئے کتاب ہذا کی قیمت پچیس روپے وصول کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ریاستوں کے نواب، راجا اور امراء سے عطیات کے نام پر اگمال اٹھا کیا گیا اس طرح جب ہزاروں روپے جمع ہو گئے تو دجال قادیان نے اعلان کر دیا کہ

الہامات الہیہ کی بنا پر کتاب براہین احمدیہ کا وعدہ پورا نہیں کیا جا

سکتا۔ چنانچہ ستمبر ۱۸۸۶ء کو اپنی نئی کتاب شائع کرنے کا اعلان کر دیا۔
اس طرح تماشہ ختم اور پیسہ ہضم

اس عرصہ میں پنجاب کا اکثر مسلمان حوام علما سمیت تبلیغ اسلام
نیا فریب کے نام پر دجال کے فریب میں آچکا تھا۔ براہین احمدیہ کی
مندرجہ ذیل عبارت نے انہیں خاصہ متاثر کیا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
یہ آیت جسمانی اور سیاست مکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق
میں پیشگوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ
مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ
اس دُنیا میں تشریف لادیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام
جمع آفاق اور اقطار بھی پھیل جائے گا۔

(براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۲۹۸)

جھوٹے کی سب سے بڑی علامت ہے کہ وہ اپنی بات کا آپ ہی انکار
کر دیتا ہے جیسے کہ ابھی دجال قادیان نے قرآن حکیم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے آسمان پر ہونے اور دوبارہ تشریف لانے کا تحریری اقرار کیا ہے۔ ابھی اس
عبارت کی سیاہی میں نمی ہو گی کہ ۱۸۹۰ء میں اپنے کلمے پر سیاہی پھیرتے ہوئے
رسالہ ”فتح اسلام“ ”توضیح مرام“ اور ازالہ ادہام“ شائع کئے جن میں اس خیال کی
تبدیلیوں کی کہ مسیح موعود جن کی بابت براہین احمدیہ کی مذکورہ عبارت میں لکھا
تھا کہ اطرات و اقطاع دُنیا میں اسلام پھیلا دیں گے، ان کے منصب کا دعویٰ
خود اختیار کر لیا یعنی کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے وہ تو نہیں آویں گے۔
بلکہ ان جیسا کوئی آدے گا اور وہ میں ہوں۔ اس کا ذکر اور ثبوت ان تینوں
رسالوں میں دینے کی کوشش کی ہے ”چنانچہ ازالہ ادہام“ میں بہت لمبی تقریر
کے بعد دجال قادیان نے لکھا،

سویقینا سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم ہی ہے جس نے عیسیٰ ابن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب بٹھراتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کناریں لیا اور اس اپنے بندہ کا نام ابن مریم رکھا کیونکہ اس نے مخلوق میں اپنی روحانی والدہ کا نہ تو منہ دیکھا جس کے ذریعہ سے اس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوتی تب وہ وجود روحانی پاکر خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھایا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن اور آباد کرنے کے فکر میں لگ گیا پس مثالی صورت کے طور پر ہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا، کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر ابن مریم نہیں تو کون ہے؟“ (انالہ اوہام ص ۵۸)

دجال قادیان کی گزشتہ نئی اور خانگی زندگی جس میں

بد معاشی، فریب، دجل کے سوا کچھ نہیں تھا، بلاشبہ

ان اطوار سے دجال نے خوب اہمیت حاصل کی۔

دعویٰ نبوت

دجال اپنے اصل و پس

رو پیہ اکٹھا کیا لیکن تاکہ۔ آخر سو دن چور کا، ایک دن سادھ کا۔

مبلغ اسلام، پھر تاجر کتب، پھر مجدد، پھر عیسیٰ مسیح۔

۱۔ اس کی مکمل اور ننگی تصویر آئندہ صفحات میں دیکھیں۔

مسلمہ کذاب نے جب منصب نبوت پر حملہ کیا تو براہ راست کیا۔ راستہ میں کوئی سوانگ نہیں بھرا جب کہ دجالِ قادیان مسلمہ کذاب سے کہیں زیادہ بزدل اور گھٹیا ثابت ہوا کہ یہ کئی موڑ کاٹ کر مسلمہ کذاب کے برابر پہنچا۔

بہر حال مسیح ہونے تک تو علمائے دین نے اس کا منہ دیکھا گولفانے کے اندر کا مضمون وہ بھانپ گئے تھے، عوام کے دلوں میں بھی دسو سے ابھرنے لگے اور چور کی چوری کھٹکنے لگی تھی کہ اس کے یہ تمام بہرہ و پٹن محض ہو س زر کے لئے تھے۔ مگر وہ اس گرہ کٹ کے مزید عریاں ہونے تک خاموش رہے۔

علمائے لدھیانہ کی ضرب کاری | آبادی کا رُخ کرتا ہے۔ دجال
قادیان کی تصنیف (براہن احمدیہ) ایک مدت زیر مطالعہ رہی جس سے مصنف کے خلاف عوام کی آنکھیں سُرخ ہوئیں، دلوں میں غصے کے طوفان اٹھے۔ اسلام کے بنیادی اور اخلاقی اصولوں سے دجالِ قادیان کی بغاوت دیکھتے ہوئے بھی کسی قلم کار کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ سراٹھا کر اس کے سامنے آ سکے۔ یہ مصلحت تھی حکومت کا دباؤ تھا یا ایمان کی کمزوری کہ ایک آدمی پنجاب بھر میں کاروباری اصولوں پر صاف اور پاکیزہ مذہب کا حلیہ بگاڑ رہا ہے جو بڑے گندے پانی پر زمزم کا لیبل چسپاں کر رہا ہے اس کی جسارت دیکھتے کہ یہی ناپاک ارادہ لے کر یہ لدھیانہ پہنچ گیا یہ ۱۸۸۴ء کا سال ہے۔

لدھیانہ کی خاک میں ہنوز اُس آگ کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء کو فرنگی و قار کے جلتے محل کو راکھ کرنے میں مجاہدینِ حریت کی امداد کی تھی۔

حضرت مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ لدھیانوی انہیں بہادر لوگوں کی اولاد تھے جنہوں نے سب سے پہلے دجالِ قادیان کے دجل کی چادر اتاری

! ان شہداءِ حریت کی آخری آماجگاہیں دہلی کی فتح پوری مسجد کے صحن میں موجود ہیں۔

دجال قادیان جیسے ہی لدھیانہ آیا اس کے چند گماشتوں نے اس کا چہرہ شروع کر دیا کہ یہاں دقت کا مجدد آیا ہے جو شخص اس پر ایمان لے آئے گا وہ اول مسلمان ہوگا۔ اس دعویٰ پر علمائے لدھیانہ نے اس کا لٹریچر دیکھنا شروع کیا، خصوصاً ”براہن احمدیہ“ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس کتاب میں کفر کا انبار پایا گیا ہے اس پر علمائے لدھیانہ نے متفقہ فتویٰ دیا کہ

”مرزا غلام احمد (دجال قادیان) مجدد نہیں بلکہ ملحد، زندقہ اور مرتد ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

اس فتویٰ کو فوری طور پر شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کیا گیا۔ اس فتویٰ کی نقل علمائے مجاز کو بھی گئی، انہوں نے بھی اس کی تائید کی۔

سانپ جس قدر زہریلا ہوگا اپنے دشمن پر اسی تیزی سے حملہ آور ہوگا۔ اسلام کا یہ مارا آئین علمائے دین لدھیانہ کی مار کھا کر اس قدر ٹھٹھا کہ اگر پیسے کمزور ہوتے تو اس کے ناپاک خون کی چھینٹیں سارے لدھیانہ کو ناپاک کر دیتیں۔

اس فتویٰ پر کافی ہنگامہ ہوا۔ غیر مقلد حضرات خاص کر مولوی محمد حسین بٹالوی نے علمائے لدھیانہ کے خلاف دجال قادیان کی بڑی حمایت کی، لیکن یہ مختصر گروہ کبھی کیا سکتا تھا۔ سیلاب میں دریا کے بند خش و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ علمائے لدھیانہ کا فیصلہ دجال قادیان پر ایک بوجھل پتھر کی طرح گرے گا کہ اس کے دماغ کی چولیس ہل گئیں۔

مسلمان عوام تذبذب میں پڑ گئے، علمائے دین کی موج نئے زادیوں سے کفر کی اس ابھرتی ہوئی تحریک پر فکر کرنے لگی، اس کے نتیجے میں دجال قادیان پر اعتراضات کی وہ بوجھاڑ ہوتی کہ اس کے اپنے گماشتے رسیاں توڑنے لگے، اس موقع پر ابلیس نے اپنے جالین کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ جھوٹ کو اپنے نزدیک سچائی سمجھنے لگا، یعنی ۵ نومبر

۱۹۰۱ء کو دجال قادیان نے ایک اشتہار شائع کیا عنوان تھا

”ایک غلطی کا ازالہ“

ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ ہی وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنی معلومات کی تکمیل کر سکے۔ وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے اس لئے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے چنانچہ چند روز ہوئے کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا، حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صد بار دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ اس وقت تو پہلے زمانہ کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں اور براہین احمدیہ میں بھی جس کو طبع ہوتے باتیں برس ہوتے یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ مکالمات الہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک وحی اللہ ہے۔

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله (دیکھو صفحہ ۴۹۸ براہین احمدیہ) اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسی کتاب میں مری نسبت

یوحی اللہ ہے جو ہی اللہ فی حلال الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے
 حلوں میں دیکھو براہین صفحہ ۵۰۲۔ پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے
 قریب ہی یہ وحی اللہ ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء
 علی الکفار رحماء بینہم اس وحی الہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول
 بھی۔ پھر یہ وحی اللہ ہے جو صفحہ ۵۵۷ براہین میں درج ہے "دنیا میں
 ایک نذیر آیا اس کی دوسری قرأت یہ ہے کہ دنیا میں ایک نبی آیا اسی
 طرح براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد
 کیا گیا، سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین
 ہیں۔ پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح آسکتے ہیں اس کا جواب
 یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی نبی نیا ہو یا پُرانا نہیں
 آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری
 زمانے میں اتارتے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو نبی بھی مانتے ہیں بلکہ
 چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوت کا جاری رہنا اور آنحضرت سے بھی بڑھ
 جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ تو معصیت
 ہے اور آیت دلکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث
 لانبی بعدی اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل
 شہادت ہے لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم
 اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا دلکن رسول اللہ
 خاتم النبیین اور اس آیت میں ایک پیشگوئی ہے جس کی ہمارے
 مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے
 قیامت تک بند کر دیئے گئے اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہند دیا
 بیہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت

کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر پوری طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لئے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اس کے جلال بکھلتے اس لئے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمدؐ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ محمد کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی گو بروزی طور پر مگر کسی اور کو پس یہ آیت کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اس کے معنی یہ ہیں کہ، پس محمدؐ اباً احد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبیین ولا سبیل الی فیوض الله من غیر تو سطر غرض میری نبوت اور رسالت اعتبار محمدؐ اور احمدؐ ہونے کے ہے نہ میرے نفس کے روح سے۔ اور یہ نام بحیثیت خافی الرسول مجھے ملا۔ لہذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا۔ لیکن عیسیٰ کے اترنے سے ضرور فرق آئے گا + + + اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدی سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں

کرتا x x اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام
 محمد اور احمد رکھ لیا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار
 دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے
 میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ
 نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس اس طور
 سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
 محمد تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہا،
 نہ اور کوئی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں
 اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی معہ نبوت محمدیہ کے میرے
 آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے
 علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا x x x غرض خاتم النبیین کا لفظ ایک
 الہی مہر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر لگ گئی ہے اب
 ممکن نہیں کہ کبھی مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجلیں
 اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار
 کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا،
 جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، 'واخرین منهم لما یلحقوا بہم اور
 انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ انہی کی صورت
 اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت ہوتی ہے پس
 جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت
 اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے مجھے بروزی
 صورت نے نبی اور رسول بتایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار
 میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں

میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی غلام سے میرا نام محمدؐ اور احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔
(خاکار مرزا غلام احمد از قادیاں۔ ۵ نومبر ۱۹۰۱ء)

موت و فکر کی پرورش میں قلب و نظر ہمیشہ انسان کے معاون ہوتے ہیں بشرط یہ ہے کہ ان پر غیر کی غلامی کی مہر نہ ہو اول جنگِ حریت میں شکست کے بعد انگریز کے تشدد نے مسلمان سے خصوصاً مذہبی حیثیت تہذیب و تمدن ایسی ہر چیز چھین لی تھی ہی اناشہ حیات ہے جو قوموں کو زندہ رکھتا ہے غیرت بھی انہیں ذرا متع سے باقی رہتی ہے۔

جس مذہب کی فقہ میں انسان کو انسان کا غلام رکھنے کا تصور تک نہیں تھا تہذیبِ یورپ نے اس مذہب کے لوگوں کو اس بُری طرح غلام بنایا کہ زنجیر کی ہر کڑی مذہب بن کر رہ گئی۔ مال کار بر صغیر کا مسلمان اپنے مردہ ضمیر کی میاں کھیلوں کا سہارا تلاش کرنے لگا۔

فاتح نے مفتوح کو اس کی ہر چیز سے بیگانہ کر دیا۔ ذوقِ یقین ہی زندگی کا احساس ہے لیکن غلام کا ذوق اپنی غلامی کے سانچے آپ ڈھالتا ہے۔ یہیں سے یقین اپنا مقام چھوڑ جاتا ہے۔ جب یقین پختہ نہ ہو تو ذوق بھی خام ہو جاتا ہے۔

اس عرصہ میں انگریز برصغیر پر پوری طرح قابض ہو چکا تھا۔ دنیاوی رسم و رواج سے اقوامِ ہند کے مذاہب تک تہذیبِ یورپ کی چھاپ لگ چکی تھی۔ داعیانِ مذاہبِ انسانیت کے اصول چھوڑ کر مذاہب کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ مسجد سے ملاں اور مندر سے برہمن کھدا کی سیڑھیوں پر اپنے کو ستے دامنوں فردخت کرنے لگے غیر ملکی سوداگر اس بازار کا سب سے بڑا

خریدار تھا۔

یہ دور تھا جب پنجاب کا مسلمان دوحصوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ سرکاری خطابیہ مسلمان انگریز کا پنجبہ شمشیر زن بن کر غیرت انسانی کو سرعام نیلام کر رہا تھا۔ دوسری طرف کا مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود سُنی، شیعہ اور وہابیت کی الگ الگ ایٹیموں پر اسلام کے حقے بکھرے کر رہا تھا۔ نام نہاد علما ایٹیموں کے اداکار کی حیثیت سے سامنے آئے اور لگے اپنے جیب و داماں کو بوجھل کرنے اسی دور کے ایک معروف واعظ کا یہ قول بڑا مشہور ہوا۔

..... دین پیائے دا۔ نہ پتراں دا نہ دھییاں دا !

نہ سُنیاں دا، نہ شیعیاں دا، اسے ہے روپیاں نہیاں دا

یعنی میری فیس صرف بیس روپے ہے، چلے ہے سُنی میری وعظ کرالیں چلے ہے شیعہ اور

چاہے وہابی۔

اُن دنوں کے بیس روپے آج کے ہزار روپے کے برابر تھے جب کہ آج کا واعظ بہت ہنگامہ ہے اس قسم کے سستے واعظوں کے جہوم نے اسلام کی مذہبی برابری کو بُری طرح گد لاکیا۔ اہلسنت، اہلحدیث سے دست دگر بیان تھے۔ اہل تشیع دوزلوں کو چیلنج کر رہے تھے۔ آپس کی اس ہاتھ پائی میں عیسیٰ مسیح کی بھیڑیں (پادری) اپنا چارہ تلاش کر رہی تھیں۔

جب کسان اپنے کھیت کی حفاظت کی بجائے باہم لٹھ و لٹھ ہوں پھر سوروں کے ریوڑھ کھیت کو دیران کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے اس ٹکھاؤ سے فائدہ اٹھا کر دجال قادیان کی امت (مرزائی) بھی اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہوتے اس بھیڑ میں شریک ہو گئی۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا جیسے ایک حکایت ہے۔

”چار گھوڑ سوار کہیں جا رہے تھے کہ ایک راہگیر نے پوچھا۔ آپ کہاں

جا رہے ہیں برابر سے ایک گدھے پر سوار جھٹ سے بولا۔ ہم پانچوں

سوار دہلی جا رہے ہیں “
گویا گدھا بھی گھوڑوں میں شمار ہونے لگا۔

ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ
”موسم گرما میں گھر کے لوگ صحن میں بیٹھے کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔
کہ چوروں کو کسی طرح اس جھگڑے کا پتہ چل گیا انہوں نے لڑائی سے
نائدہ اٹھاتے ہوئے گھر کی کھلی دیوار میں نقب لگا کر تمام مال و اسباب
لوٹ لیا۔“

اسی طرح علمائے دین کے محض فروعی اختلاف کے جھگڑوں سے دجال قادیان کی
امت کو حوصلہ ہوا کہ وہ اپنے کو پانچوں سواروں میں شامل کرے، ملاکی لڑائی میں مرزائی
نقب زن اس انداز سے اسلام کے صحن میں آئے کہ اہل خانہ کو چوروں کا پتہ نہ چل سکا۔
اپنوں سے جھگڑنے کی عادت نے پراؤں سے لڑائی کا بھی وہی طریق اختیار کیا، جو
رداج پاچکا تھا۔ یہی موڑ ہے جب مسلمان عوام سُستی، دہابی اور شیعوں کی طرح مرزائیوں
کو بھی اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے لگے حالانکہ جب دجال قادیان نے کھلم کھلا اعلان
کر دیا کہ،

”خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہے اس میں ایسے

لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صد ہا دفعہ“

اس واضح کفریہ اور دجالانہ اعلان کے بعد دجالی کے پیروں کا اسلام سے دور کا بھی
تعلق نہ رہا جیسے میلہ کذاب کو نبی یا رسول ماننے والے اسلام سے لا تعلق ہو گئے تھے
اسی طرح دجال قادیان مرزا غلام احمد کے مدعی نبوت ہونے کے بعد اس کے مزید بھی
مسلمان نہیں رہے کیونکہ پیغمبر کے وجود سے امت کا وجود قائم ہوتا ہے اگر اس میں
بنیادی تبدیلی آجاتے تو یہ عمارت قائم نہیں رہتی۔

اسلام کا یہ بنیادی مسئلہ تھا جسے علمائے دین باحسن طریق سمجھ سکتے تھے کہ حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: **اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي**

خاتم الانبیاء (صلعم) کی اس تائید میں خالق کائنات نے فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ

(ارشاد باری تعالیٰ)

اس شرعی حجت کے بعد علماء کا یہ حق تھا کہ اوّل تو دجال قادیان اسی سلوک کا حقدار تھا جو سلوک حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب سے کیا تھا اگر اس کی ہمت نہیں تھی تو وہ باطل نبوت کے دعویدار سے اُسی طرح کی نفرت کا اظہار کرتے جس طرح خاتم الانبیاء (صلعم) نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اسود عسنی یا مسیلمہ کذاب سے کیا تھا لیکن الثّانیہ دجال قادیان سے اس کے نبی یا رسول ہونے کی دلیلیں مانگئے گئے۔ حالانکہ امام ابو حنیفہؒ نے صاف طور پر کہا کہ

”کسی مدعی نبوت سے اس کے سچا ہونے کی دلیل مانگنا بھی عقیدہ

ختم نبوت سے انکار کے مترادف ہے۔“

دجال قادیان مرزا غلام احمد مدعی نبوت ہونے
باعث شرعی اعتبار سے مرتد ہو چکا تھا لہذا شریعت
نے مرتد کی کیا سزا مقرر کی اس پر حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
اپنے رسالہ ”الشہاب“ میں لکھتے ہیں

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات
ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی فراگنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق، نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے اُن کے بیدریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون

کی غلامی سے نجات دی اور فرعونوں کی دلت کا مالک بنا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پھڑپھڑے ہوئے وعدہ کے موافق حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذت مناجات میں گذاریں اور تورات شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور اُدھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا واصلہم اساموی یعنی سونے چاندی کا ایک بچھا بنا کر کھڑا کر دیا جس میں سے کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کئی صدی تک مصری بُت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بیودہ درخواست کی تھی کہ:-

اجعل لنا الہا کما لہم الہتہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسے اُن کے معبود ہیں وہ سامری کے اس بچھڑے پر مفتون ہو گئے اور یہاں تک کہہ گئے کہ گندے کہہ ہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر اُدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر و ارتداد سے باز آ جانے کی ہدایت کی:-

یا قوم انما قسّمہ دان ربکم الرحمن فاتبعونی واطیعوا امری -
اے لوگو! تم اس بچھڑے کے سبب فتنہ میں ڈال دیتے گئے ہو۔
حالانکہ تمہارا پروردگار (تمہارا) رحمان ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔

لیکن وہ اپنی اُسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ
لن نبرح علیہ عاکفین حتی یرجع الینا موسیٰ! ہم برابر اپنے اس فعل پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف واپس آئیں۔

اُدھر حضرت موسیٰ کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں بھرے ہوئے آتے اپنی قوم کو سخت سُست کہا حضرت ہارون سے بھی باز پرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا اور اُن کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر راکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔ یہ سب ہوا لیکن اُن مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی تو دُنیا میں تو اُن کے لئے خدا کا فیصلہ یہ تھا :-

اِنَّ الدِّينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيِّئًا لَّهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۔

جنہوں نے بھڑے کو معبود بنایا ضرور اُن کو دُنیا میں ذلت اور خدا کا غضب پہنچ کر رہے گا اور مفتترین کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ۔
اور اس غضب و ذلت کے اظہار کی صورت عبادِ عجل کے حق میں یہ تجویز ہوتی جو سورہ بقرہ میں ہے ۔

اَنْكُم ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا اِلٰى بَادِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اے قوم بنی اسرائیل تم نے بھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اب خدا کی طرف رجوع کرو پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو ۔

اور قاتلوا انفسکم میں انفسکم کے معنی وہ ہی ہیں جو تم انتم ہُوْا لَا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ میں ہیں اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنی سے (جو ہر طرح کے قتل کو خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں بلکہ غضب اور ذلّت فی الحیوۃ الدنیا کا لفظ اس کے نہایت ہی مناسب ہے اور یہی غضب کا لفظ دوسری جگہ عام مرتدین کے حق میں بھی آیا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ الْاَمِنْ اَكْرَهٌ وَقَلْبُهٗ مَطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَهُمْ مَذٰبِقٌ عَظِيْمٌ (نحل)

اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں

فدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سلمنے قتل کئے گئے اور صورت یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بھڑکے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز و اقارب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے قاتلین کا اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ارتداد سے روکنے میں کیوں تباہل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ | خصوصاً جب کہ دوسری آیات کی معیت میں خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام و تام فیصلہ بھی لتبیتن للناس
ما نزل ایسہ کے تحت میں داخل ہے) یہ ہی ہو کہ
من بدل دینہ فاقتلوه (صحیح بخاری) جو اپنا دین بدلے اُسے قتل کر دو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فیصلہ

عن عكرمة قال أتى علي بن ربيعة فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس
فقال لو كنت انا لم اُخْرِ قِصَمَ لَنَهِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا تَعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللَّهِ وَلَقَتْنَهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
من بدل دینہ فاقتلوه (صحیح بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زنادقہ لائے گئے انہوں نے
ان کو جلا دیا۔ یہ خبر ابن عباس کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا
تو ان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جو اپنا دین تبدیل کرے اُسے قتل کر دو۔

قتل مرتد کا فیصلہ اجماع ائمہ الاسلام سے

قرآن و سنت کے بعد تمام ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ تھا قتل مرتد کے متعلق سن لیجئے
امام عبدالوہاب شمرانی عین الزمان کبرائے میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اتفق الائمہ علی ان من ارتد عن الاسلام وجب قتلہ و علی ان
قتل الزندق واجب وهو الذی یكفر و یطأہر بالاسلام (میزان ۲۲۰)
اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے
یا زندق ہو اس کا قتل ہو اس کا قتل واجب ہے اور زندق وہ ہے جو
اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے مظاہرہ کرتا ہے۔
اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے :-

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدٰی و یتبع غیر بیل
المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم و یدببات مصیرا
اور جس کسی نے رسول کی مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد
اور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلا تو ہم اس کو
حوالے کریں گے اس چیز سے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں
گے دوزخ میں اور وہ بڑا ٹھکانہ ہے۔

●
مہاجر بن ابی امیہ کے سامنے مختلف اوقات میں دو ڈوبنیاں لائی گئیں۔
ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی میں شعر گائے تھے دوسری
نے مسلمانوں کی مذمت میں۔ مہاجر نے پہلی کا ہاتھ کٹوا دیا اور سامنے
کے دانت اکھڑا دیئے۔ ابو بکرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے یہ مراسلہ
بھیجا۔

مجھے اس سزا کا علم ہوا جو تم نے رسول اللہ کی برائی میں شعر گانے والی

عورت کو دی ہے اگر تم یہ سزا نہ دے چکے ہو تے تو میں یقیناً تمہیں اس کے قتل کا حکم دیتا۔ انبیاء کے خلاف مجرم کی سزاعام لوگوں کے خلاف جرم کی سزا کے برابر نہیں اگر کوئی مسلمان نبی کی توہین و تنقیص کرے گا تو اس کو مرتد کی سزا دی جائے گی اور اگر کوئی معاہدہ ایسا کرے تو اس کے معنی ہوں گے کہ اس نے عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

سیف بن عمر طبری ۲۷۷/۳

نابینا صحابی کا واقعہ

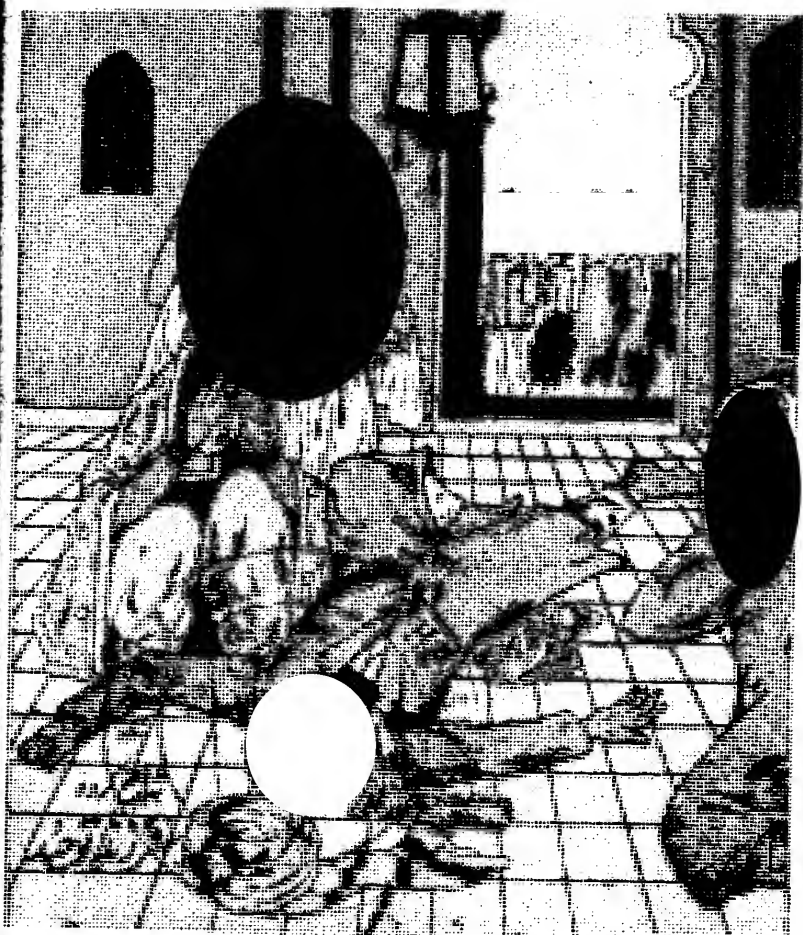
نابینا صحابی نے اپنی لونڈی کو چھڑا گھونپ کر ہلاک کر دیا اس کا مجرم یہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ حضور کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ سب گواہ رہو۔ ام ولد کا خون رائیگاں ہے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(کتاب الحدود)۔ ابو داؤد

ان سب کے باوجود محراب و منبر کے وارثوں نے اسلام کے اس اہم اور بنیادی مسئلہ کو کاروباری منہج پر ملک بھر میں مسائل کی لڑائی شروع کر دی شہروں دیہاتوں اور قصبوں میں دجال قادیان سے مناظروں اور مباہلوں کے عوامی اجتماعات میں دجال قادیان کو چیلنج کرنے لگے کہ تم کس طرح نبی یا رسول ہو؟

یہ بحث دلوں اور دماغوں میں گشت کر رہی تھی کہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو دجال قادیان (مرزا غلام احمد) لاہور میں ہیضہ کی بیماری سے داخل جہنم ہوا۔

خس کم جہاں پاک



دجال قادیان (مرزا غلام احمد) کی موت کا منظر

غلاموں کے نزدیک جاکمان وقت کا منشا ہی سارا کچھ ہوتا ہے۔ وہ کانٹوں کو پھول کہیں یا ملع کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو غلام کی مجال نہیں کہ انہیں جھٹلا سکے۔ انسان کا سب سے بڑا زیور اس کی غیرت ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہب کی چادر دیواری بھی اسے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

غلامی کی زنجیریں جس قدر تیزی سے مضبوط ہوتی گئیں، برصغیر کے مسلمان کی چادرِ حقیقت اُسی تیزی سے تار تار ہوتی گئی۔

۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت میں علمائے جس عظیم کردار کا مظاہرہ کیا تھا انگریز نے اپنی حکمتِ عملی اور سیاسی عیاری سے تاریخ کا یہ ورق اس طرح غائب کیا کہ مؤرخ کو بھی حیرات نہ ہو سکی کہ تاریخ کے اس خلا کو پُر کرے۔

دیکھنے میں یہ ہاتھ غیر کے نہیں تھے لیکن ان کی حرکات پر غیر کا قبضہ تھا۔ اچھی بھلی تصویر کارنگ دردغ غراب کر دیا، اس کی تمام تر ذمہ داری جن لوگوں پر تھی اُن میں دجال قادیان بھی شامل ہے جس نے اسلام کے اہم رکن جہاد کی نفی کر کے ایک طرف انگریز کی ذمہ داری کا دم بھرا تو دوسری طرف مسلمان کے ہاتھ سے باطل کے مقابلے میں تلوار چھین کر اسے بے دست و پا اور تن آسان بنا دیا۔

میدانِ کارزار تو الگ رہا، تن آسان اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ غیر ملکی حکمرانوں کو ایسے ہی مسلمان کی ضرورت تھی۔

دجال قادیان کی موت کے بعد ایمانِ مطہین تھا کہ ابلیس کا **دجال کا خلیفہ** تختِ خالی ہو گیا، اب اسلام کے اتق پر سچائی کے سورج کے طلوع ہونے میں ابلیسی بادل کا کوئی ٹکڑا رکاوٹ نہیں بنے گا لیکن نہیں۔

۔ . . . کی کمی نہیں غالب

ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں،

یہ شعر غالب کا ہو یا نہ لیکن حقیقت یہی ہے کہ فرنگی استعمار کو ضرورت تھی کہ تختِ ابلیس خالی نہ رہے چنانچہ غلام احمد کی موت کے بعد اس تخت پر بھیرہ (ضلع سرگودھا) کے ایک حجام حکیم نور الدین کو بٹھا دیا گیا، مگر ۲۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو گھوڑے سے گر کر اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور یہ جہنمِ داخل ہوا۔

مردی قوت اس کا معروف نسخہ تھا۔ یہ فارسی زبان جانتا تھا۔ اس وقت کی اردو جوابِ متروک ہو چکی ہے، کا بھی ماہر تھا۔ بنا بریں یہ حقیقت ہے کہ دجال قادیان کی جھوٹی نبوت کے اشتہارات اور کتابیں بڑی حد تک اسی کے قلم کا نتیجہ ہیں۔

تخت سنبھالتے ہی جانشین دجال نے
اپنے استاد کے کان کترنے شروع کر دیئے
شیطنیت کے ایسے طریقہ ایجاد کئے کہ ابلیس
ششدر رہ گیا۔ اس کے بعد دجال قادیان
کا بیٹا بشیر الدین محمود باپ کی گدی پر بیٹھا۔
مناظروں اور مباحثوں میں مزید تیزی
آگئی۔ دین سے عدم واقفیت کی بنا پر اجتماع
امت مرزائیوں کے باہم مذہبی مباحثوں
سے کسی فیصلے پر پہنچنے کی بجائے حق اور باطل
کے درمیان پر آن کھڑا ہوا۔ انگریز جو نزدیک



حکیم نور الدین

سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا اس ڈور کو مزید مانجھا لگاتے ہوئے دجالیت کی
نشر و اشاعت میں اخبارات و رسائل کو کھلی چھٹی دے دی، چنانچہ ان دلوں دجالیت
کے مرکز سے حسب ذیل اخبارات اور رسائل جاری ہوئے۔

الفضل، اخبار فاروق، نور الحکم، زنانه اخبار مصباح، انگریزی اخبار ”سن رائزر“
اور رسالہ ریلو آف میسجز اور اردو انگریزی میں شائع ہونے لگے۔

اس طرح حلقہ دجالیت میں آنے والوں کو سرکاری نوکریاں بھی ملنے لگیں۔
قادیانی جنت کی حوریں اپنی عصمتوں کا سودا ایمان کے بھاد چکانے لگیں۔

گندہ اور ناپاک خون مان کی کوکھ بھی خراب
کر دیتا ہے۔

دجال قادیان کا دوسرا جانشین

دجال کا دوسرا جانشین اس کا بیٹا

بشیر الدین محمود

بشیر الدین محمود تھا۔ بیٹے کو سمجھنے سے

پہلے باپ کا چلن اور کردار جاننا ضروری ہے، کیونکہ پھل اپنے درخت
سے پہچانا جاتا ہے۔

جس خاندان کو ابستد ہے
ڈاکٹر شاہنواز مرزائی کا بیان (مراق) ہو چکی ہو تو پھر اگلی نسل میں

بے شک یہ مرض منتقل ہوتی ہے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا
 کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔

رسالہ ریویو آف ریلیجیوس جیلڈ پمپس ۲۵، اگست ۱۹۲۶ء

حضرت مسیح الموعود علیہ السلام ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کبھی کبھار
 زنا کر لیتے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب (مرزا غلام احمد) ولی اللہ تھے۔ انہوں نے
 کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمیں اعتراض تو
 موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔
 اخبار الفضل ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء

حکیم نور دین کا بیان | میں نے ایک دن حضرت مسیح الموعود
 علیہ السلام سے کہا کہ حضور کو مراق ہے
 تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک رنگ میں سب نبیوں کو
 مراق ہوتا ہے اور مجھ کو بھی۔ یہ طبیعتوں کی مناسبت ہے۔
 سیرت المہدی حصہ سوم ص ۳۰

میں نے (بشیر الدین محمود) ردیا دیکھا کہ :-
 "ایک بڑا جھوم ہے۔ میں اس میں بیٹھا ہوں اور ایک دو
 غیر احمدی میرے پاس بیٹھے ہیں ان میں سے ایک شخص جو
 سامنے کی طرف بیٹھا تھا اس نے آہستہ آہستہ میرا آزار بند پکڑ کر گرہ

کھولنی چاہی۔ میں نے سمجھا تھا کہ اس کا ہاتھ اتفاقاً لگا ہے اور میں نے آزار بند پکڑ کر اپنی جگہ پر اٹکالیا۔ پھر دوبارہ اس نے ایسی ہی حرکت کی اور میں نے پھر ہی سمجھا کہ اتفاقاً ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ پھر اس نے ایسا ہی کیا تب مجھے اس کی بدنیتی پر شبہ ہوا اور میں نے رد کا نہیں جب تک کہ میں نے دیکھ نہ لیا کہ وہ بُرا ارادہ کر رہا ہے۔

اخبار الفضل ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء



جب میں (ابشر الدین محمود) ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں۔ مگر قیام انگلستان کے دوران میں مجھے موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آتے تو میں نے چودھری سرفراز اللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھاتیں کہ جہاں یورپین سوسائٹی عربیانی سے نظر آتے۔

چودھری سرفراز اللہ خاں صاحب بھی فرانس سے واقف نہ تھے۔ مگر مجھے ادپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ادپیرا سینما کو کہتے ہیں چودھری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

”میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لئے دور کی چیز اچھی طرح سے دیکھ نہیں سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا۔ کیا یہ ننگی ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ ننگی نہیں ہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوتے ہیں مگر باد جو داس کے وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں۔

الفضل ۸ جنوری ۱۹۳۷ء

جو شخص مراق کا مریض ہوگا منشیات اور زنا کار سیا ہوگا اس کی اولاد نیک اور صالح کیونکر ہوگی۔ ببول کے درخت پر کانٹے نہیں ہوں گے تو کیا گلاب ہوگا؟ بہر حال یہ ہے دجال قادیان کا دوسرا جانشین جو باپ کی شیطیت کو آگے بڑھاتے گا۔

پنجاب کا مسلمان اور دجالیت

تاریخ کا پھندا کوئی صیاد لگا دے یہ سانچہ نشن سے اترتا ہے بہت جلد (اقبال) شکار جاں پر لپکتے وقت انجام سے بے خبر ہوتا ہے کہیں اگر دانہ اور دام ہم رنگ ہوں تو شکار بڑی طرح مار کھا جاتا ہے۔ دونوں کے ٹھکراؤ کا بھی یہی حال ہے۔ شکار نظریں کرتی ہیں اور پھنس جاتا ہے دل۔ اس فساد کے نتیجے میں عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر آدمی کبھی چناب کے کنارے آ بیٹھا ہے کبھی جنگل و بیلا کی خاک چھانتا ہے۔ کبھی تپتی ہوئی ریت پر پاؤں کے آبلوں سے رستے ہوئے خون سے محبوب کا پتہ پوچھتا ہے اور کبھی بانسری کی لے پر دیوانہ وار گاتا پھرتا ہے۔

ہے رانوں منج منج یار نوں منانا پے گیا

مگر دجال قادیان کے مرکز ”شہر سدوم“ (قادیان) میں ایسی کوئی مشکل نہیں تھی۔ یہاں شکار خود نوکِ مرگاں سے آراستہ شکاری کی تلاش میں آہوئے آوارہ کی طرح اٹھکیلیاں کرتا پھرتا ہے جب یہ سماں ہو کہ حسن خود عشق سے کہے تھوڑی سی پی میرے لئے تو پھر انکار کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔

لوکری اور چھوکر کی رعایت اور حکومت کی نظر عنایت سے یہ شراب دو آتشہ ہو رہی تھی ایسے میں شب زندہ دار تقویٰ کی چادر میں لپیٹ کر نرم نشاط کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کی پانچ بٹیاں جو عقاب خداوندی سے تباہ ہوئیں۔ سدوم نامی بستی بھی انہیں میں سے ایک تھی۔

ان دنوں مرزائی اور مسلمان علما کے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ فوت ہو چکے ہیں (لغوباً اللہ) لہذا مرزا غلام احمد قادیانی آسمان سے مسیح بن کر اترے ہیں۔ دجال قادیان کے دلال اس پر اپنا زور بیان صرف کر رہے تھے۔ مقابل میں علما دجن میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد بخش مسلم لاہور، مولانا محمد عبداللہ معمار اور مولانا حبیب اللہ کلرک امرتسری جو ان دنوں پنجاب میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ کہتے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ مرزائی، نہیں وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اس مسئلے پر دونوں طرف کے دلائل سن کر مسلمان کبھی مسکرا دیتے کبھی دذلوں کو بُرا بھلا کہتے۔ ان اکھاڑوں کے قیام کا طریقہ کچھ اس طرح سے تھا۔

امرتسریں حضرت مولانا ثناء اللہ محلہ کٹڑہ سفید ڈھاب کھٹیکاں میں ہر روز نمازِ عشا کے بعد دوا شلیج لگتے، ایک پر مرزائی آ بیٹھتے دوسری طرف مولانا ثناء اللہ براجمان ہوتے، اس اجتماع کی منادی دن بھر شہر میں ہوتی کہ ”آج شام مولانا ثناء اللہ مرزائیوں سے حیاتِ مسیح پر مناظرہ کریں گے۔“

گرمی کا موسم ہوتا کچھ لوگ تو محض ہوا خوری کے لئے میدان میں آ بیٹھتے اور کچھ مولویوں کی لڑائی دیکھنے اور سننے کو جمع ہو جاتے۔ دواڑھائی گھنٹے آئے سامنے کبھی ہنسی مذاق ہوتا اور کبھی قرآن و حدیث کی بارش۔ آخر بغیر کسی نتیجے کے یہ اکھاڑہ بکھر جاتا۔

اختتام پر مولانا ثناء اللہ اعلان کرتے،

بھائیو! اس مسئلے کی کتاب دو آنے کی اُس تخت پوش سے ملے

گی۔ دوسری طرف سے مرزائی بھی اعلان کرتے۔

”حضرات! ہمارا لٹریچر بھی برابر کے تخت پوش پر پڑا ہے۔ ساتھ

ہی مولانا ثناء اللہ فرماتے۔

”حضرات! مرزائی ہمارے بھائی ہیں، یہ رات میرے ہاں قیام

کریں گے۔“

پنجاب میں اسی طرح کی ہنگامہ آرائی مناظرے وغیرہ شروع تھے اس پر دونوں کی کتابیں خوب بکیتیں اور کتب فروشی کا بازار کتنی برس تک گرم رہا جس کے نتیجے میں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان نوکری اور چھو کری میسٹریں ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے دل سے کفر کی تائید کی یا نہیں لیکن اسلام سے دور چلا گیا۔

”تیکو نہ میکو چولے میں جھونکو“

اس طرح ایک طرف علمائے دکانیں چمکیں تو دوسری طرف شہر سدوم (قادیان) کی رونق بڑھی۔

سونچ و فکر، نیکی اور بدی میں امتیاز، راستے

دجالیت کا مرکز (قادیان) | کے نشیب و فراز، اندھیرے اور اُجلے میں

فرق، یہ سب چیزیں انسان کو اللہ کی باقی مخلوق سے الگ کرتی ہیں۔

ماں کے پیٹ سے قبر کی لمب تک کے سفر میں مذہب کی پگڈنڈی اہم معاون ہوتی ہے۔ مذہب ایک عقیدہ ہی نہیں ضابطہ حیات بھی ہے یہی دتادیز ہے جو انسان کے نامہ اعمال کی شاہد ہے اس کی گرہ جس قدر مضبوط ہوگی، دائرِ حشر میں اسی قدر فائدہ ہوگا۔

علمائے دین نے عقیدہ ختم نبوت سے ہٹ کر مرزائیوں سے جوڑائی لڑی اس پر سنجیدگی تھی اور نہ ہی اس اہم مسئلے کی اہمیت کا فرما تھی۔ بیشتر سے شیعہ سُستی الحمدیث کا جھگڑا جس اطوار سے ان لوگوں نے پھیل کر رکھا تھا وہ دجال قادیان کے موقف اور اس کے پس منظر کو سمجھے بغیر محض مرزائیوں سے فروعی اختلاف سمجھ کر مناظرہ بازی میں الجھ رہے حالانکہ دجال قادیان نے اپنی شعبہ بازی جتاتے ہوئے بار بار کہا۔

”میرے آنے سے مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک

ہو گیا ہے اب تازہ دودھ قادیان میں میسر ہے“

اس پر بھی ان حضرات کا خیال اصل مسئلے کی بجائے ذاتی منفعت اور کڑاہی

گوشت کی طرف رہا۔ سادہ لوح مسلمان تازہ دودھ خریدنے قادیان جانا شروع ہو گئے۔
مرزاہیوں نے نووارد مسلمانوں کا ہر تپاک خیر مقدم کیا۔ اپنے کو انصار اور انہیں مہاجر
سمجھ کر ان کی رہائش کے لئے قادیان میں مفت زمینیں دے دیں کہ وہ ان پر مکان
تعمیر کر لیں۔ اسی طرح دونوں وقت کی خوراک بھی قادیان کے لنگر سے آنے لگی۔

۱۔ مہاجروں کا درجہ ملا۔

۲۔ رہائش اور خوراک مفت میسر آئی۔

۳۔ سرکاری نوکری اور بیوی ملی۔

یہ چیزیں جب کسی محنت کے بغیر میسر آئیں تو کون باؤلا ہے جو کوئی دھندہ
کرے۔ ان کی دیکھا دیکھی اپنا مال و اسباب بیچ کر بال بچوں سمیت سینکڑوں لوگ
قادیان کا رخ کرنے لگے۔ کچھ دنوں تو میریان اور مہمانوں کے تعلقات بہت
خوشگوار رہے، ہنسی خوشی وقت گزرتا رہا، مہم مجلسیں جتیں، کوئی کاروبار نہیں تھا
دونوں وقت کا کھانا لنگر سے آ جانا اس طرح دن گذرتے گئے۔

قادیان بٹالہ سے قریباً بارہ میل دریا تے بیاس کے کنارے ایک معمولی
قصبہ تھا۔ ان دنوں ریل گاڑی کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ سڑک بھی پختہ نہیں
تھی لوگ پیدل سفر کرتے۔ پرانی وضع کے بمبوسٹ کی سواری بھی تھی۔ اس اعتبار
سے قادیان میں کاروبار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، کوئی تفریح گاہ بھی نہیں۔
سوائے دریا تے بیاس کے مگر وہ بھی کافی فاصلے پر تھا۔

ان واقعات اور حالات نے اُن لوگوں کو جو مکہ مدینہ کا دودھ چھوڑ قادیان
سے تازہ دودھ لینے آئے تھے، لنگر کی مفت روٹیاں کھاتے کھاتے تن آسان
ہو کر رہ گئے۔ مال کار اکثر لوگوں نے قادیان چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور مکان
فروخت کرنے کی سوچنے لگے، مگر مکان فروخت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ زمین جس
مکان تعمیر تھا۔ دجال قادیان کی ذاتی ملکیت تھی، البتہ کوئی جانا چلہے تو مکان کا ملکہ
اخذ کر لے جاتے۔

جب اس فیصلے کی اطلاع مرزائیوں کو ہوئی تو انہوں نے لنگر سے کھانا بند کر دیا۔ ادھر ان لوگوں کے پاس جو رقم تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔ اب جاتیں تو جاتیں کہاں۔ گھر کے رہے نہ کھاٹ کے۔

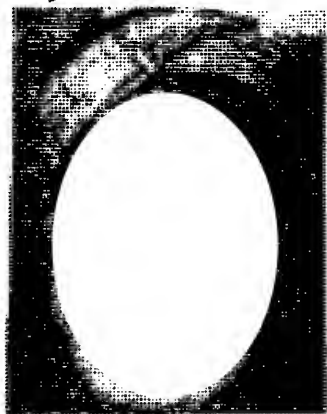
قاتوں پر نوبت آئی تو گھر کا سامان فروخت ہونے لگا مگر اس میں بھی انہیں ناامیدی نظر آئی کیونکہ کوئی خریدار نہیں۔

گندگی کے ڈھیر پر پھول ڈال دیتے جاتیں تو بھی گندگی گندگی ہی رہے گی، مگر پھولوں کا بانچس ضائع ہو جائے گا کوئی دیوانہ اگر ان پھولوں کو ظاہری نظروں سے دیکھ کر قریب آجائے گا تو اندر سے تعفن ہی آئے گی۔

حقیقت سے نا آشنا فریب خوردہ مسلمان جس عقیدت، محبت اور جذبے کے ساتھ گھر سے ہجرت کر کے قادیان پہنچے تھے، جب حقیقت سامنے آئی تو محبت نفرت میں بدلنے لگی، نام نہاد انصار اور مہاجرین کے رشتے میں دراڑ آنا شروع ہو گئی، جیسے جیسے یہ دراڑ وسیع ہوتی گئی پتیلی سے ملمع اترنا شروع ہو گیا۔ پھولوں تلے کی گندگی سراٹھ دینے لگی۔ شیطان کی سیرت و کردار قادیان کے کوپہ بازار میں تنگ ناچتے نظر آئے، گزرے ہوئے کل جو لوگ دجال قادیان کی مڑھی پر پھول لے کر آئے تھے آج جو توں کے ہار لئے کھڑے تھے۔

انسانوں کے درمیان زر اور زمین بناتے فاد
ٹھہرے ہیں لیکن حیوان ہمیشہ راتب پر رٹتے
ہیں خواہ ان کا ٹھکانہ ایک ہی شاخ پر کیوں
نہ ہو۔

حکیم نور الدین کے فی النار سکر ہونے
پر جہاں اور بہت کچھ ہوا (جس کی تفصیل آگے
آئے گی) وہاں مرتد مردار (غلام احمد کی لاش)
پر کرگسوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ ابن دجال اور



لاہور دجال مولوی محمد علی ایم، اسے،

مولوی محمد علی ایم اے لاہوری بھی کفر کی گدی کے گرد منڈلانے لگے حکیم نور الدین کا بیٹا بھی اسے اپنی وراثت سمجھ رہا تھا۔ اس بگڑم بازی میں کفر کی وراثت کفر کے وارثوں کو مل گئی، باطل کا دوسرا گروہ شکست کھا کر لاہور آ بیٹھا مگر اس پر بھی دونوں کے کفر یہ عقائد میں صرف اتنا فرق رہا، ایک قادیانی اور دوسرا لاہوری بن گیا۔

قمار بازوں میں گھیرا ہوا جواری اپنی بازی ہارنے کے کئی جواز ظاہر کرتا ہے۔ کبھی تماش کے پتوں میں ہیرا پھیری بتاتا ہے، کبھی کتابتے تماش نسی ہتی، کبھی جوآ خانہ کے منتظم کو ملزم ٹھہراتا ہے، دراصل اس طرح کے جیلے بہانوں سے وہ جوآ خانہ کے نظام پر خود قابض ہونے کی خواہش رکھتا ہے اور اس دوران جب شکست ہو جاتے تو اپنا جوآ خانہ الگ قائم کر لیتا ہے، یہی حال مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کا تھا۔

ابن دجال سے شکست کے بعد اس نے لاہور میں اپنا الگ اڈہ قائم کر لیا، چاہیے تو یہ تھا۔

۷۔ یلی جو چھوڑی ہے تو محل بھی چھوڑ دے

مگر نہیں اپنے استاد دجال قادیان کے تمام کفریہ اصول جوں کے توں قبول کھلتے۔

گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے لگے | مذہب کی سچائی اور اصول اپنی جگہ، لیکن انسان کے ذاتی چلن کو ضابطہ حیات میں بڑا دخل ہے، اگر اس میں کمی آجائے تو انسانیت کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

دجال قادیان کے اصولوں کی عمارت اسلام سے بغاوت پر استوار تھی۔ اس پر بھی اس کے کفر کی جانتیت مسلم رہی۔

عمر بن حشام (ابو جہل) کے کفر پر عرب کے پہاڑ بھی متنفر تھے، مگر

اس کے ذاتی کردار پر شاید کوئی انگلی اٹھی ہو۔ وہ میلہ کذاب کی طرح نبوت
 باطلہ کا دعویٰ نہیں تھا مگر اس پر بھی اپنے کفر پر اس قدر بوجھل رہا کہ
 میدان بدر میں جب اُسے قتل کرنے لگے تو کہا کہ
 "میری گردن ذرا نیچے سے کاٹنا۔ میں اپنے کفر یہ عقیدے
 کیے قبائل کا سردار ہوں۔"

کسی بادشاہ کے دربار میں کوئی بہرو پیا اجنبی کا روپ دھار کر گیا کہ شاید وہ بادشاہ
 کو فریب دینے میں کامیاب ہو جاتے گا اور اس پر اُسے انعام ملے گا لیکن بادشاہ
 نے اُسے پہچان لیا اس پر بہرو پتے نے کہا "اچھا پھر سہی" بادشاہ نے کہا "اگر تو
 مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تو میں تجھے بڑا مال دوں گا۔"
 اس پر مدت گزر گئی ایک دن ریاست میں کسی فقیر کی آمد کا عام چرچا ہوا
 لوگ ہجوم در ہجوم فقیر کی حاضری دینے لگے کالوں کان یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔
 وہ بھی اپنے وزیر اسمیت فقیر کی قدم بوسی کے لئے گیا۔ فقیر نے اس کے لئے
 دعا کی۔ بادشاہ نے رخصت ہوتے وقت فقیر کی خدمت میں ہیرے جواہرات
 پیش کئے لیکن فقیر نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 "بادشاہ! یہ سب تجھے مبارک ہوں۔ فقیر دنیاوی دولت سے
 بے نیاز ہے۔"

۷ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
 اس پر بادشاہ بہت خوش ہوا کہ یہ واقعی ولی اللہ ہے، اسے دنیاوی
 صلح نہیں یہ کہہ کر بادشاہ واپس جانے لگا تو فقیر نے آگے بڑھ کر کہا۔
 آداب بجا لاتا ہوں۔

"کیوں بادشاہ سلامت! آج تو آپ مجھے مان گئے۔
 حضور میں وہی بہرو پیا ہوں۔"

بادشاہ : ارے کم بخت تو ہے۔

فقیر : جی حضور ! لائیے میرا انعام۔

بادشاہ : پہلے یہ بتا۔ جب میں نے تجھے جواہرات دیئے تو تم نے قبول کیوں نہ کئے۔

فقیر : حضور، اس وقت میں فقر کے لباس میں تھا۔ اگر آپ کی دولت قبول کر لیتا تو فقر کا لباس ہمیشہ کے لئے بدنام ہو جاتا۔

دجال قادیان نے انگریز کی سازش کے تحت ذاتی اغراض کے لئے جوڑپ دھارا اس پر اگر وہ مخلص ہوتا تو مستقبل کا مورخ اسے صرف دجال و کذاب لکھتا مگر اس نے اپنے گندے کردار سے اپنے کفر کو بھی رُسوا کر لیا جیسے کہ قارئین ابھی پڑھ چکے ہیں۔

(زقل کفر، کفر نہ باشد) ”حضرت مسیح علیہ السلام“ دلی اللہ تھے اور دلی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں۔“

دجال قادیان نے اپنی گندگی سے لفظ دلی اللہ کو بھی گندہ کر دیا۔
 ۛ خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔

اور سنتے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کا بیان

حضرت ام المومنین نے ایک دن بتایا کہ حضرت صاحب (مرزا غلام احمد) کے ہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسماں بھانوتھی۔ وہ ایک رات جب کہ خوب سردی پڑ رہی تھی حضور کو دبانے بیٹھی چونکہ لحاف کے اوپر سے دبا رہی تھی اس لئے اس پر شبہ نہ ہو سکا کہ جس چیز کو میں دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے۔ تھوڑی

دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بھانوا آج بڑی سردی ہے ؟ بھانوں نے کہا۔
جی ! ہاں۔

تدے تے تو اڈیاں لتاں کھڑی دا نگوں ہوتیاں نے۔ (جی تو آپ
کی ٹانگیں کھڑی کی طرح ہو رہی ہیں)

(سیرت المہدی ص ۱۲)

نوٹ : سیرت المہدی کے مصنف نے بات صاف نہیں لکھی کہ بھانونا می عورت
نے لحاف کے اندر سے کیا چیز دبا رکھی تھی۔ ؟ (مصنف)
یہ شخص (دجال قادیان) اپنے دونوں پیش رو سیلمہ کذاب اور ابو جہل کے
کفر کی برابری بھی نہ کر سکا جب کہ اس ہر دو پتے سے بھی گھٹیا نکلا جس نے
فقر کے لباس کی لاج رکھتے ہوئے بادشاہ سے جواہرات لینے سے انکار کر دیا۔
یہ بڑے دجال کی حالت تھی۔ ابن دجال کی نسبت سن چکے بقول مرزائی آرگن
”الفضل“ قادیان ۱۳ اگست ۱۹۳۸ء
”ہمیں اعتراض تو موجودہ خلیفہ محمود احمد پر ہے، کیونکہ وہ ہر
روز زنا کرتا ہے“

”ایں خانہ ہمہ آفتاب است“

نیکی اس قدر جلدی نہیں پھیلتی جس قدر کہ بُرائی جلد رنگ پکڑتی ہے۔
کچھ دیر تو بُرائی کی میلی چادر پر سفید چادر کا گمان رہا، گندگی کے ڈھیر پر گم کردہ
راہ پھول چڑھاتے رہے اور ابن دجال کی بلاتیں لیتے رہے، قادیان کے
برہمن دیوتاؤں کی پوجا ہوتی رہی لیکن تابکہ۔ آخر مندر کے کلس کا لمع
اترنے لگا۔ فریب اور گناہ چار دیواری سے نکل کر قادیان کے کوچہ بازار میں
رسوائی کا علم لہرانے لگے، دجال قادیان کے اندرون خانہ سے نکلی ہوئی زنا کی
بدلوں نے سارے ماحول کو متعفن کر دیا۔ بنا بریں قادیان کا ہر گھر مشتبہ دکھائی دینے لگا۔

حکومت دجال کا پہلا باغی . (مولانا عبدالکریم (مباہلہ)

ۛ خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

قادیان کے راسپوٹین ابن دجال کے خانہ ساز آتین کے مطابق ہرنسی نوپلی
دلہن کی سہاگ رات کا ابن دجال کے بستر پر بسر ہونا ضروری تھا۔ اس دستور
پر کچھ دیر تقدس کی چادر پڑی رہی اگر کسی مظلوم نے یہ چادر اتارنا چاہی تو اس کی
کٹی تاویلین کر کے اپنے گناہوں کو چھپانے کی کوشش کی جاتی یس سے مولانا
عبدالکریم مباہلہ کی داستان شروع ہوتی ہے۔

مستری فضل کریم جالندھر سے نقل مکانی کر کے قادیان آباد ہوئے تھے انہوں
نے لوہارا کام شروع کیا۔ سویاں بنانے کی مشین انہیں کی ایجاد کر دہ ہے۔ نام نہاد
ہشتی مقبرہ کے قریب فضل کریم نے اپنا مکان تعمیر کیا اور یہیں ان کے ہاں
دولت کے عبدالکریم اور زاہد پیدا ہوئے۔ عبدالکریم نے تعلیم قادیان میں حاصل
کی اور قادیانی تبلیغ کے مبلغین میں شامل ہو کر مسلمانوں میں جھوٹی نبوت
کا پروپیگنڈا کرتے رہے اس طرح اسے ابن دجال کا قرب حاصل ہو گیا۔
عبدالکریم کا شمار کامیاب مرزائی مبلغ کے طور پر ہونے لگا۔ اسی دوران
مولانا عبدالکریم حلقوں میں امتیازی حیثیت حاصل کر چکے تھے کہ ان کی زندگی
میں ایک موڑ آیا کہ راستے کی تاریکی نے اُن کا مستقبل روشن کر دیا۔

مجاویوں کہ مولانا عبدالکریم کی ہمیشہ محترمہ سکینہ بیگم مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ
دجالی فرقہ کے صوبائی امیر کی اہلیہ تھیں۔ یہ محترمہ کسی کام کے لئے بیت الخلافت میں
گئیں۔ وہاں ابن دجال مرزا محمود نے اپنی گندی فطرت کے مطابق اُن کے ساتھ
زیادتی کا ارتکاب کیا۔ سکینہ بیگم نے یہ تمام واقعہ اپنے خاوند سے کہہ دیا۔

یہ ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے۔

اس موقع پر غیرت کا تقاضہ تھا کہ مرید پیر پر تین حرف بھیج کر ابلیس کے چنگل سے نکل آتا لیکن غیرت ایمان کا جزو ہے اگر ایمان ہی نہ ہو تو غیرت کہاں !
خاندانی کنجروں کے ہاں رواج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بیٹی کو بازار میں بٹھا دیتے ہیں مگر ہو کو اُس بازار کی ہوا تک سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ بھی غیرت کا ایک انداز ہے۔

اگر عمرہ سکینہ بیگم فطرتاً نیک نہ ہوتی تو ذلالت کے محل میں عیش کرتی، مگر اس کے شوہر نے بد فطرت پیر کے بہکاوے میں آکر اسے اس بڑی طرح جھکڑا ہوا تھا کہ ابلیس کے چنگل سے نکلنا مشکل ہو گیا اس کے آگے کی کہانی شفیق مرزا اپنی کتاب شہر سدوم کے صفحہ ۲۵ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

پیر پر تین حرف بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ثانی کے پاس پہنچا، پیر تو رنگ ماسٹر تھا اسے مریدوں کو نچلانے کا فن خوب آتا تھا اُس نے بڑی ”مخصوصیت“ سے کہا۔ مجھے خود اس معاملہ کی سمجھ نہیں آرہی سکینہ بیگم بڑی نیک اور پاکباز لڑکی ہے اُس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا آپ کل کسی وقت تشریف لائیں جب مرزا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر پیر اپنا عیار منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اُس نے مرید کے لئے دام بچھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس منصوبہ پر بہت غور کیا ہے دُعا بھی کی ہے ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں ”مصلح موعود“ ہوں اس لئے سکینہ بیگم ایک روحانی تعلق کی بنا پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس قسم کا جذبہ الفت جب پوری طرح قلب و ذہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت

لے شفیق مرزا مصنف ”شہر سدوم“ خاندانی طور پر دجال کے خاص حلقوں میں تربیت یافتہ نوجوان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب انہیں ہدایت دی تو انہوں نے اندر کے واقعات کی عکاسی کرتے ہوئے کتاب ”شہر سدوم“ تصنیف کی۔

بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انہوں نے فلاں مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلا و غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ سمجھ لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا محمود نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھا دی کہ دیکھ لو اطباء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے اس پر مرید مطمئن ہو کر گھر واپس آیا تو اطیبہ کے استفسار کرنے پر مرید خاوند نے کہا ”تم بھی سچ کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی سچ کہتے ہیں“

۷ جب غیرت ہی اٹھ گئی غالب

کیا کسی کا گلہ کرے کوئی !

تماشہ گاہِ عالم میں انسان ہر روز کسی تماشے دیکھتا ہے اور مسکرا کر گزر جاتا ہے لیکن جب خود تماشہ بنتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے، اسے انسانی کمزوری کہتے یا تساہل عارفانہ ؟

مولانا عبدالکریم نے مرزا ایت کی کوکھ سے جنم لیا۔ تربیت پائی، تعلیم حاصل کی۔ باطل نبوت کا چراغ لے کر مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرتے رہے ظاہر ہے انہیں قصرِ دلالت کے اندر دنی اندھیروں سے روشنی نہ ہو۔ ممکن ہے ان کی نظریں تیرہ دہائیوں تک نہ پہنچ سکتی ہوں مگر جب اُن کی اپنی عزت کو ہاتھ پڑا تو سارا اندھیرا جا تا رہا۔ لگے دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھالنے اگر مبراہِ اذکار بند ٹوٹ جائے تو پگڑی کہاں سنبھلی رہتی ہے۔

سکینہ بیگم کے حادثے نے تقدس کی ساری بساط الٹ دی۔ اس زلزلے سے مردہ ضمیر جاگ اٹھے نادیاں میں کھلم کھلا گیا۔ عبدالکریم اور ان کا خاندان حکومتِ دجال کا باغی قرار پایا۔ چھپے ہوئے باغی کھلم کھلا میدان میں نکل آئے۔ رستے ہوئے زخم چھپے ہوئے خون کو آوازیں دینے لگے، قصرِ دلالت میں لٹی ہوئی عصمتیں بے جا

”ایک احمدی خاتون کا بیان“

مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار مباہلہ“ تادیان میں اشاعت پذیر ہوا تھا گو اس وقت یہ چیلنج بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر ”خود صاحب“ مباہلہ کے لئے آمادہ ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی ادنیٰ اثر ابھی نہیں ہوگا مگر چونکہ اس کو سالہ سامری کو مقابلہ پر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، اس لئے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون تادیان کے دوکاندار شیخ نور الدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سوداگر آج کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ بیگم تھوڑا عرصہ ہوا انتقال کر گئی ہیں۔ اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

” میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچے فرسلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جاسکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لئے حضور سے اجازت لیا کرتے تھے اور بہت مخلص احمدی تھے ایک دفعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لئے دیا جس میں اپنے کام کے لئے اجازت مانگی تھی خیر میں یہ رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصر خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ تھیں اور ساتھ ہی واپس آگئی۔

چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی جو نہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لئے عرض کیا مگر انہوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو نفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹکنیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں بیٹھی تھی وہ اندر کا چو تھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کر دالے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انہوں نے مجھے پانگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بڑا آہی بھی کہ مجھ کو جکڑ آ گیا۔ اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انہوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش دھواں بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی۔ مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔

مذکورہ بالا قصے کا شائع ہونا تھا کہ خباثت کے ساتھ شرافت بھی تڑپ اٹھی۔

اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ مولانا عبد الکریم کا قادیان سے نکلنا | نبوت کا ذہب کا بھاٹا چور ہے میں چھوٹے لگا، فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ جھوٹ کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ برسوں کی سلگتی ہوئی چنگاریاں آتش نشاں بن رہی تھیں، قریب تھا کہ

ابلیس کا محل اس آگ کی لپیٹ میں آجائے شیطان فوج نے ایک رات مولانا عبد الکریم مباحہ کے مکان کو اُن کے خاندان سمیت آگ میں جلا دینے کی سازش کی لیکن زندگی اور موت کا فیصلہ خالق کائنات کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔ حکیم نور الدین آنجہانی کی بیوہ جو بذات خود دجال تادیان کے ہاتھوں زخم خوردہ تھی اسے کسی طرح اس سازش کا پتہ چل گیا۔ وہ برقعہ اوڑھے چھپ چھپا کر مولانا عبد الکریم کے اہل خانہ کو اطلاع کر آئی کہ آج رات انہیں ان کے خاندان سمیت جلا دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اپنی جانیں بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ یہ اطلاع پاکر گھر کے سب لوگ جیسے بن پڑا مکان چھوڑ کر پھپھتے چھپتے رات کے پہلے حصے میں سکھوں کے بورڈنگ ہاؤس میں پہنچ گئے اور رات کے پھپھے پہر برقع پہن کر سکھوں کے تعاون سے انہیں کی موٹر میں سوار ہو کر بٹالہ اور پھر امرتسر پہنچ گئے۔

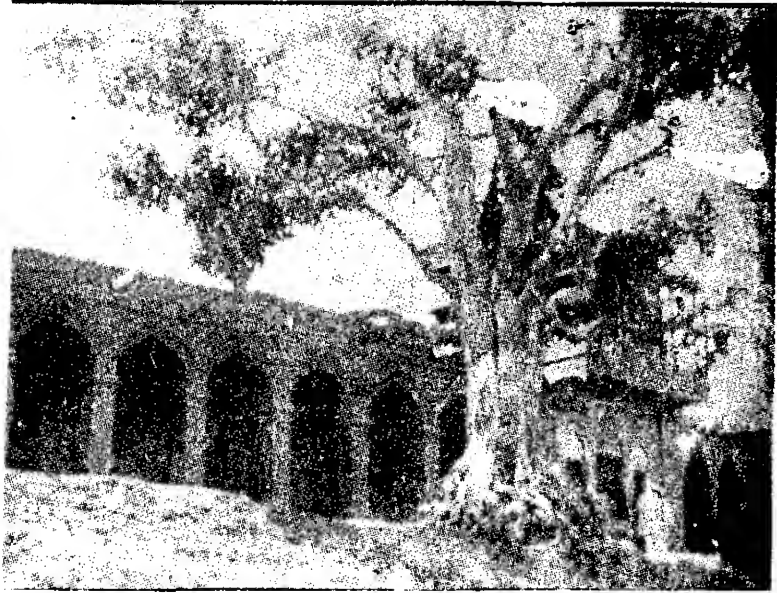
مرزائیوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کی درمیانی رات عبد الکریم کے مکان کو جلا کر رکھ کر دیا اور خود اس کے گرد پہرہ دیتے رہے کہ کوئی بچ کر نکلنے نہ پاتے۔ اپنی دانست میں انہوں نے اہل خانہ کو جلا کر ختم کر دیا تھا اس پر وہ مطمئن تھے کہ انہوں نے دشمن کا خاتمہ کر دیا لیکن شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ



طاقتور ہوتے۔
صبح اخبار الفضل میں شائع کر دیا گیا کہ:

”چونکہ سٹری مرتد ہو گئے تھے لہذا انہوں نے خود ہی اپنے مکان کو آگ لگائی اور اس میں جل مرے ہیں۔“

لے مولانا عبد الکریم اور ان کے والد لہارا کا کرتے تھے اس بنا پر تادیان میں انہیں سٹری کہا جاتا تھا۔



مباہلہ بڈنگ جسے مرزا تیموں نے جلادیا

اس واقعہ کی اطلاع مقامی پولیس تھانہ میں کرائی گئی مگر نہ تو پورٹ درج کی گئی اور نہ ہی کوئی موقعہ محل پر آیا۔ ابن دجال نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو یہ دشمن خاندان تو ختم ہوا۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ پولیس اور دیگر آفیسر دخل انداز نہیں ہوتے۔

سیاں بھے کو تو اب ڈر کا ہے کا

تیسرے دن اطلاع ملی کہ مستری اپنے خاندان سمیت بخیریت امرتسر پہنچ گئے ہیں یہ سن کر ابن دجال کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اپنے پالتو بلاکر انہیں ڈانسا کہ تم نے کیا کیا، تمہاری نگرانی کا کیا فائدہ نکلا۔ شکار تو بیچ کر نکال گیا۔ مگر اب تم کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

مال و اسباب تو مکان کے ساتھ راکھ ہو چکا تھا۔ یہ لوگ جب امرتسر پہنچے تو کوڑی کوڑی کو قساج تھے۔ ہاتھ میں ہنر ہوا درنیت میں فتور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر مدد کرتے ہیں۔

رہائش کے لئے ہال بازار میں مکان مل گیا۔ شریف پورہ میں کارخانہ قائم کر لیا۔ یہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسمائے گرامی بیتل کے فرموں میں ڈھالنا شروع کئے جو بہت مقبول ہوئے۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ خریدے۔ دنوں میں بہار لوٹ آئی۔ ہفت روزہ مباہلہ امرتسر سے باقاعدگی سے جاری کر دیا گیا۔

باطل کے چنگل سے نکل کر اسلام قبول کرنے کی برکت سے مستری عبدالکیم، مولانا عبدالکیم مباہلہ کے نام پر معروف ہو گئے، اب وہ مستری کم اور مبلغ اسلام زیادہ تھے۔ اخبار مباہلہ کے ذریعے مرزا تیت کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کر دیا گیا۔ شکار بیچ کر نکل جلے تو شکاری اپنی چوڑی بھول مولانا مباہلہ پر قاتلانہ حملہ | جاتا ہے۔

مولانا مباہلہ نے نبوت باطلہ کے تقدس کو جس بُری طرح پامال کیا اس کی پاداش میں انہیں بمعہ خاندان کے زندہ جلادینے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں ناکامی ذلت اور رسوائی نے ابنِ دجال کو آگ کے انگاروں پر لوٹا دیا۔ امرتسر پہنچ کر اخبار مباہلہ میں قادیان میں نہایت انسانیت ابنِ دجال کے زنا کے قصے نیز قادیان سے اپنے بچے نکلنے کی داستان جس طریق سے شائع کرنا شروع کی یہ پہلا موقع تھا کہ پنجاب کے عوام کو اس دجائی زورہ سے واقفیت ہو رہی تھی ورنہ تو یہ پوپ پادری بنے بیٹھے تھے مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ بادل نخواستہ یہ زہر پینا پڑا۔

قادیان میں ہر روز مولانا مباہلہ کے خلاف جلسے ہونے لگے شہر سدوم کے باشندوں کے جذبات ٹھہر کاتے گئے، بالآخر اخبار مباہلہ میں ابنِ دجال پر عائد کردہ الزامات کے خلاف گورداسپور کی عدالت میں دجالیوں نے عبدالکیم کے خلاف ضابطہ فوجداری کے تحت استغاثہ دائر کر دیا۔ یہ دوسری سازش تھی جس میں مولانا مباہلہ کو قتل کرنے کی تجویز تھی اس ضمن میں یہ طے پایا کہ

”جونہی مولانا مباحہ امرتسر سے اس مقدمہ کی تاریخ پیشی بھگتنے کو راہلو
 جانے کے لئے لاری پر سوار ہوں تو انہیں لاری میں عوام کے سامنے
 قتل کر دیا جائے۔“

اس کام کے لئے محمد امین (مرزائی) المعروف مجاہد بخارا سے کہا گیا کہ وہ
 کراتے کا قاتل تلاش کرے جسے معقول رقم دی جاسے گی، یہ رقم چار ہزار طے پائی
 اس پر ایک پٹھان قاضی محمد علی نوشہروی سے مولانا مباحہ کے قتل کا سودا کیا گیا
 اور اسے یقین دلایا گیا کہ اسے اس مقدمہ میں بری کر لیا جائے گا کچھ رقم پیشگی
 دے دی گئی یہ سازش اس طرح طے پائی کہ

جب مولانا عبد الکریم عدالت میں حاضری کے لئے امرتسر سے روانہ
 ہوں تو خدام احمدیہ کے رضا کار اس لاری میں سوار ہو جائیں۔
 جیسے ہی لاری بٹالہ پہنچے رضا کار ہاتھ کا اشارہ کر کے مقررہ قاتل
 کو لاری میں سوار ہونے کا اشارہ کریں اور یہاں سے قاتل محمد علی
 لاری میں سوار ہو کر اپنا کام کرے گا۔ یہ بھی سکیم مولانا کو قتل کرنے کی۔

حسب دستور مولانا مباحہ بمعہ اپنے ضامن حاجی محمد حسین بٹالوی کے عدالت
 میں حاضری کے لئے امرتسر سے لاری میں سوار ہوتے۔ لاری میں خدام احمدیہ
 کے رضا کار بھی سوار ہو گئے، لاری جیسے ہی بٹالہ پہنچی طے شدہ پردگراں کے
 مطابق ہاتھ کے اشارہ سے قاتل محمد علی کو لاری میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور
 ساتھ ہی مولانا عبد الکریم کی نشاندہی کر دی گئی، رضا کار خود یہاں اتر گئے۔

ابھی لاری بٹالہ سے چند میل دور گئی تھی کہ قاتل نے لاری کے اندر اپنی
 دانت میں) مولانا مباحہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن ہنوز قدرت نے مولانا مباحہ
 سے کوئی کام لینا تھا کہ قاتل مولانا مباحہ اور حاجی محمد حسین بٹالوی کے مابین
 کوئی امتیاز نہ کر سکا اس طرح خنجر مولانا مباحہ کی بجائے حاجی محمد حسین کو لگ
 گیا اور وہ موقع پر شہید ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (یہ ۱۹۲۹ء)



کا سال ہے۔ اس حادثہ پر لاری رک گئی۔ قاتل کو دیگر مسافروں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس پر دفعہ ۲۰۲ کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور اسے نر اتے موت ہو گئی۔

اس مقدمہ کا تفصیلی ذکر ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور مسٹر جی ڈی کھوسلہ نے حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) کے مقدمہ

۱۹۳۵ء کے فیصلہ میں بڑی دلچسپی سے کیا ہے (مصنف کی کتاب حیات امیر شریعت میں دیکھیں)

قاتل قاضی محمد علی نوشہروی کو پھانسی سے بچانے کی کوشش میں مرزائی وکلا (چودھری سر ظفر اللہ آنجنائی اور اس کے بھائی آنجنائی اسد اللہ وغیرہ) نے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کی لیکن اپیل خارج ہو گئی۔ لندن پر یوی کونسل تک گئے مگر سزا بجالا رہی، پھانسی کے بعد قاتل کی لاش قادیان لائی گئی، جلوس نکالا گیا اور اسے شہید احمدیت کا خطاب دیا گیا۔ ابن دجال نے لاش کو کندھا دیا اور نام نہاد ہستی مقبرے میں دفن کیا گیا۔

آنجنوائی قاتل کی موت پر اسی رات قادیان میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مرزائی شعرا نے قاتل کے قصائد پڑھے، ایک شعر ملاحظہ ہو۔

پہچھے آکر سب سے آگے بڑھ گیا
مثل عیسیٰ آسمان پر چڑھ گیا

مندرجہ بالا شعر چونکہ قادیانی عقیدے کے خلاف تھا جبکہ دجالی قادیان کا
عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (نعوذ باللہ) اس ایک
شعر پر ابن دجال نے یہ نظم اور باقی نظموں کا مجموعہ ضبط کر لیا۔
”دھوبی کا گتا گھر کا نہ گھاٹ کا“

برائی کا انجام

ماحول اچھا ہو یا بُرا۔ طبائع انسانی پر اس کا اثر ضرور پڑتا
ہے۔ محمد امین (مرزائی) مجاہدِ بخارا جس نے مولانا مباحہ کے لئے قاتل تلاش کیا
تھا اسی ماحول کا پروردہ تھا۔ مولانا مباحہ کا قاتل اسی نے تلاش کیا تھا اور سودا
بھی اسی کی معرفت ہوا تھا۔ کچھ رقم تو قاتل کو پیشگی ادا کر دی گئی تھی بقایا کام ہونے
پر ادائیگی کا وعدہ تھا مگر قاتل جنم رسید ہو چکا تھا، لہذا بقایا رقم کا تقاضہ
کرنے مرتد امین بخارا دجالی سلسلہ کے ناظم اعلیٰ فتح محمد سیال کے پاس پہنچا اس
نے کہا۔

”دیکھو یہ رقم لینے میرے پاس نہ آنا بلکہ دفتر حاذی“

اس پر امین نے کہا۔ دفتر میں جانے سے راز فاش ہو جائے گا اور قاتل
کا الزام سلسلہ پر آئے گا، بہتر ہے حساب یہیں ہو۔

فتح محمد سیال: رقم میری ذاتی نہیں ہے، نہ یہ کام میرا ذاتی تھا۔ سلسلہ
کا کام تھا اور رقم کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔

امین: نہیں! میری بات آپ سے طے ہوئی تھی، دفتر نہیں جاؤں
گا۔ میں رقم آپ سے لوں گا۔

سیال: میں رقم یہاں نہیں دوں گا۔

اس بات پر جھگڑا بڑھتا گیا اور تلخ کلامی میں فتح محمد سیال نے کہا۔
جس کو قتل کر دانا تھا یعنی عبدالکریم مباحہ کو۔ وہ تو بچ گیا اور

ضامن مارا گیا۔ مقصد تو پورا نہ ہوا۔ رقم کیسے مانگتے ہو؟

اس جھگڑے پر فتح محمد سیال نے اپنے ملازمین کو بلوا کر اس پر حملہ کر دیا۔ امین نیچے گرا تو گرے ہوئے پر فتح محمد سیال نے کھٹاڑی کا وار کیا، دوسرا وار کیا۔ ضربیں کاری آئیں۔ اس نے پانی مانگا مگر یہاں پانی دینے والا کون تھا۔ یہ ختم ہو گیا۔ لاش اٹھا کر شاہراہ پر پھینک دی لاش لاوارث قرار دی جا رہی تھی کہ قریب کے گاؤں کا نمبر دار محمد علی بلوایا گیا اس نے لاش شناخت کرتے ہوئے کہا۔

”یہ مرزائی مبلغ محمد امین کی لاش ہے۔ یہ قتل کیسے ہوا، مجھے اس کا علم نہیں۔ البتہ مقتول کو میں نے کئی دفعہ چودھری فتح محمد سیال کی کوٹھی پر آتے جلتے دیکھا ہے۔

مگر فتح محمد پر ہاتھ کون ڈالے اور پھر انگریزی راج میں۔ آخر لاش کو لاوارث قرار دے کر دفن دیا گیا۔

”مرامردو نہ فاتح نہ درود یہاں تک کہ قبر کا نشان بھی ختم کر دیا گیا۔



محمد امین بخارا دجالی

مولانا عبد الکریم مباہلہ
دفتر اصرار میں !

یہ ۱۹۳۳ء کا سال ہے۔ اصرار رہنما اسال کشمیری مسلمانوں کی جنگ آزادی کے جرم میں قید افرنک سے رہا ہو کر آرہے تھے کچھ آپکے تھے۔ دفتری نظام نئے سرے سے ترتیب دیا جا رہا تھا۔ کارکن سال ہا سال کی اسیری کے بعد سنبھالا لے رہے تھے۔ دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھرتیرا راہ گزر یاد آیا !

انہیں دنوں مولانا عبدالکریم مباحہ مفکرِ احرار چودھری افضل حق سے ملنے احرار کے دفتر آئے۔ تعارف کے بعد اپنی رام کہانی اور تادیان کے اندرونی واقعات ابنِ دجال کے کارنامے تفصیل سے بیان کئے۔

چودھری افضل حق کی عادت تھی کہ وہ نووار کی گفتگو خاموشی اور متانت سے سنتے، دورانِ گفتگو نہ سوال کرتے نہ ٹوکتے۔ اس روایت کے مطابق قریباً تین گھنٹے چودھری صاحب اور مباحہ کے مابین بٹھک رہی چودھری صاحب نے تمام گفتگو سن کر مولانا مباحہ سے دوسرے دن آنے کو کہا۔

جیسے کہ قارئین زیرِ مطالعہ کتاب کے گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ پنجاب کا مسلمان ہنوز اُسی ڈوگر پر رواں دواں تھا جسکی مولوی کی داڑھی دہلی مولوی کے ہاتھ میں تھی اور دہلی کی داڑھی سنی کھنچ رہی تھی۔ شیعہ ذاکر دونوں پر طبری بازی میں مصروف تھا۔ مسجدوں، امام باڑوں اور شاہراہوں پر باہم مناظروں کی بھٹلیں بدستور جم رہی تھیں۔

دجالی گروہ اپنی جنگِ پانچواں سوار بن کر اپنے مقاصدِ باطلہ میں مصروف تھا احرار کے بنیادی اصولوں میں چونکہ فرقہ دارانہ جھگڑوں کا دخل نہیں تھا۔ ان کے نزدیک اس طرح کے باہمی تنازعات ملتِ اسلامیہ کے لئے ضرر رساں تھے۔ البتہ انگریز خوش تھا کہ اُلٹے بالنس بریلی کو کل جو اس کی دشمنی پر متحد تھے۔ آج باہم الجھ رہے ہیں۔ اس بنیاد پر چودھری صاحب نے مولانا مباحہ کی گفتگو سنی تو ضرور لیکن اپنے موقف کے باعث کوئی رائے قائم نہ کر سکے، اس لئے انہیں ٹالنے کے انداز میں دوسرے روز آنے کو کہا۔ ممکن ہے وہ رات بھر اس پر غور کرتے رہے ہوں۔

دوسرے روز مولانا مباحہ آئے تو چودھری صاحب نے کہا۔

”مولانا آپ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم (احرار) انگریز سے ہندوستان کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ مذہب کے نام پر آپس کی ہاتھ پائی احرار کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ ہماری

مولانا مباحلہ چودھری صاحب کی گفتگو سمجھ گئے اور وہ بغیر کچھ کہے اگلے روز پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

دل لگی اور دل کی لگی میں اسی قدر بعد ہے جس قدر کہ آدمی اور آدمیت میں۔ دل لگی دل لگی ہے۔ لیکن دل کی لگی سکون حرام کر دیتی ہے۔ مولانا مباحلہ کے والد دجال قادیان کے فریب خور وہ تھے مگر ہوش آنے تک وہ وراثت کے ساتھ اس بازار میں آبرو بھی گنوا چکے تھے۔ آنکھ کھلی تو پنوں کے بھائی اُسے سسی سے دور لے جا چکے تھے۔ اب کوئی چارہ اس کے سوا نہیں تھا کہ محبوب مطلوب کو مہنتی ریت میں تلاش کرے مگر جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔

مباحلہ خاندان جو کچھ کھو چکا تھا وہ کھو چکا۔ اُس کا حصول ممکن نہیں تھا، تاہم خود تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے
آدمی جب انتقام کے جذبات سے لیس ہو تو اپنے ساتھ دوسرے کا چین بھی ضائع کر دیتا ہے۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک
’حب وعدہ مولانا مباحلہ تیسرے دن دفتر اہرام میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک دستاویز تھی جسے وہ یہ کہہ کر چودھری صاحب کے حوالے کر کے چلے گئے۔

”چودھری صاحب! آپ اس کا مطالعہ کریں، میں ایک ہفتہ کے بعد حاضر ہوں گا۔“

خواہش ہے کہ ملک سے شیعہ سنی اور اہلحدیث کے فردعی جھگڑے ختم کر دیئے جائیں تاکہ انگریز کے خلاف محاذ مضبوط ہو۔ آپ ایک نئی لڑائی ہمارے گلے ڈال رہے ہیں۔“

یہ حقیقت ہے کہ احرار من حیث الجماعت مرزائیت کی تحریک سے قطعاً آشنا تھے یہی وجہ ہوتی کہ مولانا مباحہ کی گفتگو سے چودھری صاحب یہی سمجھے کہ یہ بھی از قسم فرقہ دارانہ جھگڑا ہے جس طرح کہ پیشتر سے ہو رہے ہیں۔

احرار ذہنی طور پر فرقہ داریت سے نفرت کی حد تک پہنچ چکے تھے، اسی بنیاد پر مجلس احرار میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ صفِ اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔

بعضو عالی شان قیصر ہند ملکہ معظمہ شہنشاہ

ہندوستان و انگلستان ادام اللہ اقبالہا،

سب سے پہلے یہ دُعا ہے کہ خدائے قادر مطلق اس ہماری عالیجاہ قیصرہ ہند کی عمر میں بہت بہت برکت بخشے اور اقبال اور جاہ و جلال میں ترقی دے اور عزیزوں اور فرزندوں کی عافیت سے آنکھ ٹھنڈی رکھے۔ اس کے بعد اس عریفہ کے لکھنے والا جس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں قادیان نام میں رہتا ہے جو لاہور سے تخمیناً بافصلہ شتر میل مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع اور گورداسپور کے ضلع میں ہے۔ یہ عرض کرتا ہے کہ اگرچہ اس ملک کے عموماً تمام رہنے والوں کو بوجہ اُن آراموں کے جو حضور قیصرہ ہند کے عدل عام اور رعایا پروری اور داد گسری سے حاصل ہو رہے ہیں اور بوجہ اُن تدابیر امن عامہ اور تجادیز آسائش جمیع طبقات رعایا کے ہو کر وطر مار رہے ہیں

کے فروح اور بے انتہا فیاضی سے ظہور میں آتی ہیں جناب ملک معظمہ دام اقبالہ سے بقدر اپنی فہم اور عقل اور شناخت احسان کے درجہ بدرجہ محبت اور دلی اطاعت ہے اور بجز بعض قلیل الوجود افراد کے جو میں گمان کرتا ہوں کہ درپردہ کچھ ایسی بھی ہیں جو دھیشیوں اور دہندوں کی طرح بسر کرتے ہیں لیکن اس عاجز کو بوجہ اُس معرفت اور علم کے جو اس گورنمنٹ عالیہ کے حقوق کی نسبت مجھے حاصل ہیں۔

درخواست گورنمنٹ آف انڈیا کے حضو میں تجویز تعطیل جمعہ

چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافرہم مسلمانوں کے نام نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغادت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اس اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ سے منکر ہو کر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔

لہذا یہ نقشہ اسی غرض کے لئے تحریر کیا گیا ہے تاکہ اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسے باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں۔

اگرچہ گورنمنٹ کی خوش قسمتی ہے برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں ایسے لوگ معلوم ہو سکتے ہیں جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں اس لئے ہم نے اپنی محن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیر خواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہی چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ان شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جائیں جو اپنے عقیدہ سے اپنی مفسدانہ حالت کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ جمعہ کی تعطیل کی تقریب پر ان لوگوں کو شناخت کرنا ایسا آسان ہے کہ

نوناہال سنگھ - شیر سنگھ ،
 یہ دونوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فوجی جنرل تھے
 دربار لاہور کے دروازہ
 میں غلام مرتضیٰ (غلام احمد
 کا والد) ہمیشہ فوجی خدمت

پر مامور رہا۔ ۱۸۴۱ء میں جنرل رنجیت کے ساتھ منٹری کلو کی طرف
 بھیجا گیا۔ ۱۸۴۳ء میں ایک پیادہ فوج کا کمانڈر بنا کر پشاور روانہ کیا
 گیا۔ ہزارہ کے مفسدہ (یاد رہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ
 اور ان کے ساتھیوں سے بالاکوٹ کی لڑائی میں سکھوں کی فوج میں
 شامل ہو کر ان مجاہدوں سے لڑتا رہا) میں اس نے کارہا نمایاں ادا
 کئے اور ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوتی تو وہ اپنی سرکار (سکھوں) کا وفادار
 رہا۔ اس طرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین
 نے بھی اچھی خدمات کیں۔

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۲۱)

میں نہیں کہتا کہ گورنمنٹ اُن کی اس خدمات کو کبھی نہیں
 بھولے گی کہ انہوں نے (غلام احمد کے باپ اور بھائی) ۱۸۵۷ء
 کے نازک وقت میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر پچاس گھوڑے
 اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس سوار اپنے عزیزوں اور دوستوں سے
 متیا کر کے گورنمنٹ (برطانیہ) کی امداد کے لئے دیتے تھے۔

(سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۲۲)

اور پھر بھائی مرزا غلام قادر تموتوں کی لڑائی میں شریک تھا اور بڑی
 جانفشانی سے مدد دی۔ غرض اس طرح میرے بزرگوں نے اپنے
 خون اپنے مال اپنی جان سے اپنی متواتر خدمتوں سے اپنی

وفاداری کو گورنمنٹ (برطانیہ) کی نظر میں ثابت کیا۔
(نیرت المہدی حصہ اول ص ۱۳۲)

میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گذر مفسدوں کا سرکارِ انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکارِ انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا تاہم سترہ برس سے سرکارِ انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں۔

اس سترہ برس کی عمر میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کیں ان سب میں سرکارِ انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت مؤثر تقریریں لکھیں اور قرین مصلحت سمجھ کر اس امر ممانعت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کے لئے عربی اور فارسی میں کتابیں تالیف کیں۔ جن کی چھپائی اور اشاعت پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے اور وہ کتابیں عرب اور بلاد شام اور روم اور مصر اور بغداد اور افغانستان میں شائع کیں۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔
اس قدر بڑی کارروائی اور اس قدر دور دراز مدت تک ایسے انسان سے ممکن ہے۔ جو دل میں بغاوت کا ارادہ رکھتا ہو؟ پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکارِ انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کو روکنے کے لئے برابر سترہ سال

تک پورے جوش سے پوری استقامت سے کام لیا ہے کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں جو میرے خلاف ہیں کوئی نظیر ہے؟ اگر میں نے یہ اعانت گورنمنٹ انگریزی کی سچی خیر خواہی سے نہیں کی تو مجھے ایسی کتابیں عرب اور بلادِ شام اور روم وغیرہ۔ بلادِ اسلامیہ میں شائع کرنے سے کسی انعام کی توقع تھی؟

یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہیں بلکہ برابر سترہ سال کا ہے۔

ستارہ قیصرہ ص ۴۵، (مصنف غلام احمد مزا)

اے ملکہ معظمہ تیرے وہ پاک ارادے ہیں جو آسمانی مدد کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور تیری نیک نیتی کی کشش ہے جس سے آسمان رحمت کے ساتھ زمین کی طرف جھکتا جاتا ہے۔ اس لئے تیرے عہدے سلطنت کے سوا اور کوئی عہد سلطنت الیا نہیں جو مسیح کے ظہور کے لئے موزوں ہو۔

سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور نازل کیا کیونکہ نور نور کو اپنی طرف کھینچتا اور تاریکی تاریکی کو کھینچتی ہے۔

(ستارہ قیصرہ ص ۶۔ مصنف غلام احمد)

سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا۔ تیرے ہی وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا ایک نتیجہ ہے۔ خدا نے تیرے عہد سلطنت میں دنیا کے درد مندوں کو یاد کیا اور آسمان سے اپنے مسیح (غلام احمد) کو بھیجا اور وہ تیرے ہی ملک میں اور

تیری ہی حدود میں پیدا ہوا۔
(ستارہ قیصر ص ۸ مصنفہ مرزا غلام احمد)

اے ملکہ قیصر ہند خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں
برکت دے۔ تیرا عہد حکومت کیا ہی مبارک ہے کہ آسمان سے
خدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے تیری ہمدردی دعایا
اور نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں۔
ستارہ قیصر ص ۹

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

شریر ہے وہ انسان جو تیرے عہد سلطنت کی قدر نہیں کرتا اور
بد ذات ہے وہ نفس جو تیرے احسانوں کا شکریہ گزار نہیں چونکہ
یہ مسئلہ تحقیق شدہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتا ہے اس لئے
مجھے ضرورت ہے کہ میں اپنی زبان کی لفاظی سے اس بات کو ظاہر
کروں کہ میں آپ سے دلی محبت رکھتا ہوں اور میرے دل میں
خاص طور پر آپ کی محبت اور عظمت ہے ہماری دن رات
کی دعائیں آپ کے لئے آپ ردا کی طرح جاری ہیں اور ہم نہ
سیاست فہری کے نیچے ہو کر آپ کے مطیع ہیں بلکہ آپ کی
انواع و اقسام کی خوبیوں نے ہمارے دلوں کو اپنی طرف کھینچ
لیا ہے۔

بابرکت قیصر ہند تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک
ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں جس پر تیری نگاہیں ہیں خدا
کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیری نگاہیں۔ خدا کی

رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے تیری ہی پاک
نیستوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے۔

(ستارہ قیصرہ ص ۱۷ مصنفہ غلام احمد)

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اپنی گورنمنٹ کا ایک
غیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک
دفا دار اور غیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی
اور جن کا ذکر مسٹر کرن صاحب کی تاریخ ریسائن پنجاب میں ہے۔
اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار
انگریزی کو مدد دی تھی۔ پچاس سوار اور گھوڑے باہم پہنچا کر زمانہ
فد کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیتے تھے۔ ان
خدمات کی وجہ سے جو چھٹیات خوشنودی حکام ان کی تھی۔ مجھے فسوس
ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں۔

(ستارہ قیصرہ ص ۱۷)

بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ (برٹش)
سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟
یہ سوال اُن کا نہایت ہی حماقت کا ہے کیونکہ جس کے
احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد
کیسا؟ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک
حرامی کا کام ہے۔

شادات القرآن ص ۶۹
(مصنفہ مرزا غلام احمد)

جس گورنمنٹ کے زیر سایہ خدا نے ہم کو کر دیا ہے یعنی گورنمنٹ برطانیہ جو ہماری آبرو اور جان و مال کی محافظ ہے۔ اس کی سچی خیر خواہی کرنا اور اسے مخالف امن امور سے دور رہنا جو اس کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

(ستارہ قیصرہ صلا مرزا غلام احمد)

خدا کا یہ فضل اور احسان ہے کہ ایسی محسن گورنمنٹ کے زیر سایہ ہمیں رکھا۔ اگر ہم کسی اور سلطنت کے زیر سایہ ہوتے تو یہ ظالم تباہ قلم کب ہماری جان و آبرو کو چھوڑنا چاہتے۔

(ستارہ قیصرہ صلا مرزا غلام احمد)

آمین

۲۸ اگست ۱۸۹۹ء

المجلس خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گرداسپور پنجاب

یاد رہے کہ مسلمان کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے۔ ایک بڑا امتیازی شان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کا انتظار ہے بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ بظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر جہاد کی تعلیم کو ہرگز جانتے نہیں سمجھتا اور قطعاً اس بات کو حرام جانتا ہے کہ دین کی اشاعت کے لئے لڑائیاں کی جائیں۔ (دریاق القلوب ص ۳۲۲ مصنفہ مرزا غلام احمد)

میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے اور اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح الموعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے، جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

حقیقۃ الوحی ص ۶۸

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک معانی سے نبی ہوتا ہے گو اس کے لئے نبوت نامہ نہیں تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔
(ازالہ اوہام ص ۴۲ خود و کلام)

اور چونکہ وہ بروزی محمدی جو قدیم سے موجود تھا۔ وہ میں ہوں اس لئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا ہوئی ہے۔
(اشتہاد ایک فطلی کا ازالہ)

مصنفہ مرزا غلام احمد

میں خدا کی تین آ برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسے کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔

حقیقۃ الوحی ض ۱۵، انجام آہم ص ۱۱

(مصنفہ مرزا غلام احمد)

میں آدم ہوں۔ شیث ہوں۔ میں نوح۔ میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق
ہوں۔ میں اسماعیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں، اور
آنحضرت صلعم کے نام کا مظہر اتم ہوں۔ یوں ظلی طور پر میں محمد اور احمد ہوں۔
(حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۷ نزول المیخ ص ۷)
(مصنفہ مرزا غلام احمد)

اور میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہو گیا ہوں اور یقین کیا کہ
وہی ہوں اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے اور اس حالت میں
یوں کہہ رہا ہوں کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور تہ زمین چاہتے
ہیں تو پہلے میں نے آسمان و زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں
کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور
تفریق کی اور میں دیکھتا کہ میں اس خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان و دنیا کو پیدا کیا
کتاب البریہ ص ۷۷۔ آئینہ کمالات ص ۲۲۹ لاہوری
مصنفہ مرزا غلام احمد

اخبار الحکم قادیان۔ ۲۴۔ فروری ۱۹۰۵ء

اس خدا کی تعریف جس نے مجھے مسیح ابن مریم بنایا
حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۷
مصنفہ مرزا غلام احمد

اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار
میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا
تھا۔ وہ تو ہی ہے۔ آریوں کا بادشاہ۔
حقیقۃ الوحی ص ۷۷
مصنفہ مرزا غلام احمد

میں (غلام احمد) کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وسیع اور مسعفا مکان ہے۔ اس میں ایک پلنگ بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک شخص حاکم کی صورت میں بیٹھا ہے میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ حاکم الحاکمین یعنی رب العالمین ہیں اور میں اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہوں جیسے حاکم کا کوئی رشتہ دار ہوتا ہے۔ میں نے کچھ احکام قضا و قدر کے متعلق لکھے اور ان پر دستخط کر دانے کی غرض سے ان کے پاس لے چلا ہوں۔ جب میں پاس گیا تو انہوں نے مجھے نہایت شفقت سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھلا لیا۔ اس وقت میری ایسی حالت ہوتی جیسے ایک بیٹا اپنے باپ سے کچھڑا ہوا سالہا سال کے بعد ملتا ہے اور قدرتنا اس کا دل بھر آتا ہے۔ میرے دل میں اس وقت یہ بھی خیال آیا کہ یہ حاکم الحاکمین کہ رب العالمین ہیں اور اس محبت اور شفقت سے انہوں نے اپنے پاس بٹھلا لیا ہے اس کے بعد میں نے وہ احکام جو لکھے تھے دستخط کرنے کی غرض سے پیش کئے انہوں نے قلم سرخی کی دوات میں جو پاس پڑی تھی میری طرف بھاڑ کر دستخط کر دیئے۔

سیرت الہدی ۸۳، ۸۴ حصہ اول

میں نے (غلام احمد) خواب میں ایک مرتبہ دیکھا کہ سید عبدالقادر جیلانی آتے ہیں اور آپ نے پانی گرم کر کے مجھے غسل دیا ہے اور تسی پوشاک پہناتی ہے اور گول کمرے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ آدھم اور تم برابر برابر کھڑے ہو کر قدناپیں پھر انہوں نے میرے باتیں طرف کھڑے ہو کر کندھے سے کندھا ملا لیا۔

تو اس وقت ہم برابر برابر رہے۔

(سیرت المہدی ص ۱۶ حصہ سوم)

حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جب کہ اُن کا زمانہ اوقات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ عمر پاک سیرت مجید (غلام احمد) کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کس قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کر کے رکھنا سنتِ خاندانِ نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں اس سنتِ اہل بیت و رسالت کو بجا لاؤں۔

سو میں نے کچھ مدت تک التزام و صوم کو مناسب سمجھا اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات جو اس زمانہ میں میرے پرکھلے اور علاوہ اس کے انوارِ روحانی تمثیلی طور پر برنگِ ستونِ سبز اور سرخ لیلے دکش اور دلستانِ طور پر نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقتِ تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستونِ سیدھے آسمان کی طرف گتے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔

دُنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہ ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور رُوح کو لذت آتی تھی۔

میرے خیال میں ہے کہ وہ ستونِ خدا اور بندے کی محبت کی ترغیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر

سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوئی
یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دنیا کی نظروں
سے بہت دُور ہیں۔ دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان اُمور سے خبر
ملتی ہے۔

تذکرہ ص ۲۲ تا ۳۲۔ کتاب البریہ ص ۱۶۲ تا ۱۶۷

ماغذ سیرت نصرت جہاں بیگم ص ۸۰، ۸۱

تصویر کا دوسرا رخ ،

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔

بحوالہ حقیقۃ النبوة ص ۲۶۲ مصنف محمود احمد قادیانی

اخبار بدر ۵ ر ۹۰۸ قادیان

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعہ ہیں اور اگر تجربہ کی رُو سے خدا کی
تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔
دافع البلاء ص ۲ (مصنف مرزا غلام احمد)

کل مسلمانوں نے مجھے قبول کر لیا ہے اور میری دعوت کی
تصدیق کی ہے مگر کنجریوں اور بدکار عورتوں کی اولاد نے

مجھے نہیں مانا۔

آئینہ کمالات ص ۲۳۵ مطبوعہ لاہور

مصنفہ مرزا غلام احمد

جو شخص میرا مخالف ہے وہ عیسائی۔ یہودی۔ مشرک اور جہنمی ہے۔
نزول المسیح ص ۱ مصنفہ مرزا غلام احمد

جو شخص ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ
اُسے دلد الحرام بننے کا شوق ہے۔ مرام زادہ کی یہی نشانی ہے۔
الذاریہ لاسلام ص ۳۳ مرزا غلام احمد

میں نے (مرزا غلام احمد) اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا
ہوں اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال
اور کوئی عمل نہیں رہا اور میں ایک سوراخ دار برتن کی طرح ہو گیا ہوں
یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دبایا ہو
اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نام و نشان
باقی نہ رہ گیا ہو۔

اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی،
اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا یہاں تک
میرا کوئی زور باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو میرے اعضا
اس کے اعضا میری آنکھ اس کی آنکھ۔ میرے کان اس کے کان
اور میری زبان اس کی زبان بن گئی۔ میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا
پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور

قوت مجھ میں جو شش مارتی ہے اور اس کی الوہیت مجھ میں موجود نہیں ہے۔
 حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے
 اور سلطان جبروت نے میرے نفس کو پس ڈالا۔ سو نہ تو میں رہا اور نہ ہی
 کوئی تمنا ہی باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی اور رب العالمین کی
 عمارت نظر آنے لگی اور الوہیت بڑے زور کے ساتھ مجھ پر غالب
 ہوتی اور میں سر کے بالوں سے ناخن پانکھ اس کی طرف کھینچ گیا۔
 پھر ہمہ غفر ہو گیا جس میں کوئی پوست نہ تھا اور تیل بن گیا جس
 میں کوئی میل نہ تھی اور مجھ میں اور میرے نفس میں جدائی ڈال دی
 گئی۔ پس میں اس شے کی طرح ہو گیا جو نظر نہیں آتی۔

اس قطرے کی طرح جو دریا میں جا ملے اور دریا اس کو اپنی
 چادر کے نیچے چھپالے۔ اس حالت میں میں نہیں جانتا تھا کہ اس
 سے پہلے میں کیا تھا اور میرا وجود کیا تھا۔ الوہیت میری رگوں
 اور میرے پٹھوں میں سرایت کر گئی اور میں بالکل اپنے آپ
 سے دور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے میرے سب اعضا اپنے
 کام میں لگائے اور اس زور سے اپنے قبضہ میں کر لیا کہ اس
 سے زیادہ ممکن نہیں چنانچہ اس کی گرفت میں بالکل معدوم ہو
 گیا اور میں اس وقت یقین کرتا تھا کہ میرے اعضا میرے نہیں
 بلکہ اللہ کے اعضا ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ میں اپنے سارے
 وجود سے معدوم اور اپنی حیثیت سے قطعاً نکال چکا ہوں۔
 اب کوئی شریک اور کوئی منازع ردک کرنے والا نہیں رہا۔ خدا
 میرے وجود میں داخل ہو گیا اور میرا غضب اور علم اور تلخی اور شرمی اور
 حرکت اور سکون سب اس کا ہو گیا اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا ہوں ہم
 ایک نیا نظام نیا آسمان نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان

اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا اور کہا۔

إِنَّا ذَيْبْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ ،

پھر میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خاصے سے پیدا کریں گے۔

پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہو گئی اور میری زبان پر جاری ہوا۔

أَرَدْتُ أَنْ أَسْتَغْنِفَ فَنَخَلَقْتُ آدَمَ إِنْسَانًا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

تذکرہ ۱۹۳ء، ۱۹۵ء آئینہ کمالات اسلام ص ۶۴ تا ۵۶۶

ماخوذ سیرت نصرت جہاں بیگم ص ۱۲۱ و ۱۲۲ حصہ اول

پرانی خلافت کا جھگڑا چھوڑ دو۔ اب نئی خلافت لو۔ ایک زندہ علی تم میں موجود ہے۔ اس کو تم چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی تلاش کرتے ہو۔

ملفوظات احمدیہ جلد اول ص ۱۳۱

اخبار الحکم نومبر ۱۹۱۲ء

اس وقت اسلامی دنیا پانچ وقت اللہ کی عظمت بزرگی اور بڑائی کا اعلان کلمہ اللہ اکبر کے ساتھ کرتی ہے۔ اہل اسلام کا لغزہ جنگ میں اور صلح میں ہر حال میں یہی ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کی بڑائی کے بعد سب سے بڑھ کر ہر زمانہ میں وہ ہے جس کو اللہ اپنا برگزیدہ رسول بنا کر مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کسے دیتے ہیں اور ان رسولوں کے بعد ان کے جانشین خلفاء راشدہ سب

سے بڑے انسان حضرت مسیح الموعود مہدی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام والصلوة گزرے ہیں اور اب سب سے بڑا انسان اس رسول کا جانشین اور خلیفہ برحق ہے جس کی نسبت پہلے سے پیشگوئی ہو چکی ہے اور تورات اور زبور میں بھی جس کا ذکر ہے اور جو حضرت مسیح الموعود کا نہ صرف پسر ہے۔ موعود ہے بلکہ خلیفہ موعود ہے۔
(الفضل خلافت جوہلی نمبر قادیان ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء)

آخر ایک ایسی جگہ میں پہنچا ہوں جہاں ایک میدان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہاں ایک باغ ہے جس میں میرا مکان ہے میرے پیچھے پیچھے وہ عورت بھی پہنچ گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنت میں میرے ساتھ رہنے کے لئے آئی ہے، وہ بہت خوبصورت ہے۔ میں اس کی تھوڑی پکڑ کہتا ہوں کہ کیا تم بھی جنت میں میرے ساتھ رہو گی؟ اس نے کہا ہاں۔ میں آپ کے ساتھ جنت میں رہوں گی۔ میں نے کہا کہ تمہیں میری بیویوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ وہ کچھ حیرت ظاہر کرتی ہے۔ بیویوں کے ساتھ؟ مگر اس نے انکار نہیں کیا۔ اس وقت ایک دم میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ خوبصورت عورت اللہ ہے اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔
(نواب) بشیر الدین محمود

اخبار الفضل جلد ۳۵ ص ۶۷، ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء

حضرت مسیح الموعود نے فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر سے قادیان واپس آ رہا تھا تو میں نے بٹالہ پہنچ کر قادیان کے لئے ٹکٹ کرایہ پر لیا۔ اس ٹکٹ پر ایک ہندو شکاری بھی بیٹھنے والی تھی۔

جب ہم سوار ہونے لگے تو وہ ہندو جلدی کر کے اس طرف بیٹھ گیا جو سورج کے رُخ سے دوسری جانب تھی اور مجھے سورج کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ جب ہم شہر سے باہر نکلے تو ناہگاہ بادل کا ایک ٹکڑا اٹھا اور میرے اور سورج کے درمیان آگیا اور ساتھ ساتھ قادیان تک آیا۔

سیرت المہدی حصہ اول ص ۵

مصنف مرزا بشیر الدین محمود

جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جاتے تو پھر وہ دوسری باتوں میں اس پر کوئی اعتماد نہیں رہتا۔

چشمہ معرفت ص ۲۲۲

مصنف مرزا غلام احمد

قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔

حقیقۃ الوحی ص ۸

مصنف غلام احمد مرزا

اے میرے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص (مرزا غلام احمد) کو تم نے دیکھ لیا ہے جس کو دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی،

اربعین نمبر ص ۱۴

(مصنف مرزا غلام احمد)

نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا ہوں۔
حقیقۃ الوحی ص ۳۱ مرزا غلام احمد

تمام نبیوں نے ابتدا سے آج تک میرے لئے خبریں دی ہیں۔

تذکرہ اشتہار ص ۱۱۱

مصنف مرزا غلام احمد

حضرت مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت رسول کریم صلعم کی بعثت ثانیہ ہے۔ آپ کے صحابہ رسول کریم صلعم کے صحابہ کے مثل ہیں اور آپ کے خلفاء رسول کریم صلعم کے خلفاء کے مثل ہیں جو آپ سے محبت کرتے ہیں وہ رسول کریم صلعم سے محبت کرتے ہیں جو آپ سے دشمنی رکھتے ہیں وہ رسول صلعم کا دشمن ہیں جو آپ کے صحابہ اور آپ کے خلفاء اور آپ کی اولاد سے محبت کرتے ہیں اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ رسول کریم صلعم کے صحابہ اور آپ کے خلفاء اور آپ کی اولاد سے محبت کرتے ہیں اور ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن جو حضرت مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء کا دشمن ہے وہ یقیناً رسول کریم صلعم کے خلفاء کا دشمن ہے۔ آنحضرت صلعم کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا خلیفہ حضرت مولوی حکیم نور دین رضی اللہ عنہ تھے۔

کتنی شاندار صداقت ہے کہ مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنار رسول کریم صلعم کا آنا ہے اور آپ کے بعد خلیفہ اول یعنی حضرت مولوی نور دین رضی اللہ عنہ کا وجود رسول کریم صلعم کے بعد خلیفہ اول یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود ہے۔

مضمون اخبار الفضل نمبر ۴۲

۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء قادیان

مجھے بتایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔
اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ - (قرآن)

کتاب اعجاز احمدیہ ص ۸ مصنف غلام احمد

الفضل اخبار ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء

مجھے خدا نے یسوع مسیح کے رنگ میں پیدا کیا اور تو اور طبع کے
لحاظ سے یسوع کی روح میرے اندر رکھی۔
(تحفہ قیصریہ مصنفہ مرزا غلام احمد)

اسلام میں خدا نے ایک عظیم الشان نبی بھیجا ہے تاکہ وہ اس زندہ
خدا کا لوگوں کو پتہ دے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور ان کا نام انامی
حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو قادیان پنجاب
میں مبعوث ہوا۔

(اخبار الفضل جلد ۲۵ نمبر ۲۶۲، ۱۲ نومبر ۱۹۳۷ء)

ایک دفعہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور سوال کیا کہ قرآن کریم سے
مرزا (غلام احمد) صاحب کی صداقت کا ثبوت پیش کریں۔ ایسے لوگ
اکثر آتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سارا قرآن ہی آپ کی صداقت کا
ثبوت ہے۔

بیان بشیر الدین محمود

الفضل ۵ فروری ۱۹۳۸ء

عہد الرسول اللہ والذین معہ أشدّاء علی الکفار
رحماء بینہم -

اس وحی الہی میں خداوند تعالیٰ نے میرا نام محمد رکھا اور رسول بھی۔
ایک غلطی کا ازالہ۔ مصنف مرزا غلام احمد
شائع کردہ ربوہ۔ ضلع جھنگ

مرزا غلام احمد صاحب کو وہ امام مہدی اور مسیح مانتے ہیں جس
کی خبر تمام انبیاء علیہم اجمعین نے اور حضرت محمد رسول خاتم النبیین نے
دی ہم بغیر کسی فرق کے بہ لحاظ نبوت کے انہیں ایسا ہی رسول
مانتے ہیں جیسا کہ پہلے رسول مبعوث ہوتے رہے۔

الفصل جلد ۵ نمبر ۲۲

اکتوبر ۱۹۱۴ء قادیان

لیکن کیا امتی کھلانے سے آپ کی نبوت تمامہ کاملہ نہ رہی یا آپ
نبوت کے لحاظ سے پہلے نبیوں سے شان میں کم رہے۔ ہرگز نہیں۔
آپ کا کسی پہلے نبی سے نبوت کے لحاظ سے کم رہنا تو الگ رہا۔ آپ
تو اپنے متعلق فرماتے ہیں۔

کہ

خدا نے اُس اُمت میں سے مسیح الموعود بھیجا، جو اس سے پہلے
مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے۔

الفصل جلد ۲ نمبر ۲۵

۹ دسمبر ۱۹۱۶ء قادیان

ایک دن جب میں عشاء کی نماز سے فارغ ہوا تو اس وقت نہ مجھ پر نیند طاری تھی اور نہ ہی میں اونگھ رہا تھا اور نہ ہی کوئی بے ہوشی کے آثار تھے بلکہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔ اچانک سامنے سے ایک آواز آئی۔ آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھٹکھٹانے لگا، تھوڑی دیر کے بعد میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے جلدی جلدی میرے قریب آ رہے ہیں۔ بیشک یہ پنجتن پاک تھے معنی علی ساتھ اپنے دو بیٹوں کے اور ساتھ اپنی بیوی فاطمہ کے اور سردارِ مسلمین کے اور دیکھتا کیا ہوں کہ فاطمہ الزہراءؑ نے میرا سراپا اپنی ران پر رکھ لیا، اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔

آیتہ کلمات اسلام ص ۴۳۷

مصنف مرزا غلام احمد

زندہ شد ہر نبی آدم ہر رسولے نہاں بہر پیغمبر
(ترجمہ) میری آمد کی وجہ سے ہر نبی زندہ ہو گیا۔ ہر رسول میری قیض میں چھپا ہوا ہے۔

نزل المیح ص ۱۱۵ دہشمن ۱۶۵

(مصنف غلام احمد)

کر بلا الیست میر ہر آنم حد حسین است در گر بیافم
(ترجمہ) کر بلا میرے روز کی سیر گا۔ ہے، حسین جیسے سینکڑوں میرے گر بیان میں ہیں۔

نزل المیح ص ۹۹

مصنف مرزا غلام احمد

اے قوم شیعہ اس پر اصرار مت کرو کہ حسین تمہارا مونجی ہے ۔
 (نجات دینے والا ہے) کیونکہ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ آج تم میں سے
 ایک ہے جو حسین سے بڑھ کر ہے ۔

دافع البلاء ص ۱۳

مصنف مرزا غلام احمد

یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے
 بڑا درجہ پاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔

بشیر الدین محمود

اخبار الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء

دو برس تک صفتِ مریم میں میں نے پردرکش پائی۔ پھر مریم کی
 طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفس کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے
 حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زائد نہیں
 بذریعہ الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں
 ابنِ مریم ٹھہرا۔ یعنی مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے اور درِ ذرہ
 تنہا کھجور کی طرف لے آئی۔

کشتی نوح ص ۲۷ مصنف مرزا غلام احمد

بعض نادان شیعہ نے جنہوں نے حسینؑ کی پرستش کو اسلام کا منہ
 سمجھ لیا ہے ہمارے رسالہ دافع البلاء کے دیکھنے سے بہت زہر
 اگلے ہے اور گالیاں دے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ
 یہ شخص امام حسین سے افضل ہو۔

افسوس یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ قرآن نے امام حسین کے رتبہ البیت کا بھی نہیں دیا بلکہ نام تک مرکوز نہیں ان سے تو زید (غلام احمد) ہی اچھا رہا جس کا نام قرآن میں موجود ہے۔ حق تو یہ ہے کہ کانِ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنَ الرِّجَالِ لَکُمْ کی آیات میں اس تعلق کو جو امام حسینؑ کو آنحضرت صلعم سے بوجہ پسردختر ہونے کے تھا۔ نہایت ہی ناپید کر دیا۔ لیکن میں مسیح الوعد نبی اور رسول ہوں۔ اب سوچنے کے لائق ہے کہ امام حسین کو مجھ سے کیا نسبت ہے۔

نزول المیسح ص ۱۲

(مصنف مرزا غلام احمد)

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا محمد صلعم سے کوئی بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد صلعم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔

خطبہ بشیر الدین محمود

الفصل ۱۶۔ جون ۱۹۲۲ء ص ۵

اب جو تید کہلاتا ہے۔ اس کی سیادت باطل ہو جاتی ہے۔ اب وہی تید ہوگا، جو حضرت مسیح الموعود (غلام احمد) کی اتباع میں داخل ہوگا۔ اب پرانا رشتہ کام نہیں آئے گا۔

قول الحق ص ۱۲

مصنف بشیر الدین محمود

حق یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت ان دنوں میں یہ نسبت ان سالوں کے اعلیٰ اور اکمل اور اشد ہے بلکہ بدرکامل چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔

خطبہ الہامیہ ص ۱۸۱

(مصنف مرزا غلام احمد)

حضرت مسیح الموعود کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا۔ اس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی ہے۔ اور یہ جزوی فنیت ہے جو حضرت مسیح الموعود کو آنحضرت پر حاصل ہے۔

رسالہ ریلویہ - قادیان

مئی ۱۹۲۹ء

ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر نبی کریم کے بعد حضرت مرزا (غلام احمد) صاحب ایسے نبی ہیں کہ ان کا ماننا ضروری ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب کا کلمہ کیوں نہیں پڑھا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا۔ پس جب بروزِ رنگ میں مسیح موعود خود مہم الرسول اللہ ہی ہیں جو دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے تو ہمیں کسی نئے کلمے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو پھر یہ سوال اٹھ سکتا تھا۔

کلمۃ الفصل ص ۱۱

مصنف شیخ بشیر احمد ایم۔ اے

حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔
اس میں ایسے لفظ رسول اور مُرسل اور نبی کے موجود ہیں چنانچہ میری
نسبت یہ وحی اللہ ہے محمد الرسول اللہ اسی وحی الہی میں میرا نام محمد
رکھا گیا اور رسول بھی۔

(ایک غلطی کا ازالہ مٹا مصنفہ غلام احمد)

منم مسیح زماں دمنم کلیم خدا
منم محمد داحمد کہ مقبلے باشد
تریاق القلوب مٹ تخم خور
نزدل المیع ص ۹۸ مصنفہ مرزا غلام احمد

میں ابراہیم ہوں۔ اب میری پیروی میں نجات ہے۔ خدا نے
میرا نام ابراہیم رکھا ہے جیسا کہ فرمایا۔
سَلَامٌ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ صَافِیًا وَنَجِیًّا مِّنَ الْغَمِّ وَتَحْذُوْمِنَ
مَقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مَصْلٰی۔

یعنی سلام ہے ابراہیم پر۔ یعنی (غلام احمد) اس عاجز پر ہم نے اس
سے دوستی کی اور ہر ایک غم سے اس کو نجات دلائی اور تم پر جو پیروی
کرتے ہو۔ تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں کی جگہ بناؤ۔ یعنی کامل
پیروی کرو تاکہ نجات پاؤ۔

یہ قرآن کریم کی آیت ہے اور اس مقام پر یہ معنی ہیں کہ یا ابراہیم
جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس طرز پر بجالاؤ اور ہر
ایک امر میں اس کے نمونے پر اپنے تئیں بناؤ۔ یہ آیت اس طرف اشارہ
کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جاتیں گے، تب

آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم (غلام احمد) کا پیرو ہوگا۔

ضمیمہ تحفہ گولڑویہ مصنفہ مرزا غلام احمد ص ۱۱
(مطبوعہ بار دوم)

آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے۔ عیسائی مشنریوں نے عیسیٰ ابن مریم کو خدا بنایا اور اس نے اس مسیح کے مقابل پر جس کا نام خدا رکھا گیا۔ خدا نے امت میں سے مسیح الموعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔

دافع البلاء ص ۱۱

جو دجی و نبوت کا جام ہر نبی کو ملا۔ وہ جام مجھے بھی ملا ہے۔ بنیاد میں اپنی دجی کو مثل قرآن منزا اور کلام مجید سمجھتا ہوں۔ اگرچہ لاکھوں انبیاء ہوتے ہیں لیکن میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں جو یقین عیسائی کو انجیل پر ہے۔ موسیٰ کو تورات پر ہے۔ آنحضرت کو قرآن پر تھا۔ وہی یقین مجھے اپنی دجی میں ہے جو کوئی اس کو ناحق کہے وہ یقین نہ ہے۔

(نزول المسیح ص ۹۹ مصنفہ غلام احمد)

خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے۔

چشمہ معرفت ص ۳۱۷ (مصنفہ مرزا غلام احمد)

خدا تعالیٰ اپنی پاک وحی میں مسیح الموعود (غلام احمد) کو محمد رسول اللہ
کہہ کر مخاطب کرتا ہے حضرت مسیح الموعود کا آنا بعینہ محمد رسول کا دوبارہ
آنا ہے۔ مسیح الموعود کو عین محمد ملنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔
اور یہی وہ بات ہے جو احمدیت کی اصل اصول کہی جاسکتی ہے۔
اخبار الفضل، اگست ۱۹۱۵ء

قادیان میں اللہ نے پھر محمد صلعم کو اتارا ہے۔
کلمۃ الفضل ص ۱۱ تختی خور و ایڈیشن دوم
بشیر احمد ایم۔ اے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ دوبارہ حضرت محمد رسول ہی آتے ہیں اگر
محمد رسول اللہ پہلے نبی تھے تو اس حیثیت میں بھی اگر محمد رسول اللہ
کے انکار سے پہلے انسان کافر ہو جاتا تھا تو اب بھی آپ کے
انکار سے انسان ضرور ضرور کافر ہو جائے گا۔ ہم (احمدیوں) نے
مرزا (غلام احمد) کو بحیثیت مرزا نہیں مانا بلکہ خدا نے اسے محمد رسول اللہ
فرمایا ہے۔

ہم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کیونکہ ہم اگر ساری جائیدادیں سائے
اموال اور جانیں قربان کر دیتے تو بھی صحابہ کرام میں شامل نہ ہو سکتے۔
یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ غوث۔ قطب، ولی جتنے بزرگ امت محمدیہ
میں گزرے ہیں ان کا ایمان صحابی کے ایمان کے برابر نہیں ہو سکتا۔
اور اس شرف کو نہیں پاسکتے جو صحابہ عظام نے پایا ہے کیونکہ انہیں
محمد رسول اللہ کا چہرہ نہیں دیکھا۔ مگر اللہ نے ہمیں محمد کا چہرہ مبارک

دکھایا کہ اس کی محبت مستعار کر کے صحابہ کرام کے گروہ میں شامل کر دیا!

تقریر مفتی اعظم قادیانی

مولوی سرور شاہ اخبار الفضل، ۲۲ ستمبر ۱۹۱۴ء

آخری گزارش! چودھری صاحب! گذشتہ پندرہ وارہ سے آپ کو ایک نغال جماعت کے رہنما کی حیثیت سے قادیان کے احوال و واقعات سے آگاہ کر چکا ہوں۔ خانگی مصائب اور دشمنی کے بغیر آخری گزارش کر رہا ہوں۔

قادیان انگریزی راج میں ایک الگ شخصی ریاست بنی ہوئی ہے۔ غلام احمد آنجنمانی اور موجودہ وقت میں اس کا بیٹا بشیر الدین اس ریاست کے مالک اور حکمران ہیں۔ غیر محرم عورتوں سے زبردستی اخلاط قادیان کے قانون کی اولین شق ہے۔ آگے چل کر آپ کو اس گندگی کے ڈھیر سے اور بہت کچھ حاصل ہوگا۔

قادیان کے پوپ پادریوں کی نفسیاتی خواہشات پر نہ جانے کس قدر معصوم عصمتیں بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کی اقلیت کے معاشرتی بائیکاٹ اور ان پر تشدد و قتل و غارتگری کا سلسلہ شب و روز جاری ہے۔ مقامی حکام کے ہاں اقلیت کی کوئی دادرسی نہیں۔

چودھری صاحب! میری ان گزارشات کے بعد اگر مجلس احرار نے اس طرف توجہ نہ دی تو میدانِ حشر میں آپ سے پرسش ہوگی۔ آج کے بعد میں اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہوں۔“

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ آخری الفاظ کہتے ہوئے مولانا مباہلہ کی آواز بھر آئی تھی۔

قادیان کے حالات و واقعات سننے کے بعد مفکرِ احرار چودھری انھل حق نے ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل جواب مولانا مباہلہ کو دیا۔

چودھری فضل حق کا جواب

مولانا! میں
نے ایک

ہفتہ پوری توجہ دے کر آپ کی طرف سے دی گئی دستاویز کا مطالعہ کیا ہے۔ مسئلہ کی نوعیت تو الگ رہی۔ یہ شخص (مرزا غلام احمد) تو کوئی مجبوظ الخواس معلوم دیتا ہے اسے تو کسی پاگل خانے میں ہونا چاہیئے تھا۔ تمام دستاویز میں سوائے انگریز کی جاسوسی کرنے کے کوئی بات عقل کی اس نے نہیں کی۔

مجلسِ احرار کے فرائض میں ہے کہ اولین فرصت میں قادیانی تحریک کو اسلام اور وطنِ عزیز کی آزادی کے لئے برصغیر سے ختم کرے۔ ہفتہ بھر کی سوز و گداز کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علمائے دین کو کیا ہو گیا کہ وہ اپنے گریبانوں کی دھجیاں توڑا رہے ہیں مگر غلام احمد کی تحریک اور اس کی تحریروں کی طرف سے غافل رہے جس میں توہینِ انبیاء کا کھلم کھلا پہلو نکلتا ہے، خصوصیت سے وہ اپنے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی کہتا ہے۔ دراشت الانبیاء کے دعویدار آپس میں دست و پا کر رہے ہیں ہونے کی بجائے اس پاگل کی طرف متوجہ کیوں نہ ہوتے۔ یہی مجلسِ احرار تو ملک کی آزادی کی جنگ لڑنے کے ساتھ قادیانی تحریک کو ختم کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ ہم اس فرقہ باطلہ کے نبیثیت انسان مخالف نہیں نہ اس کی عزت و آبرو کے دشمن ہیں لیکن ان کے فریب اور دجل و تبلیس سے

مسلمانوں کو بچانا ہمارا فرض ہے۔ مرزائی سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھائیں لیکن ان کا مذہبی اور معاشی مقاطع کر کے نہ صرف علیحدہ اپنی قوت تعمیر کرتے بلکہ مسلمانوں کی اپنی وحدت کو پارہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ خواہ ظلی ہو یا بر دوزی نہ صرف اسلام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں میں انتشار عظیم پیدا کرنے کا باعث بھی ہے۔
 ”یہ برٹش امپیرلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔ مسلمانوں میں نفقہ کالم کے طور پر کام کرتے ہیں۔“

ان کا وجود مسلمانوں کی داخلی زندگی کے لئے اسرائیل سے زیادہ خطرناک ہے، انہوں نے انگریز کی غلامی کو طول دینے کے لئے اپنی نبوت کا کھڑا کر چاکر الہام کی زبان میں سندھیا کی ہے۔ انگریزوں نے ان کے فرقے سے مسلمان ملکوں میں جاسوسی کا کام لیا ہے انہیں مسلمانوں کی جمیعت سے ہدف کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کا وجود نہ صرف مسلمانوں کے تمام فرقوں کی نظر میں خارج از اسلام ہے بلکہ ان کی اپنی تحریروں میں درج ہے کہ یہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں جب یہ تمام مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تو ان کی جماعت میں شامل ہونے پر مصر کیوں ہیں۔

انہوں نے مسلمانوں کی مقدس اصلاحات کو اپنے حواریوں اور گماشتوں پر استعمال کر کے نہ صرف ان الفاظ کی قدر و قیمت کو ہلکا کیا بلکہ اس کے تقدس اور پاکیزگی کو بھی نقصان پہنچایا۔



چودھری فضل حق

احرار کا قادیان میں داخلہ

احرار کی سرشت میں انگیزہ دشمنی اور اسلام سے محبت کے سوا کوئی مزید جذبہ کا فرما نہیں اس رستے کی ہر دیوار سے ٹکراتا اُن کا مقصد حیات تھا۔ اس راہ کی کئی منزلیں وہ طے کر چکے تھے کہ معاً ان کی نظر قادیان پر پڑی۔ پلٹ کر دیکھا تو اپنی آنکھ کے نیچے کائنات کا شیر بن کر راستہ روکے ہوئے تھا۔

دانشوروں کی تاکید ہے کہ بات کرنے سے پیشربات کی تحقیق اور اس کا وزن کر لو۔ بعض اوقات حقیقت بھی افسانہ ثابت ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر مجلس احرار کے رہنماؤں نے بڑے کے گھر حملہ آور ہونے سے پیشتر اس کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ اس کے لئے چار گنہگار کن قادیان بھیجے۔ اُن کے ذمہ تھا کہ اجنبی کی حیثیت سے قادیان میں گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لیں۔ مگر

”کوئی اشتعال انگیز بات نہ کریں اگر اشتعال انگیزی ہو تو خاموش رہیں۔ نماز بھی انہیں کی مسجد میں پڑھیں۔ مرزائیوں کے علاوہ شہر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے رابطہ کریں۔ ان کے اقتصادی حالات کا جائزہ لیں۔ مرزائیوں کا وہاں کی اقلیت سے کیسا برتاؤ ہے یہ سب معلومات جمع کر کے رپورٹ کریں۔“

مگر ہوا یہ کہ جیسے ہی یہ لوگ قادیان پہنچے چور کی ڈاڑھی میں تنکے کے مصداق مرزائیوں کو ان پر شبہ گزرا۔ انہوں نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ شکاری کتے کی طرح ان کے قدموں کے نشان لیتے رہے۔ اس دوران رضا کاروں سے یہ غلطی ہوئی کہ ایک دن وہ مسلمانوں کی مسجد میں چلے گئے۔ ابھی وہاں اذان شروع

کی ہی تھی کہ لٹھ بند مرزائی غنڈوں نے انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا انہیں اس قدر مارا کہ وہ موت سے تو ہرج گئے مگر کتنی ہفتے بٹالہ ہسپتال میں پڑے رہے۔

اس سے پیشتر کے واقعات بھی قابل ذکر ہیں۔

”انجمن شباب المسلمین بٹالہ کا سالانہ جلسہ تھا، جلسے کے اختتام پر مسلمانان بٹالہ نے اپنے علما کا ایک وفد تبلیغ کے لئے قادیان بھیجا۔ جب مرزائیوں کو علما کی آمد کی اطلاع ملی وہ ان پر ٹوٹ پڑے، اس قدر مارا کہ علما ہولناں ہو گئے، ان کا بند بند ٹوٹ گیا۔ اس کی رپورٹ پولیس میں لکھوائی گئی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔“

۱۹۲۶ء میں قادیان کے مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ کے نام پر اپنا ایک جلسہ کرنا چاہا۔ اول تو ضلعی حکام نے بڑی مشکل سے اجازت دی مگر بعد میں مرزائیوں کے دباؤ سے جلسہ ملتوی کر دیا اور تاکید کی کہ آئندہ کوئی مسلمان قادیان میں جلسہ نہیں کرے گا۔

اس کے باوجود قادیان کے مسلمانوں نے جوأت کی تو مرزائی لٹھ بند وہاں پہنچ گئے جلسہ میں ہنگامہ بپا کیا اور اٹا انتظامیہ نے مسلمانوں کو اپنی حراست میں لے لیا اس طرح جلسہ ختم کرنا پڑا۔

۱۹۲۹ء کو انجمن اسلامیہ قادیان نے پھر جلسہ کرنا چاہا۔ اس میں امرتسر سے مولانا ثناء اللہ سمیت لاہور اور بٹالہ سے علما قادیان پہنچے۔ مولانا ثناء اللہ نے غلام احمد آنجنائی سے اپنے مباہلے کا ذکر کر دیا پس پھر کیا تھا، مرزائی کپڑوں سے باہر ہو گئے، جلسے کے سائبانوں کی طنابیں کاٹ دیں گیس توڑ دیتے، علمائے دین پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ مسلمان عوام بھی زخمی ہوتے۔

اس طرح قادیان میں دجالی ٹوٹے نے اپنے ہاں ایک مستقل تنظیم قائم کر لی تاکہ مسلمان یہاں آکر جلسہ نہ کر سکیں۔ اس تنظیم کا انچارج ابن دجال کا سالانہ جلسہ سالار جنگ کا خطاب دیا گیا۔

شہر سوم (قادیان) کے دستور

اپنی اکثریت کے زعم میں مرزا یوں نے قادیان میں حوام کو پریشان کرنے اور انہیں اپنے مذہب باطلہ پر لانے کے لئے عجیب و غریب دستور وضع کیا ہوا تھا اس ضمن میں نام نہاد خلافت دجالیہ کی طرف سے تجارتی معاہدہ کے نام پر شہر کے دکانداروں کو لائسنس قیماً دیا جاتا تھا جس میں درج ہوتا۔

و "میں مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام احمد کوں گا۔
و میں قادیان میں مسلمانوں کے کسی جلسہ میں شریک نہیں ہوں گا۔
و میں قادیان میں مسلمانوں کا کوئی جلسہ نہیں کراؤں گا جس میں مسلمان علماء بلا تے جاتیں۔

و میں کسی غیر احمدی سے کاروبار نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے سودا خریدوں گا، جس کے پاس تجارتی معاہدے کا لائسنس نہیں ہوگا۔

یہ معاہدہ فریم کرا کر ہر دکاندار نے دکان سے باہر لگایا ہوا تھا جس دکان پر یہ معاہدہ آدینا نہ ہوتا مرزائی اس سے سودا نہیں خریدتا تھا، اٹا یہ شرارت کرتا، مثلاً دیکھنا کہ اس دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا وہاں جا کر سودا خریدتے، پیسے دیتے وقت دکاندار سے پوچھتے آپ کے پاس تجارتی معاہدہ نہیں ہے؟ دکاندار نے اگر انکار کیا تو فریدا ہوا سودا داپس کر دیتا اسی طرح کپڑے کی دکان پر جا کر بزاز سے کپڑے کا بھاد چکا کر تھان سے دو چار گز کپڑے کا ٹکڑا الگ کر داتے

اُسے باندھ کر رقم دیتے وقت دکان پر ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر پوچھتے کہ آپ نے دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا رکھا۔ جی ابھی نہیں لیا ہے۔ اچھا تو پھر یہ کپڑا واپس کر لیں۔

بددہلی (ضلع سیالکوٹ) کا ایک نوجوان محمد فاضل اپنی بہن سے ملنے قادیان گیا اس کا بہنوئی مرزائی ہو چکا تھا۔ جو نام نہاد مسجد اقصیٰ کے قریب گوشت کی دکان کرتا تھا۔ اُس کا بہنوئی مولابخش جب کبھی بکرے باہر خریدنے قریب کے گاؤں میں جاتا تو محمد فاضل دکان پر بیٹھ جاتا۔ نماز کا وقت ہوتا تو وہ مسلمانوں کی مسجد میں چلا جاتا۔ اس پر مرزائیوں کو شبہ گزرا کہ یہ مرزائی نہیں۔ آفر باتوں باتوں میں پتہ چل گیا کہ محمد فاضل واقعی مرزائی نہیں۔

امور عامہ میں اس کی باقاعدہ رپورٹ کی گئی کہ محمد فاضل غیر احمدی ہے اور احمدی اس سے گوشت خریدتے ہیں جب کہ اس کے پاس تجارتی معاہدہ بھی نہیں ہے۔ یہ رپورٹ ابنِ دجال تک پہنچی تو محمد فاضل کو اس کے سامنے پیش کیا گیا وہاں اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ مرزائی نہیں ہے اس پر پہلے اسے کئی لالچ دیے گئے پھر مارا پیٹا کہ وہ مرزائی ہو جائے۔ محمد فاضل بابر انکار کرتا رہا۔ جب وہ کسی طرح نہ مانا تو اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ چیخ اٹھا۔ اس موقع پر اُس کی آواز دبانے کے لئے اس کا گلا دبا دیا گیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ اہلیسی غنڈوں نے شور مچا دیا کہ محمد فاضل نے چھت سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی ہے۔

پولیس کو اطلاع دی گئی وہ موقع واردات پر پہنچی انہیں زمین پر خون بھی نظر آیا لیکن دولت اور انگریز کی حمایت نے یہ خون بھی پانی پانی کر دیا۔ متذکرہ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزائی تجارتی معاہدے پر کس قدر متشدد تھے۔ ان حالات میں دکاندار کو لامحالہ تجارتی معاہدہ لینا پڑتا۔

مرزائیوں نے اپنے لیڈر ابن دجال کے سامنے منہ بویٰ معاہدہ
ایک اور معاہدہ کیا ہوا تھا۔

میں اپنے لیڈر کے سامنے اُس عہد کو دہراتا ہوں کہ
میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ
نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز فرمایا ہے میں اس حکم کے پورے
کرنے کے عہد پر ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس
مقصد کو کبھی بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا اور اپنے
بیوی بچوں کو اور اگر خدا کی مشیت یہی ہو تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس
بات کے لئے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے اصول پر چھوٹی اور
بڑی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی اور اس کو پورا کرنے کی
توفیق عطا فرما۔

مندرجہ بالا تحریر ہر مرزائی کے گھر بطور کیلنڈر کے دیواروں پر
آویزاں رہتی تھی۔

ان خود ساختہ ابلیسی قوانین نے وہاں کے مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو مجبور کر دیا کہ
وہ اپنی گزربسر کے لئے دجالی احکام کی تعمیل کریں، اس کے خلاف اگر کوئی آواز
حلق سے نکلے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

ابلیس کے پالتو ہمہ اوقات گلی محلوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔
برصغیر کی حقیقی ریاستوں میں بھی ایسے متشدد آئین نہیں تھے جیسے قادیان میں۔
حالانکہ یہ آئینی ریاست نہیں تھی بلکہ انگریز کی عملداری کا ایک حصہ تھی، چونکہ انگریز
کو اس گروہ سے سیاسی اغراض وابستہ تھیں اس لئے علاقہ کی پولیس اور ضلعی حکام
انسانی لہو کو پانی سمجھ کر پی جاتے۔

حالات کی جانچ پڑتال کے بعد دجالی

کانٹوں میں پھولوں کی تلاش

مرکز میں عملی مداخلت سے پہلے ایسے

احباب کی تلاش بھی لازم تھی جو باطل کا کھلے دل سے سامنا کر سکتے۔ یہ کام گواہان نہیں تھا۔ چراغ لے کر ڈھونڈنے والی بات تھی، تاہم پاسبان مل گئے، کعبے کو صنم خانوں سے، ورنہ کفر کی اندھیر گردی میں ایمان کی روشنی کہاں، بہر حال ڈھونڈنے والے اندھیرے میں بھی راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں جہاں چاند کی روشنی نہ ہو وہاں جگنو کی چمک کام دے جاتی ہے۔

دجالی ٹولے کی فرستہوں سے علاقے کا مسلمان پریشان تھا، لیکن کوئی

دیوار نہیں تھی جس کی وہ پناہ لے سکیں۔ جیسے ہی انہیں مجلس احرار سے متعلق اطلاع ملی کہ ان کی توجہ کفر گڑھ کی طرف ہو رہی ہے تو ان کے ایمان کی حرارت آتش فشاں ہو کر باطل پر ٹوٹ پڑی۔

یوں تو بٹالہ سے گورداسپور تک اچھی خاصی کھیپ میسٹر آئی جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ تاہم قادیان کے جن مسلمانوں نے دجال کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ان

میں،

پیر سید چراغ شاہ، مولوی رحمت اللہ مہاجر، خواجہ عبد الحمید بٹ، مہر دین آتش باز، امان اللہ زرگر، اس کا بیٹا فیض اللہ، مسجد شیخان کے امام مولانا محمد عبد اللہ، شیخ برادری کے غازی عبدالحق، شیخ

خواجہ عبد الحمید بٹ



عبدالعزیز، موضع بھانپڑی (قادیان سے متصل) کے محمد یعقوب اور
اُن کا بھائی۔

۷۔ دل جلے یوں دلوں کا ماجرا کہنے لگے
جو نہ کہنا تھی وہ باتیں بر ملا کہنے لگے

۷۔ بے خطر کو دپڑا آتش نمرود میں عیش
قادیان میں احرار کا نفرنس | احرار کی نظر میں انگریز کی مخالفت ایمان
کا جزو تھا۔ اس مقصد میں وہ بہار سے ٹکرا جیتے، پھر جب کہ فرنگی حکمرانوں
نے ان کے گرد و پیش (پنجاب میں) اپنے استحکام کے لئے قادیانی ایسا خاں دار
پودا لگا رکھا تھا جو ایمان کے ساتھ وطن عزیز کا دامن بھی تار تار کر رہا تھا۔
اس کے اکھاڑ پھینکنے میں احرار کیونکر تامل کر سکتے تھے۔ بنا بریں دشمن سے پہلے
دشمن کے دوست کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا۔

دجال کے مرکز شہر سدوم میں احرار کا پہلا اجلاس کن مشکلات میں ہوا، ابلسی
قوتیں کن کن راستوں سے احرار کے سامنے آئیں اس کی تفصیل مصنف کی کتب
کا رد ان احرار اور حیات امیر شریعت میں دیکھیں۔

کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں ڈوگرا شاہی سے احرار کی لڑائی نے احرار کی
عوامی قوت میں اس قدر اضافہ کر دیا تھا کہ یہاں کی دیگر اقوام ہند متاثر ہوئیں۔
انگریز اور مرزائی کے پاؤں تلے کی زمین بھی سر کرنے لگی تھی، ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۳ء
کو احرار کا نفرنس کا اعلان ہوتے ہی ابلسی ٹولے پر قیامت ٹوٹ پڑی گئے اپنے
جنم داتا کے دروازے پر دہائی دینے، پکڑو، دوڑو، احرار قادیان میں داخل ہو
گئے، خدا کے واسطے انہیں روکو، ابلسی ٹولے کے اس دادیلے پر انگریز کو اپنی
روحانی اولاد کے بچاؤ کا خیال آیا اُس نے کانفرنس کی اجازت دینے سے انکار
کر دیا۔ بہانہ یہ کیا کہ قادیان میں مرزائیوں کی اکثریت ہے اس پر احرار نے کہا
اگر یہ دلیل درست ہے تو پھر مرزائی ہندوستان میں کہیں جلیہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہر جگہ

مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس دلیل پر مجبور ہو کر کانفرنس کی اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی قادیان سے دو میل تک دفعہ ۴۴ نافذ کر دی اس سے حکومت کا نشانہ تھا کہ اصرار جذبات اور غصے میں اس دفعہ کی خلاف ورزی کریں گے اور گرفتار ہو جائیں گے۔

زعمائے اصرار نے حکومت کے اس ارادے کو اس طرح شکست دی کہ قادیان کا متنازعہ فی علاقہ چھوڑ کر الشیرنگھ نامی سکھ کی زمین پر کانفرنس کرنے کا ارادہ کر لیا جس کی پیش کش اس سکھ نے از خود اصرار کو کی۔ مرزائیوں کو جب پتہ چلا تو انہوں نے پہلے منت سماجت کی پھر دباؤ ڈالا۔ جب دونوں طرح ناکام ہو گئے تو سکھ کی زمین کے ارد گرد جہاں مرزائیوں کی زمینیں تھیں انہوں نے راتوں رات اپنی زمینوں کے گرد دیوار کر دی۔ مرزائیوں کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ مرزائیوں کی اس حرکت کا جب مقامی ہندوؤں کو پتہ چلا انہوں نے اپنی اراضی کی پیش کش کر دی۔ یہ جگہ قادیان سے مغرب کی جانب دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی جسے اصرار نے منظور کر لیا۔

دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے مرزائیوں نے اپنی اکثریت کی بنا پر صرف شیطان سے دوستی کی مگر انسانوں سے دشمنی کو جائز سمجھا اس پر قادیان کا ہر غیر مرزائی خواہ وہ کسی مذہب سے متعلق تھا مرزائیوں کے خلاف تھا۔ اصرار کے اقدام کو خدائی امداد سمجھ کر اصرار کی حمایت کی۔

اس طرح آذر کے بت خانے پر اصرار نے پرچم تو حید بلند کیا۔

میدان بدر میں کفر اور ایمان کے آمنے سامنے ہونے اور اس جنگ کے نتیجے کا مطالعہ کریں تو بات سمجھ لینے میں آسانی ہوگی۔

کبھی کبھار نظامِ فطرت کا احاطہ عقل انسانی سے ممکن نہیں ہوتا۔ جھوٹ جب سچائی کو لٹکا رہا ہے تو آئین فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ سچائی کو جھوٹ کے مقابل میدان میں آنے کی از خود دعوت دے۔

میدان بدر میں اصحاب رسولؐ خود نہیں آئے بلکہ مدینہ کی پُر امن بستی پر عمر بن ہشام (الوجہل) کی افواج باطلہ سامانِ حرب سے آراستہ حملہ آور ہوئی تھی اگر ایمان اس لمحے لوہے کی دیوار بن کے سامنے نہ آجاتا تو شاید کاروبارِ خداوندی میں تعطل کا امکان تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لات و ہبل کے سچاریوں کو دارِ ثکانات نے مزید مہلت دینا مناسب نہ سمجھا۔

باوجود کہ سامانِ حرب سے پوری طرح لیس ہزاروں کی تعداد میں باطل مسلح تھا جب کہ توحیدی پرچم کے وارث صرف تین سوتیرہ اور وہ بھی ضروریاتِ جنگ سے تھی دامن۔ لیکن ان کے ساتھ وارث کون و مکان کی اعانتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور اصحابِ رسولؐ (صلعم) کا اپنا جذبہ ایمانی تھا۔ اس پر میدان بدر میں کفر کا جو مشر ہوا یہی حشرِ دجالِ بلا تشبیہ دجالِ قادیان کی امت کا احرار کے مقابل ہوا۔ جبکہ احرار ہر طرح تھی دامن تھے، سوائے ایمان کے جبکہ انگریز کی قوتِ دجالِ قادیان کی پشت پناہ تھی۔

پس یہیں سے دجالِ قادیان سے احرار کے ٹکراؤ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دجالِ قادیان غلام احمد نے برطانوی پرچم تلے خاتم الانبیاء کے مقابل آنے کی جو جسارت کی ہندوستان کا غلام مسلمان بے سرو سامانی کے عالم میں اس کا کیوں کر فائدہ کر سکتا تھا۔

۱۔ غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمیریں نہ تدبیریں
لیکن خالقِ کائنات کو منظور نہیں تھا کہ جو سورج اس نے حق کے لئے طلوع کیا ہے ایسی سورج کی کرنیں کسی طرح بھی اُس پر غلبہ حاصل نہ کر سکیں چنانچہ ایک لومار کے بیٹے (مولانا عبد الکریم مباحثہ) کو جو دجال کے ہاں پر دان چڑھا یہیں تعلیم حاصل کی پھر اسی کے ہاتھوں دجالِ قادیان کے فریب کی چادر کی دھجیاں اڑا دیں۔ در نہ احرار میں کہاں طاقت تھی کہ ایک طرف وہ انگریز سے لڑتے اور دوسری طرف اس شیطانی ٹولے سے جنگ آزما ہوتے یہ بات بھی قدرت کے فیصلے میں

تھی کہ چیونٹی سے ہاتھی کو مراد دے۔

۲۶۔ جولائی ۱۹۳۴ء کو امرتسر میں احرار درکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مسلمہ کذاب کے بعد قادیان میں ایک نئے دجال (مرزا غلام احمد) نے جنم لے کر جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا ہے، نیز اس بستی کے مسلمان اور دیگر مذاہب کے عوام سے جو برتاؤ کیا جا رہا ہے، قتل و غارت گری اور بد اخلاقی کی جو داستانیں سننے اور دیکھنے میں آئی ہیں اس پر مقامی اور منظمی حکام کی خاموشی بے اعتنائی تقاضہ کرتی ہے کہ مجلس احرار کو باوجود اپنی بے سروسامانی کے اللہ کا نام لے کر قادیان میں داخل ہو جانا چاہیے اور وہاں اپنا مستقل دفتر قائم کرنا چاہیے۔

قادیان کے حالات و واقعات کی موجودگی میں احرار کا یہ فیصلہ ایک طرف اگر اہم فیصلہ تھا تو دوسری طرف بہت بڑی ذمہ داری بھی تھی۔ قادیان کے راسپوٹین کے مذبح خانہ میں ہر روز معصوم عصمتیں ابن دجال کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں۔ حکام سمیت کسی کو اس پر گرفت کی جرأت نہیں تھی۔ یہاں کوئی قانون نہیں، غنڈہ گروہ دھیانہ انداز اختیار کئے ہوئے تھے۔ ابن دجال کے پالتو بغیر کسی خوف کے لوٹ مار کر

نوٹ۔ تاریخ اور سن کی غلطی، تاریخ احرار کے مصنف چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جسے ادارہ زم زم لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس میں احرار کے قادیان میں داخلے کے عنوان پر کاتب کی غلطی سے ۱۹۳۵ء چھپ گیا ہے اور صرف ماہ جولائی کی تاریخ متعین نہیں، یہ ناشر کی غلطی ہے، اس غلطی کو درست نہیں کیا گیا، حالانکہ ۱۹۳۵ء کو قادیان کانفرنس کی تقریر کی بنا پر حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) پر مقدمہ چلا اور سزا ہوئی۔

اس غلطی کو مسلسل دہرایا جا رہا ہے، تاریخیں درست کر لیں، ذرا سی غلطی سے تاریخ کا تشخص ضائع ہو جاتا ہے۔

رہے ہیں کوچہ و بازار میں خوف و ہراس طاری ہے شرافت بے دام یک
 رہی ہے ایسے میں دہاں بیٹھ کر ان حالات کا مقابلہ کرنا جہاد اکبر سے کم نہیں۔
 اپنے لیے جان دینا آسان ہے مگر دوسرے کی جان بچانا مشکل ہوتا ہے
 ”خدا کے بندوں پر جہاں تک ہو سکے احسان کر“

ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے اس محاذ پر ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو کفنِ بڑش ہو کر
 اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے میں دریغ نہ کرے۔ علم دین کے ساتھ دنیاوی
 چلن سے واقف ہو جو شش ہو مگر ہوش کے ساتھ گو قادیان کا ماحول شرافت
 کا متحمل نہیں تھا تاہم مرمر کر جینے کا نام زندگی ہے۔

آخر تھوڑی سی تلاش کے بعد علم میں پورا اور عمل میں نچتہ آدمی مل گیا، یہ تھے ضلع
 میانوالی قصبہ چکڑالہ کے مولانا عنایت اللہ خشتی مفکر احرار چوہدری فضل حق (رحمۃ اللہ علیہ)
 ان کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

اس گناہ کے ہجوم میں مولانا عنایت اللہ کو دفاع
مولانا عنایت اللہ ختم نبوت کا کام سپرد کیا گیا۔ دارالکفر میں
 اسلام کا جھنڈا گاڑنا معمولی الوالعزمی نہیں تھی۔

مولانا عنایت اللہ کو دفتر لے دیا گیا۔ قادیان میں احرار کا جھنڈا اُٹھانے
 لگا۔ شرج جھنڈے کو دیکھ کر مرزائی رویہ ہو گئے۔ آہ ان کے سینوں
 کو توڑتی نکل گئی، ان کی آرزوں کی پامالی کا دن تھا۔ مرزائیوں نے اپنی
 امیدوں کا جنازہ نکلتے دیکھا تو سر پٹنے لگے۔ سرکار کی دلیز پر سردھر کر
 پکارے حضور قادیاں مرزائیوں کی مقدس جگہ ہے، احرار کے وجود
 سے یہ سرزمین پاک کر دی جاتے! جب مرزائیت نصرانیت کا
 آسرا ڈھونڈنے لگی تو ہم نصرانیوں اور قادیانیوں کے اتحاد کے ڈر سے
 ڈرے ضرور مگر خدا کو حامی دنا صبر سمجھ کر اس کے تدارک میں لگ گئے
 ڈرنا اور ہمت ہار دینا عیب ہے ڈرنا اور پہلے سے زیادہ چوکے ہو کر

مقابلہ کرنا بڑی خوبی ہے۔ بساط سیاست پر نرد کو بڑھا کر اس کو تنہا چھوڑنا غلطی ہوتی ہے۔ ہم نے اڈل ان احباب کی فہرست تیار کر لی جو مولانا عنایت اللہ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے یہ سعادت حاصل کرنے کے لئے ۲۴ گھنٹے کے اندر قادیان پہنچ جائیں کیونکہ مرزائیوں نے قادیان کو قانونی دسترس سے پرے ایک دُنیا بنا رکھا تھا جہاں مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں پر بلاخطا مظالم توڑے جاتے تھے، قتل ہوتے تھے مگر مقدمات عدالت تک نہ جاسکتے تھے دوسرے ہم نے فوراً مولوی عنایت اللہ کے نام قادیان میں مکان خرید دیا تاکہ مرزائیوں اور حکام کا یہ غدر بھی جاتا رہے کہ مولوی صاحب موصوف ایک اجنبی ہیں اور ان کا قادیان سے کوئی تعلق نہیں۔



مولانا عنایت اللہ

یہ گوہر مقصود اخبار مباحثہ کے قارئین میں چھپا تھا اور مولانا عبدالکریم مباحثہ ہی نے تلاش کر کے چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر مولانا عنایت اللہ نے اس اجنبی تشدد اور کافرانہ ماحول میں جس جرأت ایمانی اور دلیری سے اپنے منصب کو نبھایا یہ ان کے نامہ اعمال اور کتاب زندگی فاسہری باب ہے۔ یہاں رہ کر انہوں نے اپنے عمل، تحمل اور حکمت عملی سے اپنے اور پرانے کے دلوں میں ایسا گھرنایا کہ آہستہ آہستہ دجالی گھرانوں کے راز ہائے سر بستہ ان کے سامنے دا ہونے لگے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

مختصر وقت میں احباب کی کافی تعداد ان کے گرد جمع ہو گئی جن کے تعداد میں سے احرار کافر نس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس طرح احرار قادیان میں داخل ہوئے۔

آئیے! وہیں لوٹا چلیں جہاں سے پیچھے مڑے تھے۔

احرار کانفرنس کی تیاریوں کا ذکر ہو رہا تھا، حکومت نے آخری پابندی یہ لگائی کہ

”احرار رہنماؤں سمیت کوئی بھی رضا کار اور عوام قادیان کانفرنس میں

شمولیت کے وقت کسی قسم کے ہتھیار سے مسلح نہ ہوں۔

اس پابندی کو احرار نے قبول کر لیا۔

حکومت کی پابندیوں، دھالی شیطنت اور

مقامی عوام کے تعاون کے درمیان ۱۲ اکتوبر

کانفرنس کا پہلا اجلاس

۱۹۳۴ء کو نماز عشا کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس شروع ہوا۔ دن بھر مہمانوں

کی آمد رہی۔

ریلوے حکام نے کانفرنس سے ایک ہفتہ پیشتر اعلان کر دیا تھا کہ

”قادیان کانفرنس کے لئے امرتسر ریلوے اسٹیشن سے ۱۲ اکتوبر

کو صبح دس بجے ایک پشیل ٹرین چلائی جائے گی۔

اس اعلان کے مطابق دوسرے صوبوں اور پنجاب کے دیگر شہروں کے احرار

رہنما، عوام اور احرار رضا کار ایک دن پیشتر امرتسر پہنچنا شروع ہو گئے۔ مقامی

جماعت کی طرف سے اسٹیشن سے باہر مہمانوں کے قیام و طعام کے کیمپ لگا

دیئے گئے تھے۔ ٹھیک دس بجے احرار پشیل ٹرین امرتسر کے ریلوے اسٹیشن کے

پلیٹ فارم نمبر ۱ سے نعرہ تکبیر سے روانہ ہوئی۔ گاڑی کے انجن پر احرار کے

سرخ پرچم لہرا رہے تھے۔ گاڑی جو بیل ڈبلوں پر مشتمل تھی۔ گاڑی کے ہر دروازے

کے باہر بھی سرخ جھنڈے آدیناں تھے، سرخ وردیاں پہنے احرار رضا کار

گاڑی میں مہمانوں اور اپنے رہنماؤں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے۔ ان میں

امرتسر کے شیخ محمد صدیقی، مولانا عبدالسلام ہمدانی، مولانا عبدالغفار

غزنوی شامل ہیں۔



Ahrar Special Train from Lahore, Jullundur to Qadian.



الشیخ اسام الدین (۲) مولانا مظہر علی اظہر مولانا داؤد غزنوی پرمودی افضل حق

ٹرین میں کانفرنس کے منتخب صدر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صدر مرکز یہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوری، چودھری افضل حق، مولانا عبد الکریم مباہلہ، مولانا سید محمد داد غزنوی، احرار کے سالار اعظم سردار محمد شفیع، شیخ حسام الدین، مولانا عبدالاسلام ہمدانی، مولانا عبدالغفار غزنوی، مولانا منظر علی اظہر ایڈووکیٹ، حکیم نور الدین (لاہور) اور راقم (جانباز مرزا) سوار تھے۔

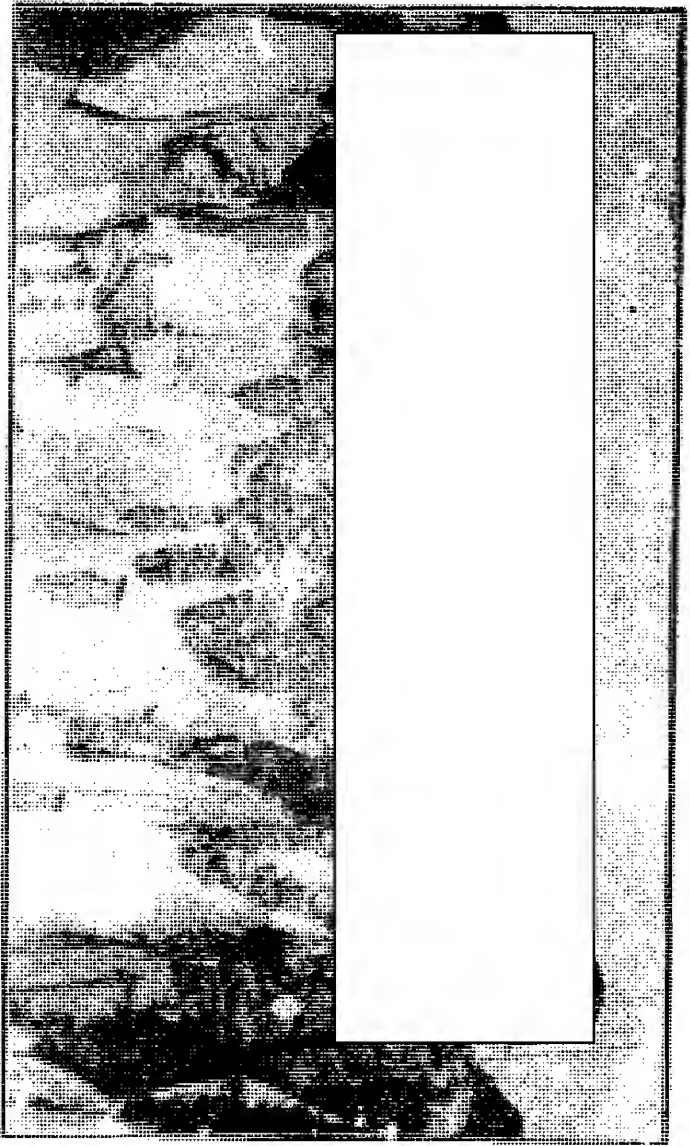
یہ پیل ٹرین امرتسر سے قادیان تک ہر اسٹیشن سے اپنے مہانوں کو سوار کرتی ہوتی قریباً تین گھنٹوں میں قادیان اسٹیشن پہنچی۔ یہاں بٹالہ کے رئیس حاجی عبدالرحمن اور ان کے بھائی حاجی عبدالغنی، مولانا عنایت اللہ چشتی اور دیگر دوستوں نے جن میں ہندو اور سکھ بھی شریک تھے، اپنے مہانوں کا استقبال کیا۔

حضرت امیر شریعت کا قادیان میں داخلے کا منظر قابل دید تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے محمود غزنوی سومات کے مندر میں داخل ہو رہا ہے۔ قادیان کا ایک ایک بت لرزا براندام تھا۔ برہمن زادے اپنے پاپ کی تصویروں میں اپنے کو برہمن محسوس کر رہے تھے۔ قادیان کا قصر خلافت اپنی ذلالت پر ماتم کناں تھا۔ معصوم عصمتوں کے اس مقل کی ایک ایک اینٹ ابن دجال کے گناہوں کی فہرست مرتب کرنے لگی۔ حوام کے دھڑکتے ہوئے دلوں سے احرار کے لئے دعائیں نکلنے لگیں۔ دہلے ہوئے جذبات ابھر کر مجرموں کی نشاندہی کرنے لگے۔ مرزائیوں کے گھروں کے بجھتے ہوئے چولہوں کی راکھ دجال قادیان کی مڑھی پر آٹو بہا رہی تھی۔ نام نہاد ہشتی مقبرے کی ہڈیاں آتش دوزخ سے کڑکنے لگیں۔

صدر کانفرنس کے قدم جیسے جیسے پنڈال کی طرف بڑھتے گئے، سہمے ہوئے دلوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگا۔

پت جھڑکا موسم ختم ہو تو بہار کے دن انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ غارِ مغیلاں بہار کے پتوں میں منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ بادِ سموم بھی انہیں

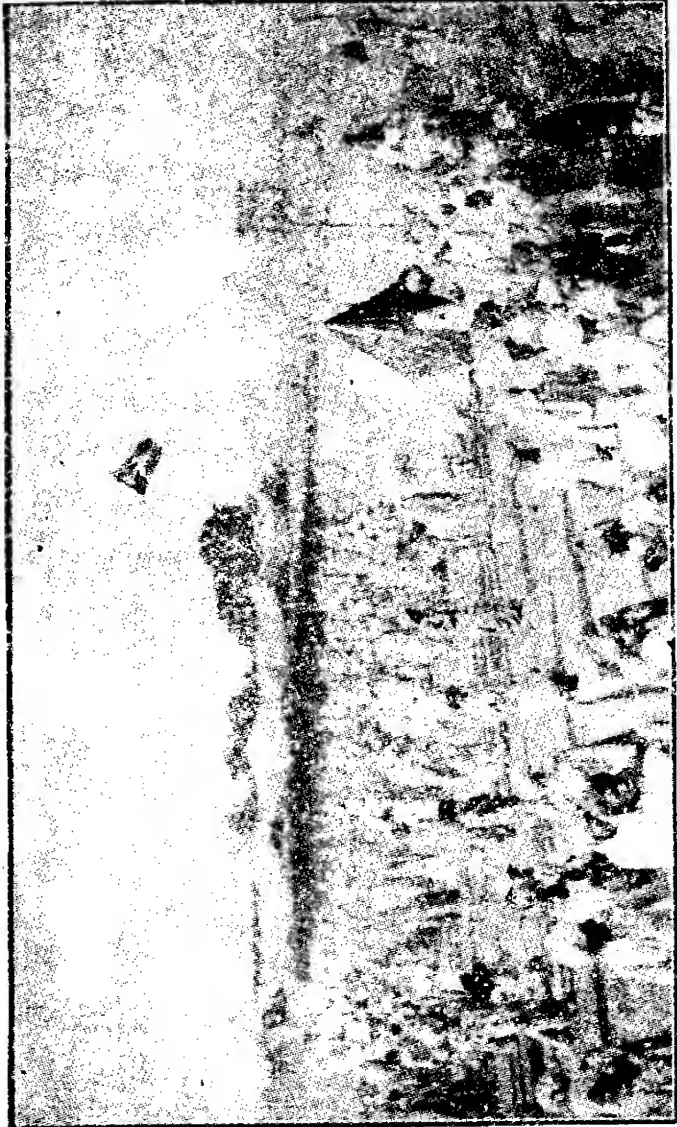
امراء تبلیغ کانفرنس قادیان کے موقع پر حضرت امیر بریلویت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیان المیثین پر



پناہ نہیں دیتی۔

برس ۱۸ برس کے تھاتے ہوئے مظلوم، ظالم کا حساب لینے کی قسمیں اٹھانے لگے۔ قادیان کے بام دور احرار کے قادیان میں داخلے پر ایڑھیاں اٹھا کر اپنے

نجات دہندہ کو دیکھ رہے تھے۔ مولانا عبدالکریم مباحثہ جسے ابنِ دجال کے استبدادی
پہنچے سے رات کی اندھیری چادر میں چھپ کر بے خانماں ہونا پڑا تھا، آج فاتحانہ
قادیاں میں داخل ہو رہے تھے، اسٹیشن سے پنڈال تک ہزاروں لوگ شاہ جی کے
قدموں تلے آنکھیں بکھار رہے تھے۔



قادیانے میں اصرار کا نفرین ۱۹۳۷ء کا پسندیدہ

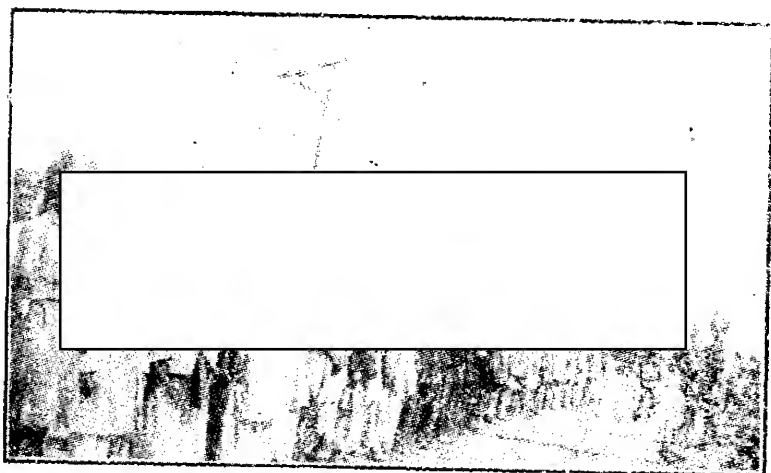
پنڈال کے آس پاس میلے کا سماں تھا۔ چاتے اور کھانے کے ہٹل اپنے مہالوں کی میزبانی کے منتظر تھے۔ فروٹ کی دکانیں، خوارچہ فروش، ریڑھی بان، اپنا اپنا سودا سجاتے لگھوم پھر رہے تھے۔

نمازِ عشا کے فوراً بعد اجلاس کی کارروائی قرآن حکیم کی تلاوت سے شروع ہوئی گو یہ اجتماع قصرِ دلالت سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا۔ مگر رات کی خاموشی نضائیں لاؤڈ سپیکر کی آواز ابنِ دجال تک پہنچا رہی تھیں۔ اسٹیج پر زعمتہ احرار کے علاوہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ظفر علی خان، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد سعید دہلوی تشریف فرما تھے۔ ابتدائیں مصنف (جانباز مرزا) نے انقلابی نظم پڑھی جس کا صرف مطلع یاد ہے۔

عجب رنگ زمانہ ہے عجب اس کی روانی ہے

کہ معمولی کلرکوں نے بنی بننے کی ٹھانی ہے،

بعد میں شاعر انقلاب خواجہ عبدالرحیم عاجز کا پنجابی کلام سنا گیا۔ ان کے بعد صدر مرکز یہ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی نے مختصر استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے کہا۔



(خطبہ مسنونہ کے بعد) ہمانانِ گرامی قدر! پہلی بات تو یہ ہے کہ احرار نے قادیان سے باہر اجلاس پر پابندی اس لئے قبول کی کہ ہمارا مقصد کسی سے لڑائی نہیں، احساسِ راد اور حکومت کی پابندی قبول کر لیں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

و خدا گواہ ہے ہم وطنِ عزیز کی جنگِ آزادی میں مصروف لوگوں نے آج تک مرزا سیت کو پنجاب کے دیگر مذہبی جھگڑوں کی طرح سمجھا اور ان میں الجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا، لیکن جیسے (وجہِ قادیان) غلام احمد کا لٹریچر ہمارے مطالعہ میں آیا تو ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ تحریکِ مرزا سیت ہمارے راستے کا عظیم کاٹا ہے اسے اولین فرصت میں نکال دینا چاہیے۔ انگریز کا وفادار نہ اسلام کا وفادار ہو سکتا ہے، نہ مذہب کا دوست۔

و مرزا سیت کوئی مذہبی جماعت نہیں، یہ سیاسی گروہ ہے اس سے ہم سیاسی لڑائی لڑیں گے۔

آخری بات، آج کے بعد احرارِ مرزائیوں سے ملک بھر میں کسی کو نہ مناظروں کی اجازت دیں گے اور نہ مباہلوں کی۔ علمائے اکرام اچھی طرح سن لیں اور سمجھ لیں۔ مناظرہ یا مباہلہ وہاں ہوتا ہے جہاں کسی بات پر کوئی شبہ ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انا خاتم النبیین لانی بعدی کے بعد اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

وَرَبِّيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا ۝ سورہ المائد آیت (۳)

قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی (صلعم) کے بعد احرار کو نہ کسی سے مباہلے کی ضرورت ہے نہ مناظرے کی۔ بس۔

اب صدر کانفرنس جانیں اور آپ۔ ان کے تعارف کی ضرورت نہیں،



مولانا حبیب الرحمن

خطبہ صدارت

رات اپنا دوسرا پہر شروع کر رہی تھی کہ صدر کانفرنس حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ اور جب تقریر ختم ہوئی تو رات اپنا سفر ختم کر رہی تھی۔ مساجد کے

میناروں سے صبح کی اذانیں سنائی دینے لگیں لیکن پنڈال میں بیٹھے ہوئے ہزاروں عوام بے خبر تھے، حالانکہ مؤذن پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ

جرم چاہے اپنے ہی بچے کا ہو۔ مگر والدین گوارہ نہیں کرتے کہ دوسرا اُسے نزا دے۔ دجال قادیان نے خاتم الانبیاء سرکارِ دو عالم (سلم) کی ذات گرامی سے



متعلق جو بکو اس کی اور انگریز کی جس انداز سے چا پوسی کنی اس سے وہ اسلام کے مروجہ اصولوں سے بغاوت اور وطن عزیز سے غداری کا کھلم کھلا ترکب ہوا تھا، اس پر ایک مسلمان محب وطن اور شریعت کا امیر کینیڈا پر چپ رہ سکتا تھا۔ حضرت امیر شریعت نے انہیں دو موضوعات پر خطبہ صدارت کا اختتام کیا۔

آئینہ ان کو دکھایا تو بڑا مان گئے

امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری

مان جانا چاہیے تھا اور نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی انگریز کی روحانی اولاد کے وارثوں کو غصہ آگیا۔ اسی تقریر پر شاہ جی کو گرفتار کر لیا گیا اور گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ مقدمہ کی اپیل پر ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور مسٹر جی ڈی کھوسلہ نے جو تاریخی فیصلہ دیا، اسے بعد میں بنیادی حیثیت حاصل ہوئی۔

قرار دادیں | ۲۲ اور ۲۳ اکتوبر کو بھی کانفرنس کے شب و روز اجلاس منعقد ہوتے رہے ہر ابلاس پہلے ابلاس سے زیادہ نمائندہ ہوتا۔ اکابر ملت نے پرجوش انداز میں دہلی قادیان کی زندگی کی پردہ دری کی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس ۲۲ اکتوبر کو صبح، مندرجہ ذیل قرار دادوں پر تقریریں ہوئیں۔

۱۔ ”چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ملت الفاطیہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص مجھے تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہے۔ اور تمام دُنیا نے اسلام کے علما مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت اور دیگر دعویٰ و عقائد کفریہ کی بنیاد اسلام سے خارج اور مرتد سمجھتے ہیں اس لئے یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام مرزانیوں کو لاہوری ہوں یا قادیانی، مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔“

محرمک۔ مولانا ظفر علی خان

مومئد۔ مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، مولانا محمد مود

ڈیردی، مولانا محمد مسلم فاضل دیوبند

۱۔ حضرت امیر شریعت کی پوری تقریر ماتحت عدالت اور مسٹر جی ڈی کھوسلہ کے تاریخی فیصلہ کی پوری تفصیل مسند کی کتاب ”نبات امیر شریعت“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ تبلیغ کانفرنس کا یہ نمائندہ اجلاس آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کے مسئلہ احتجاج کے باوجود ظفر اللہ خان قادیانی جو اپنے عقیدے کی رُو سے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا ہے اور جس کو تمام مسلمان قادیانی عقائد کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں کو دائرہ اسلام کے منظمہ میں اسلام کے نام پر رکن مقرر کئے جانے کو انتہائی رنج اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

۳۔ اس کانفرنس کی رائے میں حکومت نے متفقہ سداے انبیاء کو جو مبدل بلند ہو رہی ہے ٹھکرا کر ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات و احساسات سے بے اعتنائی حکومت کا شیوہ ہو گیا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ حکومت اپنے سیاسی مسلک کی تکمیل کے لئے قادیانیت کو فروغ دے رہی ہے اور قادیانی عقائد کو اپنی قوت سے مسلمانوں کا سرکاری مذہب بنانا چاہتی ہے جس کو مسلمانوں کی تمام مذہبی جماعتیں اسلام کے لئے ایک ہولناک خطرہ تصور کرتی ہیں۔

مسلمانان ہند کا یہ اجتماع اس عزم بالجزم کا اعلان کرتا ہے کہ جب تک حکومت چودھری ظفر اللہ خان کے تقرر کو منسوخ کر کے اپنی قادیانیت نواز پالیسی میں تبدیلی نہیں کرتی، مسلمانان ہند اپنے احتجاج کے سلسلہ کو برابر جاری رکھیں گے۔

اس کانفرنس کی رائے میں حکومت کے اس فیصلے میں دائرہ اسلام کی مجلس منتظمہ میں مسلمانان ہند کے شدید احتجاج کے باوجود چودھری ظفر اللہ خان کو مقرر کیا جائے مرفض حسین کے مشورے اور داعی کو بڑا دخل ہے جو اسلام کے ساتھ کھلی غداری ہے۔ یہ کانفرنس مرفض حسین کے اس فعل کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر

سے دیکھتی ہے اور اس کے خلاف اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتی ہے ؟
 محرک حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدرس دارالعلوم دیوبند مؤیدین
 مولانا میر محمد منظر قیوم سجادہ نشین مکان شریف ضلع گورداسپور، مولانا
 ظہور الحق شاہ کرنال، مولانا حکیم نور الدین لالپور، مولانا ظہور احمد بگڑی
 بہیرہ ضلع سرگودھا، مولانا محمد بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی، چودھری
 عبدالرحمن ایل سی راہوں ضلع جالندھر۔

اس کے ساتھ ہی ۲۴ اکتوبر رات دو بجے کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچی۔

گزشتہ پون صدی میں یہ پلا موقع تھا کہ قادیان کے اندر منعقدہ اجلاس میں
 اکابر ملت نے جمع ہو کر مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔
 کانفرنس کے دوران مرزائی چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھسے رہے۔
 گویا تین دن تک مرزائیوں کا دانا پانی بند رہا۔ اُن مسلمان جو کانفرنس میں شرکت
 کے لئے آئے تھے قادیان کے کوچہ و بازار میں بے دھڑک گھومتے پھرتے رہے۔

قرار داد نمبر ۲ کا پس منظر، ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہندوستان
 میں نئے انتخابات ہونے والے تھے۔ اُن دنوں سرفصل مین وائسرائے کی ایگزیکٹو
 کونسل کے ممبر تھے۔ پنجاب کو چونکہ انگریز کی فوجی چھاؤنی سمجھا جاتا تھا لہذا ضرورت
 تھی کہ سب سے بے کاریا سی کنٹرول انگریز کے ہاتھ میں رہے۔ ان دنوں اسرار اپنے
 سیاسی عروج پر تھے۔ ان دہکات کی بنا پر انگریز نے اپنی حکمت عملی سے
 سرفصل مین کو اپنی کونسل سے خارج کر کے پنجاب کا وزیر اعظم بنانے کے
 ارادے سے یہاں بھیج دیا اور اس کی جگہ سرفصل مین کو وائسرائے کی کونسل کا
 نمائندہ نامزد کر دیا گیا۔ احرار اس پر مضمرن تھے کہ یہ سیٹ مسلمان کی ہے
 مرزائی کونسل میں چلے جائے۔

(اس کی تفصیل مصنف کی کتاب تحریک مسجد شہید گنج میں ملاحظہ کریں)

ان دنوں دفترِ اصرارِ قادیان میں مولانا غنانت اللہ چشتی کے علاوہ خواجہ

ماسٹر تاج الدین انصاری کا تقرر

عبدالحمید بٹ المعروف قسومی کا شیمری متعین تھے۔

سیاست کی بساط پر ہر مہرے کو حرکت میں لانے میں فکر کے کئی لمحات طے کرنے پڑتے ہیں اگر مقابلے کا کھلاڑی اپنی سوتھ پر حاوی ہو تو بعض دفعہ چال چلنے میں دیر کرنی پڑتی ہے۔

گوا اصرار رہنما سیاست کے کھیل میں اناڑی نہیں تھے مگر قادیان میں ان کا سامنا دجالی ٹولے کے علاوہ انگریز ایسے دانشور سے تھا جس کے ہاتھ نے وقت کی لگام تھام رکھی تھی۔ سورج کا طلوع و غروب اسی کے گھیراؤ میں تھا۔ قادیان میں اصرار کا داخلہ اور سہ روزہ اجتماع یہ ایسے کڑوے گھونٹ تھے جو انگریز کے حلق میں نہ جانے کیسے اترے جب کہ اصرار سہان نہیں تھے کہ آتے اور چلے گئے بلکہ

۱۔ لے لیا موت نے گھر ہی تیرے بیمار کے پاس

اصرار کے مرنے پر چم کی اڑانوں نے دجالی ٹولے کی سٹیجی ٹم کر رکھی تھی اس اعتبار سے انگریز پر لازم تھا کہ وہ اپنی روحانی اولاد کی ہر آن حفاظت کرے۔ گو پنجاب میں غداروں کی کمی نہیں تھی مگر مرزائی ایمان کی حد تک حکومتِ برطانیہ کے پائے سنگھاسن تھے۔ اِدھر اصرار فیصلہ کر چکے تھے کہ سنگھاسن توڑنے سے پہلے اس کے پائے توڑنے ضروری ہیں۔

۲۔ آنے پاتے نہ کوئی تختِ نبوت کے قریب

دیکھتے خوابِ کوئین کے دربان ہیں ہم (عابد بن مرزا)

اس پر یہاں کا ماحول جس کی غالب اکثریت زہریلے سانپوں کی تھی ان کے درمیان رہ کر ایمان کے لئے زندگی تلاش کرنا تھی

مولانا غنانت اللہ چشتی نے جس شرافت میں رہ کر قادیان میں اپنے

قدم جماتے یہ انہیں کا حوصلہ تھا۔ دوست تو دوست دشمن کو بھی رام کیا، تاہم یہاں صرف شرافت سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

گلی کبھی ٹیڑھی انگلی سے بھی نکالنا پڑتا ہے۔ جماعت نے مولانا عنایت اللہ کی معادنت کے لئے کافی سوتج کے بعد ماسٹر تاج الدین انصاری کو قادیان بھیجا مناسب سمجھا۔



ماسٹر تاج الدین انصاری کی اٹھادہائی سے نجونی واقف تھے بقول چودھری افضل حق یہ سوکھی مٹی سے محل تعمیر کر دیتے ہیں، سیاسی جوڑ توڑ کے ماہر سیاست کی الٹی سیدھی راہوں پر برسوں سے سفر کرتے آ رہے ہیں۔ ایسے آدمی کا انتخاب ہی یہاں کے لئے ضروری تھا۔ یہاں پہنچ کر ماسٹر جی نے دو چار دنوں میں اندازہ کر لیا کہ راستہ اگرچہ پُر خار ہے مگر چلنا ہے۔

ماسٹر تاج الدین انصاری

قادیان شہر کے رواج میں یہ بات تھی

کہ دجالی خاندان کا کوئی ڈھیرہ اگر کسی دقت بازار سے گزرنے کو ہر دکاندار کے لئے لازم تھا کہ وہ اس کے احترام میں اپنی دکان پر کھڑا ہو کر دونوں ہاتھوں سے اسے سلام کرے۔ اسی طرح راگنزر کے لئے ضروری تھا کہ وہ دونوں ہاتھ باندھ کر راستہ کے ایک طرف بآداب کھڑا ہو جاتے تاوقت وہ دور نہ چلا جائے، راگنزر اور دکاندار بدستور کھڑے رہیں۔

ماسٹر جی نے پہلا کام یہ کیا کہ دجال کے اس رواج کی دھجیاں اڑا دیں۔ دجال قادیان (غلام احمد) کے تیسرے بیٹے شریف احمد کی عادت تھی کہ

وہ ہر روز سائیکل پر تنہا مسلمانوں کے محلہ مسجد شیخاں کے قریب سے گزرتا۔ مرزا تیوں کی آبادی اس سے ذرا ہٹ کر تھی، اس پر ماسٹر جی نے ایک منصوبہ بنایا کہ محمد حنیف نام کے ایک نوجوان کو بڑی رازداری سے ایک ہٹی پڑھائی۔

”یار حنیف تو ایک کام کر کہ جیسے ہی شریف احمد اس راستے سے گزرے تو اُسے گرا کر دو چار ڈنڈے اُس کے چوڑوں پر مار کر فلاں جگہ جا کر چھپ جا۔ باقی ہم جانیں ہمارا کام“

اس نے ایسا ہی کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ شہر میں ہرام بھج گیا کہ شائر اللہ کی قومین ہو گئی (گویا مرزا تیوں کے نزدیک شریف احمد کے چوڑے شائر اللہ تھے۔ (لاحول ولاقوتہ) جس شہر میں اس خاندان کی پریشانی ہوتی تھی جس میں اس کا دہبہ تھا کہ کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اس شہر میں غلام احمد کے بیٹے کی پٹائی اور وہ بھی چوڑوں پر تاریخ قادیان میں ایسا واقعہ تھا کہ غضب ہی تو ہو گیا۔ اس واقعہ سے مرزا تیوں کے گھروں میں صغیر ماتم بچھ گئی۔ دو چار دن تو اس کا بڑا چہر چارہا۔ پولیس محمد حنیف کو تلاش کرتی رہی۔ شہر کی ناکہ بندی ہو گئی۔ ریلوے اسٹیشن پر ایک ایک مسافر پر نظر رہی۔ قادیانی آنے بہانے احرار کے دفتر میں آتے۔ ادھر ادھر تجسمانہ نظروں سے دیکھتے مگر دہاں کیا تھا یہاں تک کہ مولانا غایت اللہ تک کو خبر نہیں تھی کہ یہ پلان کس نے بنایا ہے آخر ایک رات چپکے سے حنیف کو خزانہ بنگلہ سے نکال کر گورڈ اسپور کی عدالت سے اس کی ضمانت کرا لی گئی۔

یہ آموں کا موسم تھا۔ ربانی کے بعد حنیف کو کچھ پیسے دے دیئے گئے کہ وہ منڈی سے آموں کا ٹوکرا لاکر گلی گلی بیچے۔ خصوصاً قادیانی مٹوں میں جہاں مرزائی عورتیں حنیف کو آم خریدنے کے بہانے دیکھیں۔ اس طرح اس کا اچھا خاصہ دھندہ چل نکلا مگر اس کی عمر بہت کم نکلی، جمعہ کی نماز میں دجال ابن دجال (بشیر الدین محمود) نے مرزائی عورتوں کو بلعن طعن کی کہ

”تم شعار اللہ کی توہین کرنے والے سے سودا خریدتی ہو“
 حنیف محمد کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے عدالت نے انہیں نو ماہ کی سزا

دی۔

دوسری طرف مسز ظفر اللہ کی والدہ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ روتی پٹتی
 داکٹر سائے کے پاس پہنچی اور کہا کہ

”ہمارے لئے قادیان میں قیامت آگئی ہے۔ احرار والوں نے
 وہاں ہماری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میرے بی کے بیٹے کو سیر بازار
 پٹیا گیا ہے اب ہمارے لئے قادیان کی رہائش دُور ہو گئی ہے“

ماسٹر تاج الدین انصاری کے پہلے پلان کے
 مطابق دجالی گروہ کے آفتاب کو ہلکا سا
 گرہن لگا جس کی سیاہی نے سارا وقتاریاہ
 کو دیا کہ سرعام جوتے پٹنے لگے۔ قادیانی

ماسٹر جی کا دوسرا رازند!
 رب قادیان :

آفتابوں کے حوصلے جنہیں بھوٹ فریب کی چادر نے نصف سدی سے ڈھانپ
 رکھا تھا پھٹ پھٹانے لگے۔ بازاروں میں چلتے دھنست آج ان کی گردنوں میں
 ذرا تناؤ آ گیا تھا۔

کچھ دنوں بعد ماسٹر جی نے دوسرا رازند پلایا۔

ارادہ نیک ہو تو بُرائی مٹنے کے اباب آپ سے آپ میسر آ جاتے ہیں۔
 کنج بہاری لعل قادیان کا باشندہ اور ذات کا برہمن تھا جسم پر ہمہ اوقات ریاہ
 لمبا چُنغہ اور ہاتھ میں ترشول رکھتا۔ اس کا کہنا تھا کہ
 ”اگر مرزا غلام احمد نبی ہے تو میں رب ہوں جیسے وہ جھوٹا نبی ہے
 دلیے میں جھوٹا رب ہوں“

اپنے اس لفظ کا اُس نے پنجاب بھر میں گھوم پھر کر غیب پر چہ کیا۔ ماسٹر جی
 کو جب اس کا علم ہوا تو اس کی حوصلہ افزائی اور پیٹ پر تپکی دے کر کہا

”پنڈت جی! اگر آپ صرف قادیان میں تمام دن یہ الفاظ دہرائیں تو
بڑا فائدہ ہوگا۔“

وہ جذباتی آدمی تھا۔ ماسٹر جی کے کہنے میں آکر تمام دن ہاتھ میں ترشول لئے
قادیان کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پھرتا رہتا۔ خصوصاً مرزائی محلوں میں پکار پکار
کر کہتا، اگر مرزا غلام احمد نبی ہے تو میں رب ہوں۔ جیسے وہ جھوٹا نبی ہے، ویسے
میں جھوٹا رب ہوں۔ مرزائی یہ لفظ سن کر آگ بگولا ہوتے، لیکن خاموش رہتے
اس سے اس بنگرہ خانے کی ہوا اور اکھڑی۔ اس دوران رب قادیان نے
ایک ہفت روزہ ”مشکل کشا“ کا ڈیکلریشن حاصل کر لیا۔ اس کا ایڈیٹر تو وہ
خود تھا، لیکن منہا میں ماسٹر تاج الدین لکھتے تھے۔ بابا عالم سیاح پوش جو بعد
میں پنجابی فلموں کے راسخ مشہور ہوتے اس ٹیم میں شامل ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد
حکومت نے یہ رسالہ ضبط کر لیا۔

مشترک ڈیفنس کمیٹی | قادیان کے گرد و نواح میں سکھوں کی آبادی زیادہ
تھی۔ اس پر وہ بھی مرزائیوں کے غیر اخلاقی دباؤ
میں تھے، اس کی وجہ مقامی حکام پر مرزائیوں کا اثر و رسوخ تھا۔ اس سلسلے میں سکھوں
نے قادیان میں سکھ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے اُس دور کے
مشہور سکھ رہنما بابا کھڑک سنگھ کو کانفرنس کا صدر مقرر کیا۔ قادیان میں ان کا
جلوس ہاتھی پر نکالا گیا۔ یہ جلوس جب احرار کے دفتر کے نیچے سے گزرا
تو ان پر چھوٹوں کی پتیاں پھار کی گئیں۔ اس پر سکھ بہت خوش ہوئے
اور انہوں نے احرار زندہ باد کے نعرے لگاتے۔

قادیان میں ڈاکٹر گورد بخش سنگھ کی مرزائیوں سے چل رہی تھی۔ اس بنا پر
انہوں نے مولانا عنایت اللہ کو سکھ کانفرنس میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ مولانا
نے اجلاس میں مقامی حالات کے پیش نظر سکھ مسلم اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ حالات
کا مقابلہ کرنے کے لئے مشترک ڈیفنس کمیٹی قائم کرنی چاہیے۔ بابا کھڑک سنگھ

نے اپنی مدارتی تقریر میں مرزائیوں کو متنبہ کیا کہ

”دیکھو مرزائیو! میں تمہیں آخری وارنگ دیتا ہوں کہ اگر مجھے پھر

تمہاری کوئی شکایت ملی تو میں تمہارا ہشتی مقبرہ کی بنیاد اکھاڑ کر دریائے

بیاس میں پھینک دوں گا۔ (بابا کھڑک سنگھ کی تقریر پنجابی میں تھی)

مرزائی سکھوں کے جلوس اور کانفرنس تک تو خاموش رہے لیکن بابا کھڑک سنگھ

کی تقریر پر سخت برہم ہوئے۔ اُسی شام ایک اشتہار چھاپ کر تقسیم کیا جس میں سکھوں

کی کانفرنس اور کھڑک سنگھ کی تقریر کا سارا غصہ اصرار پر نکال لیا

”اصراری مولویوں نے سکھوں کو یہاں بلوا کر ہماری توہین کرائی

ہے اور یہ ساری شرارت اصرار کی ہے۔“

حالانکہ اصرار کا کانفرنس میں کوئی دخل نہیں تھا، البتہ اپنے مقصد کے لئے

سکھوں سے ہمدردی تھی۔

کانفرنس کے موقع پر مولانا غایت اللہ کی تجویز کہ مقامی حالات کا مقابلہ

کرنے کے لئے ایک مشترک کمیٹی بنائی جاتے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کے

قادیان پہنچنے اور قادیانیوں پر ماسٹر جی کی سیاسی فائرنگ نے دجالی ٹولے

کو اپنی تمام حرکات اور حکام کی حماست کے باوجود محض مردہ لاش بنادیا تھا۔

مشترک ڈیفنس کمیٹی میں قادیان کے ہندو مسلمان اور سکھ شامل تھے۔ ڈاکٹر

گورو بخش سنگھ، خواجہ عبدالحمید بٹ، کنج بہاری لعل المعروف رب قادیان زیادہ

سرگرم کارکن تھے۔ اس کمیٹی کا یہ فائدہ ہوا کہ مرزائیوں کی طرف سے اگر کوئی ذرا سی

بھی حرکت ہوتی تو یہ کمیٹی فوراً اس کا مقابلہ کرتی متعلقہ حکام کو اس کی اطلاع دی

جاتی۔ کمیٹی کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حکام کو اپنا رویہ بدلنا پڑا۔ پہلے پولیس

مرزائیوں کی طرفدار تھی، اب غیر جانبدار سوچ رکھتی تھی۔

اصرار کانفرنس سے مشترک ڈیفنس کمیٹی کی تشکیل تک مسلمان اور دوسری

اقلیتوں نے دجالی ٹولے کے خلاف اپنے دفاع میں جو کچھ کیا اس کا ردِ عمل

تھا کہ قادیان میں مرزائیوں کی اُچھل کود، لاقانونیت غنڈہ گردی بہت حد تک ختم ہو گئی۔ اب دکاندار سے سودا خریدتے وقت لالٹنس کا نہیں پوچھا جاتا تھا۔ اب دکاندار اس گروہ کے کسی فرد کے استرام میں کھڑے نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی کوئی دھاندلی ہو سکتی تھی۔ حق اور باطل کا وقار برابر ایک ساتھ چلنے لگا تھا جب کہ پہلے حق کی بات کرنا برہم تھا۔ سانپ گومرا نہیں تھا مگر اس کی پھٹکار ختم ہو چکی تھی۔

قادیان میں تعزیتے کا جلوس | دجال قادیان اور اس کے جانشین حکم ہونے کا دلیل تھا اور یہ الزام نہیں تھا۔

تاریخ زیر نظر کتاب کے گذشتہ اور آٹھ پچھلے کہ متنبی قادیان اپنے ابتدائی ایام میں اپنے ایک اجداد، دوست مولوی محمد حسین کے ساتھ قریباً دو ہفتے لاہور چیںیاں والی مسجد میں رہا۔ اس دوران ایک جمعہ بھی اس مسجد میں پڑھایا۔ بحال یہ حقیقت ہے کہ دجالی خاندان کا یہی عقیدہ تھا۔ اس بنیاد پر قادیان کے بعض عقیدہ کے لوگ مسلمان اور مرزائی جھگڑے کو سنی مسلمانوں کی آپس کی لڑائی سمجھ کر پوری طرح مجلس اصرار کے ساتھ نہیں تھے حالانکہ دجال قادیان صاف کہتا ہے۔

ۛ صد حسین در گریبانہ

مگر اس پر بھی وہ اندر سے اصرار کی مرزائیوں سے لڑائی حقیقی نہیں سمجھتے تھے۔ نیز . . . اس کے لئے مارٹری نے دینا نگر ضلع گورداسپور کے ایک شیعہ نوجوان مظفر علی شمس کو چپکے سے قادیان بلوا کر انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ

”عشرہ محرم میں اگر آپ مقامی شیعہ بادی سے شوق کر کے قادیان میں تعزیتے کا جلوس نکالیں تو مقامی مسلمان ہرگز



آپ کے معادن ہوں گے ۔
منظفر علی شمس : صرف معادن ہوں گے ۔
یا جلوس میں شریک ہو کر ماتم بھی
کریں گے ۔

ماٹرجی : ماتم بھی کریں گے ۔
قادیان میں دفتر اصرار کے باہر خیر نامہ
کا ایک بورڈ لگا رہتا تھا جس پر روزانہ
کی خبریں لکھ دی جاتی تھیں سب دستور
آٹھ محرم کو یہ خبر لکھ دی گئی کہ
” دس محرم کو قادیان میں شہادت حسین
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ماتمی جلوس نکلے گا
مسلمانان قادیان کا فرض ہے کہ وہ اس
کے احترام میں جلوس میں شرکت کریں ۔
اس جلوس سے شیعوں کا کام ہو گیا
اور اصرار کا کام بھی بن گیا مگر مرزانیوں کی
ماں مر گئی ۔

عشق اور جنگ میں سب کچھ جانتے

شاہ جی کی گھر قمار می اور رہائی ،

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان کانفرنس

میں بطور صدر شاہ جی نے جو خطبہ دیا ،

حکومت کے نزدیک وہ قابلِ مجرم قرار دیا گیا اس پر حضرت امیر شریعت کو
دفعہ ۱۵۳ ا اور ۱۰۸ کے تحت گرفتار کر لیا گیا ۔

منظفر علی شمس

یہ گرفتاری ڈیرہ دون (بھارت) میں ہوئی۔ ان دنوں شاہ جی اپنے حرم محترم کی بیماری کے باعث مسوری میں مقیم تھے، دوسرے دن یہیں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی کو گورداسپور کی عدالت سے چھ ماہ قید سخت کی سزا ہوئی۔ اس سزا کے خلاف مجلس احرار نے گورداسپور سیشن جج مسٹر جی ڈی کھوسلہ کی عدالت میں اپیل دائر کی جس نے جون ۱۹۳۵ء کو ماتحت عدالت کی سزا کم کر کے تاہر خاست عدالت کی سزا دی۔ سیشن جج کے اس فیصلے نے آئینی اور اخلاقی طور پر دجالی گروہ کے غبارے سے ساری ہوا خارج کر دی۔

(نوٹ) اس مقدمہ کی تمام کارروائی اور ڈسٹرکٹ سیشن جج کا تاریخی فیصلہ مسند کی کتاب "حیات امیر شریعت میں" دیکھیں۔

مقدمہ بہاولپور میں فقہ اسلام کا اہم فیصلہ

اسی سال (۱۹۳۵ء)
ریاست بہاولپور

کے ڈسٹرکٹ سیشن جج نے فقہ اسلام کے تحت مرزائیت کے خلاف ایک اہم فیصلہ دیا۔ اس مقدمہ کا پس منظر یہ تھا۔

مسیان مولوی الہی بخش و عبدالرزاق باہمی رشتے دار تھے۔ مولوی الہی بخش نے اپنی دختر سمات غلام عائشہ کا نکاح اُس کے ایام نابالغی میں مسی عبدالرزاق سے کر دیا تھا۔ عبدالرزاق نے بعد میں اپنے اسلامی اعتقادات سے انحراف کرتے ہوئے مرزائی مذہب اختیار کر لیا۔ جب سمات غلام عائشہ سن بلوغت کو پہنچی تو عبدالرزاق نے اپنے سسر مولوی الہی بخش سے سمات مذکور کے رخصت کرنے کی استدعا کی، جس کے جواب میں مولوی الہی بخش نے کہا کہ عبدالرزاق چونکہ مذہب اسلام ترک کر کے مرزائی ہو چکے ہیں اور اس اعتبار سے شرعاً یہ مسلمان نہیں رہا لہذا جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہیں کرتا، سمات غلام عائشہ کو اس کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔

اس سوال پر مولوی الہی بخش اور عبدالرزاق کے درمیان جب کشیدگی کافی

بڑھی اور ایک جانب سے اصرار اور دوسری جانب سے انکار نے تکرار کی صورت اختیار کر لی تو مسات غلام عائشہ نے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مولوی الہی بخش نے بحیثیت قمار غلام عائشہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو مسی عبد الرزاق کے خلاف احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کی عدالت میں دعویٰ تین شیخ نکاح بدیں بیان دائر کیا کہ مسات غلام عائشہ عرصہ دو سال سے بالغ ہے۔ مسی عبد الرزاق نے مذہب اسلام ترک کر کے تادیانی مذہب اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو چکا ہے جس کی بنا پر مسات غلام عائشہ اس کی منکوحہ نہیں رہی، اس لئے ڈگری بجتی مسات غلام فاطمہ صادر کی جائے۔ کہ بوجہ مرزائی ہو جانے عبد الرزاق کے مسات مذکور اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی اور نکاح بوجہ ارتداد ہمراہ عبد الرزاق قائم نہیں رہا۔

یہ تاریخ ساز مقدمہ قریباً نو سال زیر سماعت رہا۔ اس دوران جن علمائے دین نے عدالت میں پیش ہو کر دجالی گروہ پر کفر کی مہر ثبت کی۔ ان میں استاد الاساتذہ شیخ المحثین امام العصر حضرت مولانا سیدانور شاہ صاحب کاشمیری شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، علامہ حضرت غلام محمد گھوٹوی، مناظر اسلام مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری جیسے مشاہیر شامل ہیں جنہوں نے عدالت میں پیش ہو کر اپنی شہادتیں قلم بند کرائیں اور فریق ثانی کی شہادتوں پر براہین و دلائل سے ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل و فریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کر کے مرزائی مذہب کو بُری طرح خنکا کیا۔

ان عظیم المرتبت علما کی شہادتوں کی روشنی میں مرزائی مذہب کو اپنی شکست واضح نظر آنے لگی تھی۔

اس دوران یہ بات بھی سننے میں آئی کہ ابن دجال نے اپنی سابقہ روایات کے تحت عبد الرزاق مدعا علیہ کو اس امید موہوم پر قتل کرا دیا کہ اس کی موت کے بعد یہ نو سالہ پُرانا قضیہ ختم ہو جلتے گا۔

اس سے ابن دجال کا منشا تھا کہ جب مدعا علیہ مرچکے تو مقدمہ داخل

دفتر ہو جاتے گا۔ مگر مقدمہ مذکور کی نوعیت شخصی نہیں بلکہ اس کا تعلق اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی تھا۔

بنابریں ابنِ دجال کا یہ فریب بھی کلدگر نہ ہو سکا اور عدالت نے، ۲۴ فروری ۱۹۳۵ء کو اپنا فیصلہ سنایا۔ جس کے تحت غلام عائشہ کا نکاح عبدالرزاق مرزائی سے فسخ ہو گیا۔ اس مقدمہ میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری کو کئی روز تک عدالت میں شہادت کے لئے کھڑے میں کھڑے رہنا پڑا۔ اختتام شہادت پر مولانا انور شاہ صاحب نے فرمایا۔

”اگر میں زندہ رہا تو اس مقدمہ کا فیصلہ خود سن لوں گا ورنہ میری قبر پر آکر سنا دینا۔ میں سن لوں گا“

اس طرح قادیان کی سیاسی بساط الٹ چکی تھی۔ ماسٹر نماز جمعہ پر پابندی | تاج الدین انصاری کو جماعت نے واپس بلا لیا۔ اب مولانا عنایت اللہ حشتی نے کام کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری خود سنبھال لی۔ ان کے ساتھ مولانا محمد حیات اور امرتسر کے جواں سال عبدالحمید بٹ المعروف صومسی کاشمیری کو معادن کی حیثیت میں قادیان میں مقرر کر دیا۔

مولانا عنایت اللہ اپنے علاقے کے کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بنابریں جماعت سے وابستگی کسی معاوضے کے ساتھ نہیں تھی تاہم قادیان میں مستقل قیام کے پیش نظر انہوں نے دفتر میں کھدر سٹور قائم کر لیا تاکہ چھوٹے خوباں سے چلی جاتے اسد

ڈسٹرکٹ سیشن جج گورداسپور اور بہاولپور کے مقدمہ نے مرزائیت کو بالکل ننگا کر دیا تھا اور برطانیہ کے اس خود کاشتہ پودے کے تمام برگ و بار جھاڑ دیئے جس سے اس خبارے کی رہی سہی ہوا بھی نکل گئی۔

متذکرہ مقدمات کے فیصلوں سے نبوتِ باطلہ کی وہ رسوائی ہوئی کہ اس یکے اندر کی فریب خوردہ شیرازہ بندی میں بغاوت کے آثار ابھرنے لگے۔

انہیں حالات کو دیکھتے ہوئے مجلس احرار نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں قادیان میں حضرت امیر شریعت کی قیادت میں نماز جمعہ کا اعلان کر دیا۔

احرار کی اندرونی اور بیرونی یلغار نے دجالی محل کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان حالات میں جب انہیں پتہ چلا کہ احرار کا قافلہ ابابیل پھر سے حملہ آور ہونے والا ہے تو پھر اپنے آقاؤں کے قدموں میں جا کر واہلا کرنے لگے۔

”اے ان داتا! دیکھو احرار والے پھر سے قادیان میں نماز جمعہ کے بہانے آرہے ہیں خدا کے لئے انہیں روکو، ورنہ تمہاری روحانی

اولاد کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ ہمارے آباد اجداد نے ۱۸۵۷ء میں تمہاری مشکلات کے دنوں میں تمہاری امداد کی تھی اور اب بھی ہم تمہارے ہیں۔“

اس کے علاوہ سر ظفر اللہ نے دائرہ رائے کے پاؤں پکڑے۔ اُس نے گورنر پنجاب سے سفارش کی کہ احرار سے ان کی جان چھڑاؤ۔ آخر حکومت پنجاب نے قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی عائد کرتے ہوئے قادیان سے پانچ میل تک دفعہ ۱۴۴ کے تحت احرار کا قادیان میں داخلہ بند کر دیا۔

۔ احرار کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اُتنے ہی یہ ابھریں گے جتنا کہ دبا دیں گے،

حکومت کو یقین تھا کہ احرار اس پابندی کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن احرار کا فیصلہ بھی تن آسان قسم کے لوگوں کا فیصلہ نہیں تھا کہ مصائب و آلام سے گھبرا کر آئیں باتیں نشا تیں کر کے ٹال دیتے اور نہ ہی یہ ساحل پر کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے والے تھے بلکہ یہ لوگ طوفانوں سے ٹکرا کر گوہر مقصود ڈھونڈنے والے تھے، جوں ہی پتہ چلا کہ حکومت نے قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی عائد کر دی ہے۔

دفتر میں موجود چہروں پر رونقی نمود کر آئی۔

۔ آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے،

حکومت کے اس فیصلے میں مرزائیوں سے زیادہ حکومت کا اصرار کی بڑھتی
ہوتی قوت کو روکنا مقصود تھا۔

۔ اسی خاطر تو موجیں آپ ٹکراتی ہیں ساحل سے

کر طوفاں بڑھتے بڑھتے واقف ساحل نہ بن جاتے (جانباز مرزا)

اسلام اپنے اصولوں پر کسی بھاد سودا نہیں کرتا اور پھر انگریز سے۔ اصرار
رہنماؤں نے اس پابندی کو توڑنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ اعلان کے مطابق حضرت
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر سے پٹھانکوٹ جانے والی ٹرین پر بمعہ
اپنے رفقاء جن میں راقم بھی شامل تھا، نوبے صبح روانہ ہوئے، بٹالہ ریلوے اسٹیشن سے
قادیان کے لئے گاڑی تبدیل کرنا تھی، یہاں سے بھی کافی دوست شاہ جی کی معیت
میں اسی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ پولیس بھی کافی تعداد میں ساتھ ہوئی جینٹی پور
اسٹیشن پر گاڑی کے رُکے ہی پولیس شاہ جی کے ڈبے میں پہنچ گئی اور انہیں لوٹ
دیا کہ

”قادیان سے پانچ میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے، لہذا بحکم گورنر

پنجاب آپ اس سے آگے نہیں جاسکتے۔“

شاہ جی، بھائی! میں صرف نمازِ جمعہ پڑھانے جا رہا ہوں، جمعہ پڑھا کر واپس
آ جاؤں گا۔

انسپکٹر پولیس، وہ درست ہے شاہ جی! لیکن مجھے افسردہ کا حکم ہے جس
پر میں مجبور ہوں کہ آپ کو روک لوں۔

شاہ جی، یہ تو مداخلت فی الدین ہے بھائی! آپ کو گورنر کا حکم ہے
مجھے میرے خالق کا حکم ہے، لہذا میں آپ کے نوٹس کو تسبیل نہیں کرتا۔
بنا بریں شاہ جی کو یہیں گہ قمار کر لیا گیا۔

گھر سے روانگی کے وقت ہی شاہ جی گرفتاری کے لئے تیار ہو کر آئے تھے سامان ساتھ تھا۔ شاہ جی کو یہیں اتار لیا گیا اور پولیس انہیں کار میں بٹھا کر لے گئی۔ بگاڑی قادیان کی طرف روانہ ہو گئی۔ راقم بھی اسی گاڑی میں تھا، چپکے سے قادیان پہنچ گیا اور مسلمانوں کی مسجد میں جا کر مختصر طور پر چند الفاظ کہے اور نماز جمعہ مولانا غایت اللہ نے پڑھائی۔

اس کار روانی سے مرزائیوں اور حکومت کے تمام کتے دھرے پر پانی پھر گیا۔ دونوں کا مدعا تھا کہ قادیان میں مسلمانوں کا اجتماع نہ ہو، مگر وہ تو ہو گیا۔

۷ مدعی لاکھ بڑا چلے کیا ہوتا ہے

حکومت نے محض مرزائیوں کی دلجوئی کے لئے یہ حرکت کی تھی
دوسرا جمعہ | ورنہ قادیان میں اگر جمعہ کی نماز ہو جاتی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی۔

۸ تصور میں چلے آئے تمہارا کیا بگڑ جاتا
 تمہارا پردہ رہ جاتا، ہمیں دیدار ہو جاتا

مگر یہاں تو نہ پردہ رہا نہ دیدار ہوا۔ حکومت کا خیال تھا کہ بات بخاری کی گرفتاری تک رہے گی، مرزائی بھی مطمئن تھے کہ بخاری کے قادیان آنے پر جو طوفان اٹھایا تھا وہ رک گیا مگر دونوں کی سوچ جو انحراف ہو گئی کیونکہ یہ تحریک باقاعدہ چل نکلی۔

شاہ جی کی گرفتاری کا اخبارات میں شائع ہونا تھا کہ دفتر اصرار میں آئندہ گرفتاریوں کی طویل فہرست مرتب کر لی گئی اور اس تحریک کا مرکز امرتسر اور بٹالہ قرار پائے، میرے لئے جماعت کا حکم تھا کہ مرکز جو نہی کسی کو نماز جمعہ کے لئے نامزد کرے راقم اس کے ساتھ امرتسر سے بٹالہ ریلوے اسٹیشن تک جائے۔

آئندہ جمعہ مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوری (دیوبند) کو نماز جمعہ کے لئے قادیان جانا تھا چنانچہ جماعتی حکم کے مطابق میں بٹالہ پہنچا۔ دوست کافی تعداد میں اسٹیشن پر موجود تھے، پولیس نے اپنے فیصلے میں ترمیم کرتے ہوئے مولانا ابوالوفا

کو بٹالہ اسٹیشن پر ہی نوٹس دے دیا کہ

”آپ قادیان سے پانچ میل اس طرف رہیں“

گذشتہ جمعہ میرا قادیان جانا، مرزائیوں اور ضلعی حکام کے لئے بڑی مذمت کا باعث ہوا۔ باوجودیکہ میرا گرفتار ہونے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر حکومت نے مجھے بھی نوٹس دے دیا، یہ نوٹس میرے لئے جیلخ بن گیا۔ پھر مولانا ابوالوفانے بھی کہا کہ وفا کا ساتھ چھوڑ جانا بے وفائی ہوگی، یہ بات بھی مجھے کھا گئی۔ چنانچہ میں نے نوٹس پھاڑ دیا اور مولانا کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جینتی پور پہنچنے پر ہم دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی وقت ڈیوٹی مجسٹریٹ نے ہمیں تین تین ماہ قید سخت اور ایک ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا دے کر گورداسپور جیل پہنچا دیا۔ یہاں حضرت امیر شریعت سے ملاقات ہو گئی۔

تیسرے جمعہ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی گرفتار ہوتے اور چوتھے جمعہ لاہور کے ایک نوجوان محمد حسین سیٹھی، پانچویں جمعہ ایک مرزائی نو مسلم (نام یاد نہیں) چھٹے جمعہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو قادیان نماز جمعہ کے لئے جانا تھا مگر اس جمعہ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے اور قادیان میں نماز جمعہ پر سے پابندی اٹھائی تاہم تحریک کے قیدی رہا نہیں کئے گئے وہ اپنی میعاد اسیری گزار کر رہا ہوئے۔

اس تحریک کے نتیجے میں ہر جمعہ کوئی نہ کوئی عالم دین قادیان میں نماز پڑھانے کے لئے پہنچ جاتا۔ ان علما کی فہرست میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبد الغفار غزنوی، مولانا بہاول الحق قاسمی شامل تھے۔ اس دوران ایک رات شیخ حسام الدین کی تقریر قادیان میں ایک ایسے مکان کی چھت پر ہوئی جو تقریر ذلالت کے متصل تھا، اس طرح پنجابی کا ایک محاورہ یاد آیا۔

گئے نولت راس آگئی

یعنی حکومت نے مرزائیوں کی رام دہاتی پر ایک نماز پر پابندی عائد کی مگر یہاں تو لاتن لگ گئی۔

بُڑے کو کسی نے غصے میں لات رسید کی، اس سے اس کی کمر سیدھی ہو گئی۔

بٹالہ تحریک کا مرکز تھا | لاریب نیکی کا حصول انسان کے اختیار میں نہیں، یہ انمول تحفہ رب اکبر جس جھولی میں چاہے ڈال دے نہ ہی یہ کسی بازار کی جنس ہے کہ اسے خریدا جا سکے، تجسس کے باوجود انسان اس سے محروم و نامراد رہتا ہے لیکن جس کے مقدر میں ہو اسے راہ چلتے مل جاتی ہے۔ دجالی تحریک کے خلاف جہاد بازیچہ اطفال نہیں تھا۔ برطانوی سلطنت کی ہر ممکن حمایت اسے حاصل تھی۔ خود اندرون قادیان ابلیسی قوت، غنڈہ گردی، نقل و غارتگری اور اس پر قانونِ افز رنگ کی پشت پناہی کس کی مجال تھی کہ اس ظلم کے خلاف بات کر سکے۔ فرعون مصر کے مقابل عصلے موسوی سے جو معجزات ظہور میں آئے تو یہ حضرت موسیٰ کا کمال تھا نہ اُس کے عصا کی کوئی حقیقت تھی یہ خالق کائنات کی اپنی ضرورت اور حکمتِ عملی تھی کہ خالقیت کا دعویدار جیونٹی کی طرح مسلا گیا۔

دنیاوی وسائل سے محروم احرار رہنما جبروتی قوتوں کے مقابل کیونکر ٹھہر سکتے تھے مگر باطل ایمان کے سامنے ہوا کی طرح اُٹ جاتا ہے۔ البتہ ظاہری اسباب میں عزم اور فیصلے میں خلوص کا ہونا ضروری ہے، یہ بھی انسان کا اختیار میں نہیں۔ قدرت جس کو چاہے سونپ دے۔ یہیں سے نیکی جنم لیتی ہے۔ امرتسر سے بٹالہ تقریباً تیس میل اور بٹالہ سے قادیان گیارہ میل پر واقع ہے۔ قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی سے پیشتر، بٹالہ کے عوام اور یہاں کے قومی رہنماؤں کے مابین مجلس احرار کا کوئی رابطہ نہیں تھا، تاہم ایمان کا بوجھل پتارہ اٹھاتے ہوئے بٹالہ کے لوگ کسی ایسی قوت کے منتظر ضرور تھے، جو

انہیں قادیانی فروغ سے بچاسکے۔

عاجی عبدالرحمن اور حاجی عبدالغنی مقامی رؤسا میں معروف حیثیت رکھتے تھے۔ یہ دل کے بھی رئیس تھے، انہیں جب احرار کی جہالت پر یقین ہوا تو انہوں نے اصرار رہنماؤں کے لئے اپنے دیدہ و دل فرس راہ کر دیتے۔ گھر کے دروازے احرار کا کنوڑا کے لئے شب و روز دار رہتے۔ حاجی برادران کی والدہ محترمہ اپنے بڑے چاہے کے باوجود مسکرتے چہرے سے نظر آتیں۔ بوڑھی اور روشن آنکھیں اندھیری راتوں میں اپنے احرار مہمانوں کی منتظر رہتیں؛ اپنے بیٹوں کی طرح ختم نبوت کا تحفظ ان کے ایمان کا جزو تھا۔

یہ گھرانہ تحریک خلافت کے دنوں سے خدمتِ امت میں مصروف تھا۔ مولانا منظر علی اظہران کے رفقا میں سے تھے، اُن کی سیاسی زندگی کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔

خلافت تحریک کے بعد انجمن شباب المسلمین بنی تو اس کے رہنما بھی یہی لوگ تھے۔ ہر سال انجمن ہذا کے سالانہ اجلاس ہوتے۔

بٹالہ میں مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ تھا، یہاں تک کہ مرزائی مردہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس احرار اور مرزائیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوا تو انجمن شباب المسلمین کو مجلس احرار میں مدغم کر دیا گیا۔

بٹالہ کے معروف سرگرم کارکنوں میں مولانا نور محمد، چودھری محمد عالم، چودھری محمد ابراہیم بھٹہ، محمد شوق، مولوی رحمت اللہ مہاجر، خواجہ عبدالحمید صدر مجلس احرار بٹالہ چوڑھی ۱۔ تقسیم ملک کے بعد چودھری محمد عالم فیصل آباد میں آگئے، یہاں عالم کافی ہاؤس کے نام پر چلنے کا ہوٹل قائم کیا جو شہر بھر کے سیاسی کارکنوں کا مرکز بن گیا۔ چودھری محمد عالم دم واپسی تک مرزائیت سے جنگ آزار ہے۔

۲۔ مولوی رحمت اللہ مہاجر قادیان کے شہری تھے۔ مرزائیوں کے تشدد سے تنگ آکر ہجرت کر کے بٹالہ آگئے۔ تقسیم ملک کے بعد یہ شجاع آباد جالبے اور یہی ان کا انتقال ہوا۔

جمال دین چودھری ثناء اللہ بھٹہ ایثار و قربانی میں ان کارکنوں کے قدموں کے نشان ان کی زندگی کی ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے۔

مرزائی دشمنی کے باعث حاجی برادران کا وجود مرزائی ٹولے کے دل میں کلنٹ کی طرح کھٹکتا رہا۔ جس کے نتیجے میں مرزائیوں نے بٹالہ کے ادبаш اور بد قماش قسم کے گروہ سے جس میں علامہ اقبال کا لڑکا آفتاب اقبال بھی شامل تھا، سازش کر کے حاجی عبدالغنی کو ایک رات شہید کر دیا۔ (اس سازش کی تفصیل کاروانِ احرار کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز مسلمانان ہند کی ہر شعبہ تبلیغ مجلس احرار کا قیام | ریاستی تنظیم سے خائف تھا۔ بنا بریں کانگریس سے زیادہ وہ مجلس احرار کو اپنا دشمن خیال کرتا۔ مرزائیوں سے احرار کی جنگ انگریز کے لئے دو گونا مشکلات کا باعث بنتی تھی۔ اول احرار کے نظام کو انگریز طاقتور دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ دوسرے مرزائی تحریک انگریز کو ادلہ کا درجہ دیتی تھی۔ اس بنا پر احرار کے ہاتھوں مرزائیت کا پٹنا بھی برطانیہ کو پسند نہیں تھا۔ ان وجوہ پر مسلمان سرکاری ملازمین مرزائیت کی مخالفت قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔

جیسے کہ پیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے کہ علما کے ایک مخصوص طبقہ نے مرزائی کی مخالفت کو کسی طور حدِ فاصل قرار نہیں دیا تھا۔ اٹلٹاؤن کے بحث و مناظرے کے باعث مرزائیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھ لیا گیا۔ ان حالات میں مجلس احرار کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر احرار رہنماؤں نے مسلمان کی اس بنیادی کمزوری کو بھانپ کر ۲۲، ۲۱ جولائی ۱۹۳۶ء کو مجلس احرار کا ایک شعبہ تبلیغ قائم کر دیا اور حسب ذیل مقاصد قرار پاتے۔

۱۔ یہ شعبہ خالص مذہبی ہے، سیاسیات ملک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۲۔ آفتاب اقبال اور ان کی والدہ کو ڈاکٹر علامہ اقبال آئینی طور پر اپنے سے الگ کر چکے تھے۔

۲- ارتداد اور دہریت کی روک تھام کے پیشِ نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

۳- مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اُس کے لئے مبلغوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

۴- ہندوستان اور بیرونِ ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔

۵- خدمتِ خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

عہدیدار

صدر، میاں قمر الدین رئیس اچھرہ (لاہور)

نائب صدر، چودھری افضل حق۔ ایم ایل سی۔ ممبر پنجاب کونسل

جنرل سیکرٹری، مولانا عبد الکیم ایڈیٹر ہفت روزہ مباحہ لاہور

شعبہ تبلیغ کا صدر دفتر اچھرہ لاہور میں قائم کیا گیا۔

بُرائی اور گندگی زیادہ دیر نہیں چھپتے۔ مجلسِ احرار کے قدم جیسے جیسے قادیان میں بڑھتے گئے

قادیان میں بغاوت

دہاں کے راز ہائے مربوطہ آپ سے آپ نکھر کر سامنے آتے چلے گئے، بے خیالی تقدس کی چادر میں کب تک چھپی رہ سکتی، گناہ کا گریبان جب چاک ہوتا ہے تو پھر کوئی گوشہٴ رُف کے قابل نہیں رہتا۔

۷- ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دجال ابنِ دجال (بشیر الدین محمود) نے اہلس کے نگہاں پر بیٹھ کر ابنِ آدم کو کس طرح فریب دیتے۔ معصوم عصمتوں کو جس بری طرح داغدار کیا آخریہ ڈرامہ ایک دن تو ختم ہونا تھا۔ دقت دیر سے اس کا منتظر تھا۔ فریب خوردہ مسلمان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے دجالی مرکز (قادیان) میں پہنچے تو اُن پر کیا گزری جب

وہ تہی دامن ہوئے تو قصرِ دلالت میں ابنِ دجال نے اُن کی آبروتیں کس طرح بے دام خریدیں۔

یہ دور ہے جب ابنِ دجال کے پالتو لٹھیاں لٹے ہمارے اوقاتِ مظلوموں کے سروں پر کھڑے رہتے تھے اور اُن کے سامنے مظلوموں کی متاعِ حیات لٹتی رہی۔ اس برہمچاگردی میں کوئی مائی کالال نہیں تھا جو قصرِ دلالت کی جلتی اور بجھتی بتیوں کی نشاندہی کرتا۔

اس پُر آشوب دور میں جلنے کتنی آوازیں ظلم و جور سے آنکھ بچا کر عرشِ الٰہی تک پہنچی ہوں گی کہ نمود کی آگِ یخ بستہ ہو کر رہ گئی۔

یہ ۱۹۳۷ء کا سال ہے، مسلمان اور دجالی گروہ کے درمیان لڑائی پر سے قریباً پانچ سال بیت چکے۔ اس دورانِ مزاریت اس بُری طرح رُسوا اور ننگی ہوئی کہ برصغیر میں اس کا اصل روپ دکھائی دینے لگا۔

گو تحریکِ مسجدِ شہید گنج (۱۹۳۵ء) کے دنوں انگریز اور لٹوی مسلمانوں کی حمایت کے پس پردہ مزارائی اپنی پوری طاقت سے احرار کے خلاف صف آرا ہوئے اس مہم کی رہنمائی سرفضل حسین کر رہے تھے۔ (تفصیل مصنف کی کتاب تحریکِ مسجدِ شہید گنج میں دیکھیں)

روزنامہ انقلاب ۲۳ اپریل ۱۹۳۵ء کے شمارہ میں لکھا ہے۔

”مزارائیوں نے اپنے سالانہ اجلاس میں اس سال کا بجٹ گیارہ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے، اس میں سے ستر ہزار روپیہ مزارائیوں کی تبلیغ کے لئے (گویا احرار کے خلاف) اور بیاسی ہزار دوسرے پروپیگنڈے کے لئے“

لیکن اس کے باوجود حقیقت ہزار افسانوں کے پردے چیر کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ دبی ہوئی زبانیں جن پر تقدس کے تالے پڑے ہوئے تھے، بے محابہ چخ اٹھیں، اکروہ گناہوں کے خون اپنے قاتلوں کی نشاندہی کرنے لگے۔ پاک اور

معصوم عصمتیں، معصیت کے عمل سے نکل کر اپنی پاکدامنی پر حلف لینے لگیں۔ خوفِ ہراس کے بادل چھٹنے لگے۔ کفرِ حق کی دہلیز پر سجدہ ریز دکھائی دینے لگا۔ بغاوت اور افراتفری کے اس دور میں دو خط ایسے ملے جن کے ایک ایک لفظ پر ابنِ دجال کے گناہوں کی تصویر واضح ہے۔

اس سے قبل کہ تاریخین خطوط کا مطالعہ کریں، خطِ نمبر ۱ کے مصنف شیخ عبدالرحمن مصری اور خطِ کاپس منظرِ جان لینا ضروری ہے۔

دو خط

شیخ عبدالرحمن کا تعلق ہندو مذہب سے تھا اس کا سابقہ نام لالہ شکر داس تھا، دجال (غلام احمد) کے مذہب (مرزائیت) کو اسلام سمجھ کر ۱۹۰۵ء میں اس کے فریب میں پھنس کر اپنی دانت میں مسلمان ہو گیا۔ حکیم نور الدین حجام کے عہد میں اسے مرزائیت کی تبلیغ کے لئے مسربھیجا گیا مگر اس نے عربی کی تعلیم حاصل کی واپس آیا تو دجال کے تخت پر ابنِ دجال براجمان ہو چکا تھا، چنانچہ شیخ عبدالرحمن کو عبدالرحمن مصری کا لقب دے کر قادیان کے امدیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ یہاں اس کی ہدایت پر ایلیسیت کے سینکڑوں مبلغ تیار ہوئے۔ اس دوران مرزائیوں میں عبدالرحمن مصری کی نیکی اور تقویٰ کی بنا پر اسے قائم مقام خلیفہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اب خطِ کاپس منظرِ سمجھیں۔

عبدالرحمن مصری کا لڑکا بشیر احمد حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ہی اے کا طالب علم تھا۔ مشاطہ فطرت نے اُس کے ظاہری بناؤ نگہار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ شاید قرآن کریم کی تعلیم کا اثر تھا کہ خوبصورت ہونے پر بھی یہ گندگی کے ماحول سے محفوظ رہا، مگر کب تک۔ آخر ایک دن ابنِ دجال کی نظر بد اس پر پڑی اور اس کا جھٹکا ہو گیا۔ اگلی کہانی حافظِ بشیر کی زبانی سنئے۔

”چونکہ والد (عبدالرحمن مصری) کی رسائی قصرِ دلالت (قصرِ خلافت)

تک تھی، اس بنا پر میری پہنچ میں بھی آسانی تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ

ایک دن ابنِ دجال نے مجھے دیکھ لیا اور بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھا کر محبت کا اس انداز سے اظہار کیا کہ مجھے اس کی نیت پر قدرِ شبہ ہونے لگا، مگر یقین کی حد تک نہیں کیونکہ ہماری نظر میں یہ معمر من اللہ تھا۔ آخر اس کی بُری حرکات اور ہاتھوں کی گستاخیوں نے میرے گمان کو یقین دلایا کہ جو کچھ تو سمجھ رہا ہے یہ وہ نہیں، یہ شفقت کا ہاتھ نہیں شہوت کا ہاتھ ہے۔

کالج کا سٹوڈنٹ ہوتے ہوئے بھی میں اندازِ محبت سے گواہ نہیں تھا لیکن بے خبر بھی نہیں۔ پھر بشیر الدین کی آنکھوں کے دُورے اس حد تک سرخ ہو چکے تھے کہ مجھے اپنی آبرو کا دامن سلگتا ہوا محسوس ہوا، قریب تھا کہ سب کچھ حل کر رکھ ہو جاتا۔ ابنِ دجال کی لڑکی دعوہِ ہکمرہ میں داخل ہوئی، ابنِ دجال اسے تنہا میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

باپ کے جاتے ہی سولہ سنگھارے آراستہ بیٹی میرے سامنے آ بیٹھی بلکہ قریب تر، دہری کے انداز اور نخرے بکھیرنے لگی۔ گو اس کے مذہب میں حق کا کافر ہونا ناممکن ہے اور جب وہ خود کہے، تھوڑی سی پی تیرے لئے۔ تو انکار پر جامِ دصراحی نہیں، ساقی سمیت میخانے کے ردِ ٹھ جانے کا ڈر رہتا ہے۔

حن جب حن کے مقابل آ جاتے تو عشقِ درمیان سے ہٹ کر تماشا قی بن جاتا ہے، ایک طرف نسوانی حن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مردانہ حُن کو مات دینے میں اپنی اداؤں کے خمِ برغم لٹھا رہا ہو تو سامنے کا حُن کب تک انتظار کرے گا۔ آخر دل ہی تو ہے بنتِ دجال نے شیطنت کے جوہر دکھانے میں کمی نہ آنے دی، میرے پر اس خاندان کے تقدس کا ایسا رعب تھا کہ موسمِ سرما ہونے پر بھی میرا جسم لپینہ سے شرابور تھا۔

الہی یہ ماجرا کیا ہے؟۔

اگرچہ اس دوران شرم و حیا کے بہت سے پروے اٹھ چکے تھے تاہم نہ تو میری نگاہوں نے گستاخی کی نہ ہاتھ آپے سے باہر ہوتے۔

ہنوز یہ کشمکش بغیر کسی نتیجے کے جاری تھی کہ ابنِ دجال احوال معلوم کرنے کمرے میں داخل ہوا۔

(اپنی لڑکی سے)

کیوں بھتی؟

بنتِ دجال۔ اوں ہوں۔

اس اوں ہوں میں اس نے میرے انکار کی ساری داستان کہہ دی۔ آخر ہم دونوں کے لئے کھانا لایا گیا۔ زعفران تک کی خوشبو تو سمجھ آ رہی تھی اور خدا جانے کیا تھا۔

۔ کسی کے آنے سے ساقی کے ہوش اڑے ایسے

شرابِ سینخ پہ ڈالی کبابِ شیشے میں

میرے انکار کی کہانی سن کر باپ نے خود آگے بڑھ کر باپ بیٹی کے پاک رشتے کی دھجیاں اڑا دیں اس پر نہ تو بیٹی نے احتجاج کیا نہ باپ کو حیا آئی۔ یہ سارا کچھ میرے سامنے ہوا۔ جی میں آیا کہ چیخ کر یہاں سے بھاگ جاؤں مگر کیسے دروازے مقفل تھے۔

اس تمثیل کی دو صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اول مجھے اشتعال دلانے کے لئے یا پھر اس گھر کی ریت یہی تھی۔ اس پر میرے ضبط کے تمام بندھ ٹوٹ گئے۔

مال اچھا ہو تو گاہک ہر قیمت پر خریدتا ہے۔ ابنِ دجال کا دل میرے پر ریچھ گیا تھا۔ اس کے لئے اس نے بیٹی کی آبر و تک کو داد پر لگانے سے دریغ نہیں کیا۔

آمنے سامنے تبادلو | آگے بند باندھنا شکل ہوتا ہے۔ برسات کے دنوں
 طوفان کے پانی کا بہاؤ اگر نیچے کی طرف ہو تو اس کے
 میں تو یہ دشواریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

چند لمحے پہلے میری آنکھوں نے جس انسانیت سوز ذلالت کا مظاہرہ
 کیا۔ اُس اُبلتے ہوئے لاوے نے میری جوانی کو بھی سیمٹ لیا۔ بشیر الدین
 نے اپنی بیٹی کے ساتھ جو رو سیائی کی۔ یہ صرف میرے حصول کا ایک راستہ
 تھا۔ آخر اس کی تنہا بھر آتی۔ میرے آریب ہونے کا نظارہ بنتِ دجال
 نے مسکرلاتے ہوئے کیا جب کہ میں اس کی متابع حیات لٹٹی دیکھ کر کانپ
 رہا تھا۔ آج میرے گناہ کا پہلا دن تھا در نہ میرے گھر کا ماحول اور اس
 پر قرآن حکیم کی برکت کہ میں اس گناہ کی لذت سے محروم تھا۔

میں ان دنوں اٹھارہ انیس سال کے پیٹھے میں تھا اور بنتِ دجال
 بائیس اور تیس کے سن سے گذر رہی تھی۔ جوانی کی گھٹائیں دونوں
 طرف سے اُڈی ہوئی تھیں۔ جذبات آمنے سامنے موجزن تھے۔ ہاتھ
 اور نگاہیں منظر تھیں کہ پہل کون کرے۔ آگ دونوں طرف شعلہ فشاں
 تھی۔

۷۔ دل کو تھا ما اُن کا دامن تھا م کے
 ہاتھ میرے دونوں نکلے کام کے
 پھر جب گناہ کرنا ہی ٹھہرا تو دیر کیسی۔

میں نے باپ (ابنِ دجال) کی موجودگی میں بیٹی سے اپنی آبرو کا انتقام
 لیا۔ اور پھر باپ نے بیٹی کا انتقام مزید مجھ سے لیا اس طرح آمنے سامنے
 تبادلہ ہوتا رہا۔ گھی آگ کے قریب پہنچ کر پگھل چکا تھا۔

یہ بھی مسلسل تپتی رہی۔ اس دوران قصرِ ذلالت شیطان کی آماجگاہ
 بنا رہا۔ حیا و شرم عصیاں کے تالاب میں گندی مچھلیوں کی طرح

تیرتے رہے یہاں تک کہ ہر سہ فریق کے شعلے سرد پڑ چکے تھے۔
 نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے
 بُرائی سے متنفر دل بعض دفعہ نیکی سے بھی خوف کھاتا ہے کہ شاید یہ بھی نظر کا فریب
 نہ ہو۔

مذہب کی جس بلندی نے مجھے دھوکہ دیا تھا اس سے بڑھ کر مزید کون
 سی جگہ تھی جس سے گرنے کا ڈر ہوتا۔

البتہ والد کے دل میں اس خاندان کے لئے جو احترام تھا اس کے پیش نظر اپنے
 پرہیزی داستان کہنے سے ڈر گتا تھا کہ اُلٹی بندر کی بلا میرے گلے نہ آ پڑے۔
 میں ان دنوں بیس اکیس سال کے پیٹے میں تھا اور یاست کپور تھلہ
 گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھا۔

میرے گھر کے ماحول پر ابنِ دجال کا پوری طرح تسلط تھا، لیکن جو
 کچھ میں دیکھ اور کر چکا تھا ان واقعات نے مجھ سے میرے گھر کی عقیدت
 اور احترام بھی چھین لیا تھا۔ نماز چھوڑنے کے ساتھ والدین کے سامنے
 ہمہ اوقات اُن کے بُتوں کی بُرائی، ان کے عقیدے کی توہین ابنِ
 دجال کو کھلم کھلا گالیاں میرا معمول بن چکا تھا۔ میرے اس چلن سے
 والد صاحب کو شبہ ہوا کہ مجھے اصرار والوں نے اپنی سان پر چڑھا لیا
 ہے اور یہ اُن ہی کی شرارت ہے یا پھر میں دہریہ ہو چکا ہوں۔
 اُن کی آخری رائے درست تھی۔ اس پر انہوں نے میری خوب پٹائی
 کی۔ حالانکہ اس سے پیشتر انہوں نے مجھے انگلی تک نہ لگائی تھی۔
 انہیں حالات میں کالج کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور میں کپور تھلہ چلا
 گیا۔

راز افشا ہوتا ہے | اس سے آگے کی داستان اور پیشتر کی کارروائی کی تائید
 میں مرزا محمد حسین (مرزائی) اپنی کتاب ”فتنۃ الکفر ختم نبوت“

میں لکھتے ہیں۔

حافظ بشیر احمد کی غیر حاضری میں عبدالرحمن مصری نے اپنی خوش اعتقادی کی بنیاد پر قصر ذلالت میں جا کر اپنے بیٹے کی تمام ترداداتان کہہ دی، یعنی وہ اہمیت کے عقیدے سے منحرف ہو رہا ہے۔ حضور (بشیر الدین محمود) کی بڑی توہین کرتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا۔ مذہب سے باغی ہو چکا ہے۔ مصری کی گفتگو سے چور کی داڑھی کا تنکہ شہیر بن کر سامنے آگیا۔ وہ (بشیر الدین محمود) اُچری ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔

نہیں مصری صاحب! بشیر ایسا بچہ نہیں وہ ضرور کسی کے ہتھکڑے میں آگیا ہو گا۔ آنے دو میں اُسے خود سمجھاؤں گا۔
ابن دجال کی اس گفتگو پر مصری خوش ہوا کہ حضور کو یقین نہیں آ رہا کہ بشیر ایسا ہو گا۔ پھر ایسا کیوں ہوا؟

یہ سوال ذہن میں رکھ کر مصری نے کپور تھلہ جا کر تحقیق کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی اطلاع کسی طرح ابن دجال تک پہنچ گئی کہ عبدالرحمن کپور تھلہ جا رہا ہے۔ نہ جانے بشیر اُسے کیا کہہ دے۔ اس خوف کے مارے ابن دجال نے جوابی کارروائی کے طور پر سلطان محمود نامی ایک مرزائی کو کپور تھلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ بشیر کہیں سارا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ جیسے ہی سلطان نے کپور تھلہ پہنچ کر بشیر کو سمجھا بجھا کر لپکا کیا کہ خدا کے لئے کوئی مانہ افشاں نہ کرنا اس پر بشیر نے کہا آپ یہ احکام خلیفہ صاحب کی طرف سے تحریری لا کر دو۔

حافظ بشیر کی اس تجویز پر سلطان واپس آگیا اور ابن دجال کی طرف سے رقعہ بازی شروع ہو گئی۔ ابن دجال کے جواب میں حافظ بشیر اور حافظ بشیر کے جواب میں ابن دجال جو کچھ لکھتا رہا حافظ بشیر احمد بظاہر یہ تمام رقعے سلطان کے سامنے پھاڑ دیتا مگر اندر خلتے

وہ اصل رقعے محفوظ کر لیتا اور کوئی دوسرا کاغذ چھاڑ کر پھینک دیتا تھا۔
اس طرح ابن دجال اپنے جال میں آپ ہی پھنس گیا۔ یعنی جب
مصری بیٹے کو سمجھانے کی پور تھلہ پہنچا۔ ابھی باپ نے بات شروع کی
ہی تھی کہ بیٹے نے بغیر کچھ کہے ابن دجال کے تمام رقعے باپ کے سامنے
رکھ دیئے اور خود لحاف میں منہ چھپا کر رونے لگ پڑا۔

صفحہ ۲۲۰

زوال قادیان کا نیا موڑ | جوار بھاڑ کا موسم ہو تو آس پاس کی آبادی سمندر
میں طوفان کا خطرہ محسوس کرنے لگتی ہے اگر
کسی بستی میں متعدی امراض عود کر آئیں تو وہاں کے اہل دل اسے اپنی بد اعمالی کی سزا
قرار دے کر رحمت باری سے توبہ کی توفیق مانگتے ہیں۔ قادیانی خدا کے دوہرے
عذاب میں مبتلا تھے ایک اسلام لیے پاک مذہب کے بنیادی موقف کو سبوتاژ
کرنے کے اور ثانیاً اس کے اقتدار پسند طبقہ کے ذاتی افعال بدلنے اس بستی کو
شہر سدوم کا درجہ دے دیا۔

مصری کے کپور تھلہ سے لوٹتے ہی زوال قادیان کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔
آدمی جس قدر بلندی سے گرنا ہے چوڑ بھی اُسی قدر لگتی ہے۔ مصری کا گھرانہ ہندو
مذہب چھوڑ کر نیک نیکی سے اپنے تئیں مسلمان ہوا تھا لیکن دجالی خاندان کے حالات
نے آج اُسے نئے چوراہے پر لا کھڑا کیا۔ ابن دجال کے ذاتی حالات سن کر تمام
گھر آگ کے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ عقیدت کے تمام چراغ بجھ گئے۔ اس
اندھیر گردی میں کئی مہینوں اس کے گرد جمع ہو گئے، جن میں فخر الدین ملتانی بھی تھا۔
واقعات کو آگے بڑھانے سے پیشتر مصری نے ابن دجال (المیر الدین محمود)

۱۔ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں جو بستیاں اپنی بدکرداریوں کے باعث
عذاب خداوندی میں مبتلا ہوئیں ان میں ایک بستی کا نام تھا۔

کو ایک طویل خط لکھا۔ قارئین! ان تمام واقعات کے پس منظر میں شیخ عبدالرحمن مصری کا ابنِ دجال کے نام تاریخی خط ملاحظہ فرمائیں جو من و عن درج کیا جا رہا ہے۔

خط نمبر ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الفتنۃ ناسۃ لعن اللہ من القظھا ،

سیدنا۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔

میں ذیل کے چند الفاظ محض آپ کی خیر خواہی اور سلسلہ کی خیر خواہی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھ رہا ہوں۔ مدت سے میں چاہتا تھا کہ آپ سے دو ٹوک بات کر دوں مگر جن باتوں کا اور میان میں ذکر آنا لازمی تھا جیسا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ ایسی تھیں کہ ان کے ذکر سے آپ کو سخت شرمندگی لاحق ہونی لازمی تھی اور جن کے نتیجہ میں آپ میرے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکتے تھے۔ اور ادھر چونکہ سلسلہ کے کاموں کی وجہ سے اکثر ہمیں آپس میں ملنے کی ضرورت پیش آتی تھی میری فطرتی شرافت اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ آپ ہمیشہ کے لئے میرے سامنے شرمندگی کی حالت میں آئیں۔ اس لئے میں اس وقت تک آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کرنے سے مکرار رہا ہوں لیکن اب حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ کی اصل (SITUATION) رکھ دوں اور آپ کو بتا دوں کہ جس طرف آپ جا رہے ہیں وہ راہ آپ کے لئے اور سلسلہ کے لئے کیسی پُر از خطرات ہے یہ ترجیح ہے کہ سلسلہ خدا کا ہے اور خدا خود اس کی حفاظت کرے گا اور خدا تعالیٰ کے فرشتے لوگوں کے دلوں کو خود اس طرف کھینچ لائیں گے، لیکن

آپ اپنی غلط پالیسی کے نتیجہ میں ہر طرح سے لوگوں کو اس سے دُور پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ میں تو مظلوم ہو کر بھی (جس کو شریعت نے بھی ظالم کے ظلم کے علی الاعلان اظہار کی اجازت دی ہے) اس بات میں شرم محسوس کرتا رہا کہ آپ کے سامنے بالمشافہ یا تحریر کے ذریعہ آپ کی بعض خاص راز کی باتوں کا ذکر لاؤں لیکن آپ جو ظالم تھے اور ایسے افعال شنیعہ کے مرتکب تھے جن کے سننے سے بھی ایک مومن چھوڑ معمولی شریف آدمی کی روح کانپتی ہے۔ اُس آدمی کو جس کا تصور اور جرم صرف اسی قدر تھا کہ بدقسمتی سے اس کو آپ کے افعال شنیعہ کا علم ہو گیا اور آپ کو یہ علم ہو گیا کہ اسے علم ہو گیا ہے۔ دکھ دینے اور قسم قسم کے مصائب کا اسے نشانہ بنانے اور اس کو جماعت کی نظر میں مجرانے کے لئے طرح طرح کے بہتان اس پر باندھنے اور ان بہتانوں کو ہاتھ میں لے کر اس کے خلاف جماعت میں جھوٹا پراسپیگنڈا کرنے کی لگاتار اُن تھک کوشش کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کی اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ آپ کا (GUILTY CONSCIOUS) (مجرم منیر) ہر وقت آپ کو اس بے بشر اور بے ضرر انسان کے متعلق اندر سے یہی آواز دیتا رہا کہ اگر اُس شخص نے میری ان کارروائیوں کا جو میں اندر خانہ کر رہا ہوں جماعت کو علم دے دیا تو میرا سارا کاروبار بگڑ جائے گا اور میں شہرت سے گر کر تعزیرات میں جا پڑوں گا کیونکہ آپ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس شخص کو جماعت میں عزت حاصل ہے۔

مستروں کے متعلق تو اس قسم کے غدر گھر لئے گئے تھے کہ ان کے خلاف مقدمہ کیا تھا یا اُن کی لڑکی پر سوت لانے کا مشورہ دیا تھا مگر یہاں اس قسم کا کوئی بھی غدر نہیں چل سکتا۔ اس کی بات کو جماعت مستروں

کی طرح رد نہیں کرے گی بلکہ اس پر اسے کان دھرنا پڑے گا اور وہ ضرور دھرے گی اس لئے آپ نے اسی میں اپنی خیر سمجھی کہ آہستہ آہستہ اندر ہی اندر اس شخص کو جھوٹے پراپیگنڈا کے ذریعہ جماعت کی نظر سے گرا دیا جائے اور اس کو اس مقام پر لے آیا جائے کہ اگر یہ میرے اس گندے راز کو فاش کرے تو جماعت توجہ نہ کرے اور اس کی بات کو بھی اس طرف منسوب کرنے لگ پڑے کہ اس شخص کو بھی کچھ ذاتی اغراض اور خواہشات تھیں جن کو چونکہ پورا نہیں کیا گیا اس لئے یہ بھی ایسا کہنے لگ پڑے ہیں اور ادھر سے آپ شور مچانا شروع کر دیں کہ دیکھا میں نہیں کہتا تھا کہ یہ اندر سے مستریوں یا پیغمبروں یا ہزار یوں سے ملے ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے جن کو آپ کے ان گندے رازوں کا علم ہو جاتا ہے آپ کے پاس زیادہ تر بھی ایک حربہ ہے یہ آپ مت خیال کریں کہ جو کچھ آپ میرے خلاف کر رہے ہیں اس کا مجھے علم نہیں ہوتا، مجھے آپ کی ہر کارردائی کا علم ہوتا ہے میں بھی آپ کے اس اشتعال انگیز طریق سے متاثر ہو کر جلد بازی سے کام لیتا اور ابتداء میں ہی اپنا مبنی بر حقیقت بیان شائع کر دیتا اور جو تقدس کا بناوٹی پردہ اپنے اوپر ڈالا ہوا ہے اس کو اٹھا کر آپ کی اصل شکل دنیا کے سامنے ظاہر کر دیتا تو آج نہ معلوم آپ کا کیا حشر ہوتا۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کے لئے صبر سے کام لیا۔ آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور اُن تک نہیں کی۔ میں سمجھا تھا کہ میری خاموشی سے آخر آپ سبق حاصل کر لیں گے اور سمجھ لیں گے کہ یہ شخص اس راز کو فاش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا اور کچھ عرصہ تک میرے رویہ کو دیکھ کر خود بخود اپنی غلطی محسوس کر کے نادم ہو کر اپنی ان ناجائز اور ظالمانہ کارروائیوں اور جھوٹے پراپیگنڈا سے

باز آجائیں گے لیکن آپ کا (GUILTY CONSCIOUS) (مجرم ضمیر) آپ کو کب آرام سے بیٹھنے دے سکتا تھا اور آپ کا اضطراب اور گھبراہٹ سے بھرا ہوا دل اس وقت تک کب آپ کو چین کی نیند لینے دے سکتا تھا۔ جب تک آپ اس شخص کو اپنی راہ سے دور نہ کر لیں، جس سے آپ کو ذرہ سا بھی خطرہ خواہ وہم ہی کیوں نہ ہو محسوس ہو رہا ہو۔ آپ غالباً اس وقت تک اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں، کیا اس وقت تک جو خاموش رہے اپنی ملازمت کے چلے جانے کے ڈر سے رہے۔ اس غلط فہمی کو جتنی جلدی بھی ہو سکے اپنے دل سے نکال دیں اور آپ کو دلیری بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی روزی میرے قبضہ میں ہے مگر میں خدا کے فضل سے مشرک نہیں ہوں کہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس بات کا خیال کرنا تو بجا اس کو وہم میں بھی لاسکوں پس یہ آپ کو یاد رہے کہ میں جو اس وقت تک باوجود آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو جانے اور اپنے خلاف غلط کارروائیوں کو دیکھنے کے خاموش چلا آ رہا ہوں اس کی وجہ کسی قسم کے مالی جاتی نقصان کا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ علماء ربانی حق گوئی کے مقابلہ میں کسی نقصان سے خواہ وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو نہیں ڈرا کرتے لیکن وہ جہاں لایینا فوٹ لوستہ لاسم کا مصداق ہوتے ہیں وہاں وہ حق گوئی کا محل اور موقعہ بھی دیکھتے ہیں اور اس کے اظہار اور عدم اظہار میں موازنہ بھی کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی نفع نقصان کو بے نظر رکھ کر نہیں بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور سلسلہ حقہ کے حق میں ضرر اکبر من نفعہ یا نفعہ اکبر من ضررہ اس لئے میں اگر خاموش تھا اور ہوں تو محض اس لئے کہ میں اس

کے اظہار کو سلسلہ کے لئے مضر یقین کرتا تھا نہ صرف کرتا تھا بلکہ اب بھی کرتا ہوں۔ دوسری بات جو اس گندے اظہار کے لئے میرے لئے مانع تھی اور ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ رُوحی و جسمی کے بے انتہا احسانات تھے جن کے نیچے سے ہماری گردنیں کبھی نہیں نکل سکتیں۔ پس ان احسانات کو دیکھتے ہوئے طبیعت اس بات کو قطعاً گوارا نہیں کر سکتی کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کا مقابلہ کیا جائے یا انہیں بدنام کیا جاتے تیسری بات جو میرے لئے مانع تھی وہ آپ سے دیرینہ تعلقات اور ایک حد تک آپ کے احسانات تھے، گو یہ ظلم آپ نے میری اولاد کو اپنے گندہ منونہ کے ذریعہ سے اور سلسلہ حقہ سے منحرف کرنے اور ان کو دہریہ بنانے کی کوشش میں کیا۔ وہ اتنا بڑا ہے کہ وہ احسانات اس کے مقابلہ میں بالکل بیچ ہیں اور قطعاً قابل ذکر نہیں رہے۔ تعجب ہے مجھے تو ان دیرینہ تعلقات کا اس قدر پاس ہو کہ آپ کے گندے افعال کا ذکر آپ کے سامنے کرنے سے بھی شرم محسوس کروں اور محض اس خیال سے کہ میرے سامنے آنے سے آپ کو شرم محسوس ہوگی۔ آپ کے سامنے آنے سے حتی الوسع اجتناب کرتا رہوں لیکن ان تعلقات کا آپ کو اتنا بھی پاس نہ ہوا جتنا کہ ایک معمولی تماس کے بد چلن انسان کو ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بد چلن سے بد چلن آدمی بھی اپنے دوستوں کی اولاد پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں لیکن افسوس آپ نے اتنا بھی نہ کیا اور اپنے ان غلص دوستوں کی اولاد پر ہی ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ جو آپ کے لئے اور آپ کے خاندان کے لئے جانیں تک قربان کر دینا بھی معمولی قربانی سمجھتے تھے میرے اخلاص کا تو یہ عالم تھا کہ جن وقت فضل و داد سے اجمالی علم ہوا اور پھر بشرِ احمد نے اس کی

تفصیلی تصدیق کی تو میرا یہی فیصلہ تھا کہ بشیر احمد کو گھر سے نکال دوں اور ہمیشہ کے لئے اس سے تعلقات منقطع کر دوں مگر میں نے اس سے نرمی اس لئے کی کہ اس کے ذریعہ سے اب سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا جس کے متعلق میں پہلے یقین کئے بیٹھا تھا کہ آپ کے چال چلن کو بدنام کرنے کے لئے اپنا کام کر رہی ہے۔ مجھے اس وقت یہی خیال غالب تھا کہ بشیر احمد بدقسمتی سے ان لوگوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے جو اس سازش کے بانی مبنی ہیں کیونکہ یہ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ اس کو آپ کے اور آپ کے قائدان کے ساتھ بڑا اخلاص تھا اور اس اخلاص کی موجودگی میں وہ کبھی بھی جھوٹے الزام آپ پر نہیں لگا سکتا تھا، پس ایسی حالت میں میرے نزدیک دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں یا یہ الزامات سچے ہیں یا یہ کہ بشیر احمد بعض ایسے آدمیوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے اور انہوں نے اس کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دے کر اس سے یہ کہلوایا ہے، مجھے یقین تھا کہ میں بشیر احمد سے اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا چنانچہ اس بنا پر اول میں نے بشیر احمد کے ساتھ مختلف رنگوں میں انتہائی کوشش کی کہ وہ ان باتوں کے غلط ہونے کا اقرار کرے مگر قطعاً کامیابی نہ ہوئی اور کامیابی ہوتی کس طرح اور کسی سازش کا پتہ لگتا کس طرح جبکہ کسی سازش کا نام و نشان ہی نہ تھا بلکہ برخلاف اس کے اس نے بعض ایسے دلائل پیش کئے جو ایک حد تک قائل کر دینے والے تھے ان میں قطعاً بناوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔

دوسری طرف میں حیدر ان تھا کہ وہ سب باتیں ان باتوں سے پوری پوری مطابقت کھاتی

ہیں جو سکینہ اور زاہد کسہ چکے تھے۔ پس جب
میں ادھر سے اپنے مقصد میں ناکام رہا تو

میں نے اپنی تحقیق کا رخ دوسری طرف پھیرا
اور میں نے لوگوں میں زیادہ ملنا جلنا شروع کیا اور اس وقت تک
میری نیت یہی تھی کہ میں سازش کا سراغ لگاؤں۔ اس نے گہری
سازش کا سراغ تو کیا بتانا تھا الٹا چاروں طرف سے واقعات اور
حقائق کا طوار میرے سامنے لاکھڑا کیا جو بشیر احمد کے بیان کے لفظ
لفظ کی تصدیق کرنے والے تھے۔ پس اس وقت میں نے بشیر احمد
کو معذور سمجھ کر اس کی سزا دہی کا خیال چھوڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اس بے گناہ بچے کو اتنے بڑے ظلم سے جو میں اس
پر آپ ساتھ اپنے فرط محبت اور فرط اخلاص کی وجہ سے کر کے لگا
تھا۔ یعنی ساری عمر کے لئے اس کو تباہ و برباد کرنے کا جو تہیہ کر لیا تھا
اس سے بچانے کے لئے یہ سامان پیدا کر دیتے کہ کتنی جگہوں سے
اس کے بیان کی تصدیق ہوتی چلی گئی اور ایسی ایسی جگہوں سے
ہوتی جن کے متعلق وہم بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی شرارت
کریں یا کسی شریہ کی سازش کا شکار ہوں یا خود سازش کے بانی
ہوں جو ان کا پتہ بتا دیوے کیونکہ آپ تو اچھی طرح سے واقف
ہیں کہ اشارہ آپ کو فوراً اصل مشاۃ الیہ کا پتہ دے گا اور میں
کسی مصلحت سے اپنی تحریر کو دلائل سے خالی رکھنا چاہتا ہوں۔
غرض کہ میرے پاس ان باتوں کے اثبات کے لئے دلائل کا ایک
ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو اگر ضرورت پڑی تو سپک میں ظاہر کیا
جاتے گا۔ خدا کرے کہ ان کے پیش کرنے کی ضرورت ہی پیش
نہ آئے۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ بشیر احمد سچا ہے اور یہ سب

افعال جو اس نے بیان کئے ہیں آپ سے سرزد ہوتے رہتے ہیں، مگر باوجود ان تمام باتوں کا علم ہو جانے کے جو میرے اور میری بیوی کے لئے سخت دکھ کا موجب تھیں اور جنہوں نے ہم دونوں کی صحت پر اتنا گہرا اثر کیا کہ آج تک بھی ہم اپنی صحت (RECOVER) نہیں کر سکے۔ کافی عرصہ تک ہم دونوں کمرہ میں اکیلے دروازہ بند کر کے روتے رہتے تھے، بچے بھی ہماری حالت دیکھ کر سخت پریشان تھے مگر ان کو کوئی علم نہیں کہ کیا معاملہ ہے، وہ ہماری آنکھیں سُرخ دیکھتے اور سہم جلتے مگر ادب کی وجہ سے دریافت نہ کرتے۔ باوجود اس قدر شدید صدمہ کے پھر بھی میں نے اس قدر شرافت سے کام لیا اور اپنے نفس پر اس قدر قابو رکھا کہ کسی کے سامنے ان باتوں کا اظہار نہیں کیا، یہاں تک کہ جن لوگوں سے مجھے مختلف واقعات کا علم ہوتا رہا۔ ان سے بھی صرف واقعات سنتا رہا اور یہاں تک احتیاط سے کام لیا کہ کسی ایک کو بھی کسی دوسرے کے بتاتے ہوئے واقعات کا علم نہ ہونے دیا۔ اس کا علم صرف اس کے بتاتے ہوئے واقعات تک ہی محدود رہنے دیا اور ادھر بشیر احمد کو یہ سمجھایا کہ ان الحسنت میذہبن الیسات کے ماتحت ممکن ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دے اور اسے تاکید کی کہ کسی کے سامنے اب ان باتوں کو دہرانا نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی پوچھے بھی تو صاف انکار کر دینا کیونکہ یہ ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود کی اولاد کی پڑھ پوٹی کریں۔ بشیر احمد نے جب دیکھا کہ آپ میرے خلاف پردہ پیگنڈا کر کے مجھے جماعت میں گرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور ادھر اس کو بھی گرانے کے درپے ہیں تو اس نے کئی دفعہ مجھ پر زور دیا کہ میں اعلان کر دوں۔ لیکن میں نے اس کو ہمیشہ صبر کی تلقین

کی آخر تک آکر اُس نے خود اعلان کا فیصلہ کر لیا اور ایک اعلان لکھ کر میری طرف بھیج دیا، چنانچہ اُسے بجنہ اس خط کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اجازت کے بغیر شائع نہیں کر دیا ورنہ سبق الصیت القول والی مثل صادق آجاتی اور پھر چھٹا ہوا تیرا پس لانا مشکل ہو جاتا لیکن میں اسے ہمیشہ روکتا رہا اور اس اعلان کو بھی روک لیا اور ہمیشہ اسے یہی تلقین کی کہ خواہ وہ کتنا ہی ہم کو بدنام کر لیں اور کتنی ہی کوشش ہمیں جماعت کی نظر میں گرانے کی کر لیں ہم نے ابتدا نہیں کرنی اور ہماری طرف سے یہی کوشش رہے گی کہ ہم صبر سے برداشت کرتے چلے جائیں حتیٰ کہ دقت آجائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوابی طور پر اپنا بیان شائع کرنے پر مجبور سمجھے جائیں تو جب کسی سے مقابلہ آپڑے تو مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو نقطہ نگاہ ہوتا ہے اس کے لحاظ سے (DEFENCE) بہت بعد از دقت ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے چنانچہ اس دقت تک میں کار بند رہا ہوں اور اب جو میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں وہ بھی اسی لئے کہ آپ پر آخری دفعہ محنت پوری کر دوں اور آپ کو متنبہ کر دوں کہ کہیں آپ مجھے اپنا (DEFENCE) پیش کرنے پر مجبور نہ کر دیں چنانچہ اگر آپ نے اس قسم کا قدم اٹھانے کی غلطی کی تو میں مجبور ہوں گا کہ اصل واقعات کو روشنی میں لاؤں اور جو اخفا کا پردہ آج تک ان واقعات پر پڑا آرہا ہے اُسے اٹھا دوں کیونکہ میں یہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ کی مقدس جماعت میں دائمی طور پر بدنامی کے ساتھ یاد کیا جاؤں پس اگر میں آپ کے افعال مذمومہ کے اظہار پر مجبور ہوا تو پھر اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ہوگی

اور سمجھ لیں کہ انفتة نائمة لعن اللہ من ایتظہا کا کوئی مصداق پتہ
 گا۔ میں نے آپ کے ظلم پر ظلم دیکھے اور صبر سے کام لیا لیکن آپ باز
 آنے میں ہی نہیں آتے اور اپنے مظالم میں حد سے بڑھتے چلے گئے۔
 پس اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے اس لئے انجام کو آپ
 اچھی طرح سے سوتح لیں اگر آپ اس تحریر کے بعد رُک گئے تو میں
 بھی جس طرح خاموشی سے وقت گزار رہا ہوں گزارتا چلا جاؤں گا کیونکہ
 ہر حق کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ اس حق کے اظہار
 کی وجہ سے چند عورتوں و غیریہ کے عصمتیہ تو محفوظ
 ہو جائیں گے اور چند نوجوان دھرمیہ بننے سے بچ
 جائیں گے لیکن ہزاروں روحیں جو ان کے عدم علم کی وجہ سے
 ہدایت کے قریب آرہی ہیں اور بہت سی ان میں بھی جو پا چکی
 ہیں ہدایت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گی اور یہ اتنا
 بڑا نقصان ہے جس کے خیال سے بھی میری رُوح کا نیت ہے اور
 یہ اتنا بھاری بوجھ ہے جس کے اٹھانے کے لئے میری پیٹھ
 بہت کمزور ہے۔ پس اگر یہ وقوع میں آگیا تو اس کی ذمہ داری
 آپ پر عائد ہوگی میں تو آپ یا درکھیں اب تنگ آچکا ہوں۔
 اور اگر آپ نے مجبور ہی کیا تو میں نے مقابلہ کے لئے مصمم ارادہ
 کر لیا ہے اور جب تک میری جان میں جان ہے انشاء اللہ آپ
 کا مقابلہ کروں گا اور آپ کے تمام دجل و فریب کو انشاء اللہ آشکارا
 کر کے چھوڑ دوں گا و مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ مجھے اس بات کی
 پرواہ نہیں کہ اس مقابلہ میں میری جان جاتے یا مجھے مالی نقصان
 ہو۔ میں خاموش ہوں تو خدا تعالیٰ کے لئے اور اگر اٹھوں گا
 تو محض خدا تعالیٰ کے لئے میں دیکھ رہا ہوں کہ ”ایک طرف

تو آپ نے اپنی عیاشی کو انتہا تک پہنچایا
 ہوا ہے جس لڑکی کو چاہا اپنی عجیب و غریب عیاری
 سے بلایا اور اُس کی عصمت دری کر دی اور پھر ایک
 طرف اُس کی طبعی شرم و حیا سے نا جائز فائدہ
 اٹھالیا اور دوسری طرف دھبکی دے دی کہ اگر
 تو نے کسی کو بتایا تو تیری بات کون مانے گا
 تجھے ہی لوگ پاگل اور منافق کہیں گے، میرے متعلق
 تو کو تو یقین نہیں کرے گا۔

اور اگر کسی نے جبرأت کا اظہار کر دیا تو مختلف بہانوں سے ان
 کے خاوندوں کو یاد الدین کو ٹال دیا۔ مگر آپ یہ یاد رکھیں کہ آپ کا
 یہ طلسم صرف اس لئے ان پر چل جاتا ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو انفرادی
 معاملہ سمجھتے ہیں لیکن جس وقت ان کے سامنے تمام واقعات
 مجموعی حیثیت سے آتے تو پھر ان کو بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ سب
 دھوکہ ہی تھا جو ہمیں دیا جا رہا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو
 پھنسانے کے لئے جو جال آپ نے ایجنٹ مردوں اور
 ایجنٹ عورتوں کا بچھایا ہوا ہے اس کا راز جب فاش
 کیا جائے گا تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ کس طرح ان کے گھروں پر ڈاکہ
 پڑتا ہے۔ مخلص جو آپ کے ساتھ اور آپ کے خاندان کے
 ساتھ تعلق پیدا کرنا فرم سمجھتے تھے ان کے گھروں میں سب سے
 زیادہ ماتم پڑے گا۔ دوسری طرف جن لوگوں کو آپ کی غلط کاریوں
 کا علم ہو جاتا ہے یا وہ کسی کے سامنے اظہار کر بیٹھتے ہیں اور آپ
 کو اس کا علم ہو جائے تو پھر آپ اسے کچلنے کے درپے ہو جاتے
 ہیں اور اس کچلنے میں رحم آپ کے نزدیک تک نہیں پھٹکتا اور

پتھر سے بھی زیادہ سخت دل کے ساتھ اس پر گرتے ہیں اور آپ کی سزا دہی میں اصلاحی پہلو بالکل مفقود اور انتقامی پہلو نمایاں ہوتا ہے چنانچہ مثال کے طور پر سکینہ بیگم زوجہ عبدالحق صاحب کو ہی لے لو۔ کس قدر ظلم اُس پر آپ کی طرف سے کیا جاتا رہا ہے جو کچھ اس نے کہا تھا اس کی سچائی تو اب بالکل ثابت ہو چکی ہے لیکن وہ بے چاری باوجود سچی ہونے کے قیدیوں سے بدتر زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُس کی صحت تباہ ہو چکی ہے، اب تازہ مثال نغوالدین صاحب کی ہے، اس کو بھی آپ نے اس وجہ سے سزا دی ہے کہ اس کو آپ کی غلط کاریوں کا علم ہو چکا ہے اور آپ پر یہ خوف غالب تھا کہ یہ مجھے بدنام کرے گا۔ حالانکہ یہ آپ کا وہم ہی تھا۔ وہ بھی سلسلہ کی بدنامی کے خوف سے ہمیشہ آپ کی پردہ پوشی ہی کرتا رہا چنانچہ اس وہم ہی کی بنیاد پر آپ مدت سے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ کبھی کوئی موقع ملے گا تو اسے جماعت سے نکال دیا جائے۔ تاکہ یہ روٹی سے تنگ آکر ذلیل ہو کر معافی مانگے تاکہ پھر ساری عمر آپ کی سیاہ کاریوں کے متعلق ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکے اور آپ اطمینان سے اپنی حیاشیوں میں مشغول رہیں جیسا کہ آپ پہلے اس طریق سے بعض ایسے آدمیوں کو چپ کر چکے ہیں۔ قاضی اکمل صاحب پر جو ظلم کیا گیا اس کی تہ میں بھی یہی مقصد آپ کا کام کر رہا تھا۔ اس طرح اور بہت سی مثالیں ہیں جن کو وقت آنے پر پیش کیا جائے گا اور ان تمام مظالم کی داستانیں جو تقدس کے پردہ میں آپ کر رہے ہیں وقت آنے پر کھول کھول کر لوگوں کو بتائی جائیں گی۔ ان تمام مظالم کو ڈھلنے میں آپ کو جبرأت ایک تو اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ آپ نے لمبے عرصہ تک مختلف رنگوں میں کوشش

کر کے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر دی ہے کہ آپ ایک مقدس انسان ہیں۔ کہیں اپنے آپ کو مصلح موعود کی پیش گوئی کا مصداق بتایا ہے کہیں موعود خلیفہ۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ طلسم آپ کا بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ لوگ آپ کے اس طلسم کے نیچے صرف اس وقت تک ہی ہیں جب تک ان کو آپ کے چال چلن کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ اور ان کو پتہ نہیں لگتا کہ جس قدر دلائل آپ کو مصلح موعود بنانے کے لئے دیتے گئے ہیں وہ سب غلط ہیں اور یہ کہ مصلح موعود کی پیش گوئی کے مصداق آپ ہو ہی نہیں سکتے۔ حضرت مسیح موعود کا ایک اور خواب ہے جس میں آپ کی گندی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کے آپ مصداق ہیں مصلح موعود کی پیش گوئی کا مصداق کوئی اور آنے والا ہے میں نے خدا کے فضل سے اُس پیشگوئی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور یقینی دلائل سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ آپ مصلح موعود نہیں ہو سکتے۔ پس ایک طرف تو آپ کو اس وجہ سے جرات ہے کہ لوگوں کے دلوں میں غلط طور پر آپ کا تقدس بھٹلا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ آپ کی بات کو خدائی بات سمجھ بیٹھے ہیں، دوسری طرف آپ کو اپنی طاقت اور آئندہ کار کا گھمنڈ ہے جو اول الذکر وجہ سے آپ نے حاصل کیا ہوا ہے۔ تیسرے اس وجہ سے آپ نے یہ چال چلی ہوئی ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹنے نہ دیا جاتے اور منافقوں سے بچو۔ منافقوں سے بچو کے شور سے لوگوں کو خوفزدہ کیا ہوا ہے اور ہر ایک کو دوسرے پر بدظن کر دیا ہوا ہے اب ہر شخص ڈرتا ہے کہ میرا مخاطب کہیں میری رپورٹ ہی نہ کر دے۔ اور پھر فوراً مجھ پر منافق کا فتوے لگ کر جماعت سے اخراج کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ سب کچھ آپ نے

اس لئے کیا ہوا ہے کہ آپ کی سیاہ کاریوں کا لوگوں کو علم نہ ہو سکے۔
لیکن یہ آپ کا غلط خیال ہے۔

قادیان میں بھی اور باہر بھی ایک بڑی تعداد
ہے جو آپ کی سیاہ کاریوں سے واقف ہے اور دن بدن
یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے، انشاء اللہ عنقریب
یہ پھوٹے گا۔

بہت سے لوگ کسی جرأت کرنے والے کا انتظار کر رہے ہیں اور
یہ انسانی فطرت ہے کہ اکثر لوگ خود جرأت نہیں کر سکتے لیکن جرأت
کے ساتھ کسی کو اٹھتا دیکھ کر خود اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آخری بات
جو آپ کو ان تمام مظالم پر جرأت دلارہی ہے وہ بائیکاٹ کا حربہ
ہے۔ آپ نے قادیان کے انتظام کو ایسے رنگ میں چلا دیا ہوا ہے
کہ تمام کی روزی کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے اور یہ ایسی چیز ہے
جس سے انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ بے شک ان باتوں کی وجہ
سے جو اقتدار آپ کو حاصل ہو چکا ہے، آپ یقین رکھتے ہیں کہ
”میں (آپ) اپنے قریب مقابل کا سر ایک آن میں کچل سکتا ہوں۔“
اور اب تو آپ فسادیتوں کا گروہ بھی بنانے کی کوشش
میں لگے ہوتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ میں جو آپ کے
مقابلہ کے لئے کھڑا ہونا چاہتا ہوں، ایک نہایت ہی کمزور
بے بس، بے کس، بے مال، بے مددگار ہوں اور جہاں آپ کو
اپنی طاقت پر ناز ہے وہاں مجھے اپنی کمزوری کا اقرار ہے۔
ہاں میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حق کی قوت میرے ساتھ ہے
اور غلبہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کو ہوتا ہے، جو حق کی تلوار
لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابستدا میں میری بات

کی طرف توجہ نہ کرے اور میں اس مقابلہ میں کچلا جاؤں، لیکن حق کی تائید کے لئے اور باطل کا سرکچلنے کی غرض سے کھڑے ہونے والے علما اس قسم کے انجاموں سے کبھی نہیں ڈرتے۔

حضرت ابنِ زبیرؓ حق کی خاطر باطل کی فوجوں کے مقابل میں اکیلے ہی میدانِ جنگ میں نکلے اور جان دے دی۔ لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا حضرت امام حسینؓ چند آدمیوں کے ساتھ باطل کی فوجوں کے سامنے صفِ آرا ہو گئے اور ایک ایک کر کے جان دے دی۔ لیکن باطل کی اطاعت نہیں کی۔

نتیجہ ہوا جس بات کو وہ ثابت کرنا چاہتے تھے آخر ثابت ہو کر رہی۔ پس اس مقابلہ میں مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں، میرا انجام کیا ہوگا اور میری بات کوئی سنے گا یا نہیں۔ میری تقویت اور ہمت بڑھانے کے لئے صرف یہی کافی ہے کہ میں حق پر ہوں اور آپ باطل پر ہیں اور باطل کا سرکچلتے ہوئے اگر میں اور میرے اہل و عیال بھی شہید کر دیتے گئے جس کا اقدام بھی اگر کیا گیا تو سخت نا عاقبت اندیشانہ ہوگا اور خطرناک نتائج پیدا کرے گا۔ ہم کامیاب رہیں گے ناکام نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ ہمیں اس مقابلہ پر پیٹھ پھیرتے نہیں دیکھیں گے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری تائید کرے گا اور اگر آج نہیں تو آئندہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہو کر رہیں گے اور ان پر سچائی ظاہر ہو کر رہے گی۔ ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور آپ کے چال چلن سے واقف ہو کر جماعتِ خلافت کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہوگی اور آئندہ اپنے انتظام کی بنیاد مستحکم اصولوں پر رکھے گی اور ان فریب کاریوں

سے جن میں آپ نے قوم کو رکھا ہوا ہے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گی۔ کیونکہ دلائل اور حقائق کا مقابلہ آخر لوگ کب تک کریں گے، مجھے اس بات کی بھی بڑی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک وحی میں جو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آج سے تیس سال قبل نازل کی مجھے منافقت جیسے گندے الزام سے پاک قرار دیا ہے اور آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس ظلم سے روکا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اگر اس ظلم سے باز نہ آتے تو آسمانی تائید تم سے چھن جاتے گی، اگر چاہیں تو اس کے لئے تذکرہ کے صفحہ ۶۹۲ پر ۹ فروری ۱۹۰۸ء کے دن سامنے ۸ الہامات درج ہیں ان پر غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے پانچویں الہام میں متقیوں اور محسنوں کے ساتھ بیعت کا ذکر کیا ہے اور پھر چھٹے الہام میں کس طرح منافقوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح قتل کے مستحق ہیں لیکن ساتویں الہام میں لا تقسوا ذنوبکم کہہ کر بتایا ہے کہ دیکھنا کہیں زینب کو قتل نہ کر بیٹھنا۔ اس بات سے ڈرنا کہیں اس کے متعلق بھی منافقت کا الزام تراش کر اس کے قتل کے بھی درپے ہو جاؤ اور پھر آٹھویں الہام میں بھی ان الفاظ ”آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا۔“ میں متنبہ کیا گیا ہے اگر ایسا کر دے تو یاد رکھو کہ آسمان تائید سے کھڑک کر مٹھی بھر رہ جاتے گا۔ سبحان اللہ۔ خدا کے نوشتے کس طرح پورے ہو کر رہتے ہیں۔ کس طرح آج ان الہامات کے تیس سال بعد ان میں بیان کردہ باتیں حرف پوری ہو رہی ہیں کس طرح اب زینب کو قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کس طرح اس کے اور اس کے خاندان کے خلاف منافقت جیسا گندا الزام تراشا جا رہا ہے۔ پہلے اس کی اولاد کے ساتھ جو سلوک

کیا اس نے اسے موت کے دروازے تک پہنچا دیا جس سے بصد شکل وہ بچ سکی اور پھر اب اس پر رزاق بن کر رزق کے دروازے بند کر کے اسے قتل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، میرے لئے تو یہ تمام واقعات ایسا نیکامو جب بن رہے ہیں لیکن آپ کو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے اسے بھی آج سے کئی سال قبل جبکہ ان باتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس نے ان الفاظ میں بشارت دی ہوئی ہے کہ

فَاتْ خَفْتُمْ عِيْلَةً ضَوْفَ يَغِيْكُمْ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

پس میں خدا تعالیٰ کے فضل پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر مقابلہ کی صورت پیدا ہو گئی تو تائید الہی انشاء اللہ ہمارے ساتھ ہوگی اور آپ جو بے گناہ لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں خصوصاً مجھ جیسے گاتے کی مانند بے ضرر انسان (آپ مجھے ایک خطبہ میں گاتے سے مشابہت دے چکے ہیں) کو دکھ دینے پر تلے ہوتے ہیں یقیناً یقیناً تائید الہی سے محروم رہیں گے۔ کس قدر ظلم ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو آپ کی بدچلنی کا علم ہو گیا ہے، اس کے پیچھے جاسوس لگا دیتے جاتے ہیں اور مقرر کرنے سے قبل انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے۔ اس کے نفاق کو برداشتی میں لانا ہے اب وہ یہ سمجھ کر کہ خلیفہ نے بتایا ہے کہ فلاں منافق ہے، اگر ہم ایسی رپورٹیں نہ دیں جو اس کے نفاق کی تائید کرتی ہوں تو ہم نالائق سمجھے جاتیں گے۔ فوراً اس کی ہر حرکت و نقل اس کے ہر لفظ و حرف کو اسی رنگ میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں اور رپورٹوں پر رپورٹیں بھیجتے چلے جاتے ہیں جن سے ایک فائل تیار ہوتا رہتا ہے اور اس غریب کو علم بھی نہیں کہ اس کے پکڑنے کے لئے کس کس قسم کے جال

پھلتے جا رہے ہیں اور وہ اس میں پھنسا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ وقت آجاتا ہے کہ ایک ذرا سے بہانے پر اس کو پکڑ کر سزا دی جاتی ہے، اور گزشتہ تمام رپورٹوں کو بھی دلیل بنا لیا جاتا ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر میں تحقیق کی روشنی تک بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ کیا آپ پر جو جماعت کے لئے بطور مصالح ہونے کے مدعی ہیں یہ فرض نہیں کہ جس شخص کے متعلق پہلی ہی رپورٹ آئے یا آپ کے علم میں اس کے خلاف کوئی بات لائی جائے جس میں اصلاح کی ضرورت ہو تو اسے بلا کر سمجھاتیں اور اس کو غلطی سے نکال کر اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔

کہ آپ اس شخص کی جس کے خلاف آپ کو رپورٹیں ملتی ہیں اصلاح نہیں چاہتے بلکہ اس کو تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کے خواہشمند ہیں اور فخر الدین صاحب کے کیس میں کیا یہی کچھ نہیں ہوا کہ اس کے خلاف دو سال سے آپ رپورٹیں جمع کر رہے تھے لیکن کسی ایک رپورٹ کی بھی تحقیق نہیں کی گئی اور اب انہیں موجودہ کیس میں دلیل بنا لیا گیا ہے حالانکہ ابتدائی رپورٹ کی ہی آپ تحقیق کر لیتے تو میرا غالب خیال ہے کہ صفائی ہو جاتی اور آپ کو اسی قدر لمبے عرصہ تک جو تک و دو کرنی پڑی ہے نہ کرنی پڑتی چنانچہ تفصیلی حالات شائع کرنے پڑ گئے تو آپ کو علم ہو جاتے گا کہ اس کا وہ تصور وار نہیں بلکہ تصور کسی اور کا ہے جس کا ذکر میں ابھی مناسب نہیں سمجھتا۔

میں آپ کی خدمت میں خدا کا واسطہ ڈال کر اور سلسلہ کی عظمت اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری عمر کی محنت کا واسطہ ڈال کر جو آپ نے اس پودا کو لگانے اور اس

کی پرورش کرنے میں صرف کی ہے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سلسلہ کی عظمت اور اس کی نیک نامی پر کوئی دھبہ نہ لگے اور یہ کہ دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ ملے تو آپ جلد از جلد اپنی سیاہ کاریوں سے توبہ کریں اور یہ مظالم جو آتے دن آپ سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اُمید ہے ان کی ضرورت ہی پیش نہیں آتے گی میں حیران ہوں کہ آپ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب اس طرح آپ پُرانے آدمیوں کو نکالتے چلے جاتیں گے تو کیا کبھی بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں گی اور کبھی بھی ان کو خیال نہیں پیدا ہو گا کہ کیا وجہ ہے کہ:-

اتنے پُرانے اور مخلص دوست آپ کی ذات پر اتہام لگانے کے جرم میں جماعت سے الگ کئے جلتے ہیں۔ اور ہر چند سالوں کے بعد کوئی نہ کوئی دوست آپ کی ذات پر اتہام لگانے لگ پڑتا ہے۔ یاد رکھیں یہ بات ضرور ان کی توجہ کو تحقیق کی طرف پھیر دے گی اور پھر آپ کی خیر نہیں اس لئے آپ فوراً ان باتوں سے توبہ کر کے اپنے اوپر اور سلسلہ پر رحم کریں اور اس لڑکے کا وہ قول کہ جو اس نے امام ابو حنیفہؒ کو کہا تھا کہ ”میں پھسلا تو اکیلا پھسلوں گا لیکن آپ اپنے پھسلنے کی فکر کریں، اگر آپ پھسلے تو کئی آدمیوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبیں گے“ ہمیشہ مَدِ نظر رکھیں۔

میں آپ کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ فخر الدین صاحب کو نکالنے میں آپ نے سخت غلطی کی ہے اور جلد بازی سے کام لیا ہے اس کو آپ کے چال چلن کے متعلق بہت سے واقعات معلوم ہیں اور اس نے ان کی اشاعت سے باز نہیں آنا صرف واقعات ہی نہیں

بلکہ ان تمام اشخاص کے نام بھی شائع کرے گا جنہوں نے آپ کی بد چلنی کی نہ صرف شہادتیں دی ہوئی ہیں بلکہ کئی واقعات اپنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ نہ صرف آپ کو حیران کر دینے والی ہوگی بلکہ دنیا کو بھی حیرت میں ڈال دے گی اور جماعت میں قیامت خیز زلزلہ پیدا کر دے گی پھر ان میں سے ایسے لوگ ہیں جن کو مچھلانا یا جن کو جماعت سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ آخر ان لوگوں کو سچی گواہی دینی پڑے گی۔ خصوصاً جب ان سے تریاق القلوب والی قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر چپ رہیں تب مشکل۔ اگر جھوٹ بولیں تب مشکل عجیب خاصہ میں ان کی جان پڑ جائے گی، آخر وہ مجبور ہوں گے کیا ان واقعات سے انکار نہیں کر سکیں گے اور اس کے نتیجہ میں جو مشکلات پیدا ہوں گی اس کا اندازہ آپ خود ہی کر سکتے ہیں ابھی تو گھر میں ہی بات ہے اندر ہی اندر بغیر کسی کو علم دیتے دبائی جاسکتی ہے اگر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گئی تو پھر اس کا دباننا مشکل ہو جائے گا۔ میں نے آپ کو عین وقت پر بتلادیا ہے فقدا عذرومن اندر۔ پس آپ وقت ہاتھ سے نکلنے سے قبل اصلاح کر لیں، اور اپنی غلطی کو واپس لے لیں ورنہ پھر پچھتاوے کیا ہوتا جب چڑیاں چگ گئیں کھیت کی مثل صادق آتے گی اور بجز کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آتے گا۔

ان تمام باتوں کو خدا کے لئے کسی دھمکی پر محمول نہ کریں اسے خاصانہ نصیحت سمجھیں اور اس رنگ میں اسے پڑھیں ننگے الفاظ میں محض اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ میری غرض محض اصلاح ہے اور سلسلہ کو بدنامی سے

بچانا ہے۔ میں ہرگز اسی بات کو نہیں چاہتا کہ سلسلہ کے نظام کو توڑ دیا جائے یا اس کے نقائص پبلک میں آئیں اور دشمنوں کو خوشی ہو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ نئے نظام کے قائم کرنے میں کس قدر مشکلات ہوں گی۔ اور اس کو توڑنے میں کس قدر خطرات پیش آئیں گے، گو آپ اپنی بد چلنی کی وجہ سے معزول ہونے کے قابل ہیں لیکن چونکہ جماعت آپ کے ہاتھ میں اپنے نظام کی باگ ڈور دے چکی ہے اس لئے یہ آپ کے ہاتھ میں ہی رہے۔ پس آپ بہت جلد کسی مناسب طریق سے فخر الدین صاحب والے اعلان کو واپس لے لیں اور سلسلہ کو بذمائی سے بچا لیں۔ آپ کی بد چلنی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کے متعلق ایک بات میرے دل میں کھٹکتی رہتی ہے، اس کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ممکن ہے جس چیز کو ہم زنا سمجھتے ہیں آپ اسے زنا ہی نہ سمجھتے ہوں اور آپ کو چونکہ قرآن شریف کے عارف ہونے کا دعویٰ ہے اس لئے ممکن ہے آپ کی باریک بین نظر نے مفریعت سے ان افعال کے متعلق جن کے آپ مرتکب ہیں کوئی جواز کی صورت نکال لی ہو۔ پس اگر ایسا ہے تو مہربانی فرما کر مجھے سمجھا دیں اگر میری سمجھ میں آگئی تو میں اپنے سارے اعتراضات واپس لے لوں گا۔ اسی طرح فخر الدین صاحب کے متعلق بھی اگر آپ مجھے یہ سمجھا دیں کہ وہ فی الحقیقت پیغاموں اور احراروں سے ملا ہوا ہے تو میں اس سے فوراً قطع تعلق کر لوں گا اور اس سے قطعاً کوئی ہمدردی مجھے نہیں رہے گی، کیونکہ سلسلہ مجھے سب تعلقات پر مقدم ہے لیکن اگر آپ اپنی اصلاح بھی نہ کریں اور مجھے بھی نہ سمجھائیں تو پھر مجبور ہوں کہ آپ کو ان معنوں میں خلیفہ نہ سمجھوں کہ آپ حضرت یسوع موعود کے ان کی ردحانیت

میں نائب ہیں اور اس وقت تک کہ آپ کی اصلاح کا مجھے یقین ہو جائے میں آپ کے ذاتی چال چلن کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے یہ سمجھوں گا کہ میں ایک ایسی ریاست میں رہ رہا ہوں جس کا والی بد چلن ہے، لیکن اس کی بد چلنی سے ہمیں کیا تعلق؟ ریاست کے انتظام کے متعلق جو احکام والی کی طرف سے صادر ہوں گے، ان کی تعمیل حسب استطاعت کرتے رہیں گے۔ پس ٹھیک اس طرح میں آپ کو جماعت کے نظام کا ہیڈ یعنی افسر بالاسمجھ کر مسئلہ کی خدمت، جو میرے سپرد ہو گی، کما حقہ، بجا لاؤں گا، بشرطیکہ آپ کی طرف سے اس میں بھی رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں جیسا کہ اب آپ ڈال رہے ہیں، چنانچہ آپ نے میرے سٹاف کے ممبروں اور میرے طلباء کو میرے اوپر جاموں مقرر کیا ہوا ہے اور ایسے آدمیوں کو مجھ پر مسلط کیا ہوا ہے جن کو انتظامی طور پر مجھ سے تکلیفیں پہنچی ہوتی ہیں اور جو دشمنی اور انتقام کے جذبات اپنے دلوں میں میرے خلاف رکھتے ہیں اور آپ بھی اس کو اچھی طرح جانتے ہیں، ایسی حالت میں قطعاً میرا کوئی رعب سٹاف پر رہ سکتا ہے نہ طلباء پر پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ سلسلہ کے اس کام میں جو میرے سپرد ہے نقص پیدا نہ ہو تو جاسوس دور فرمائیں اور میری (PRESTIGE) کو دوبارہ قائم کریں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ میرے کام کو آپ خود عمداً خراب کر کے مجھ پر انتظامی رنگ میں گرفت کرنا چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کہ اصل سبب لوگوں کی نظر سے ادھل رہے اور اس پر پردہ پڑا رہے یہ راہ بھی میں بطور تنزیل اختیار کرنے پر راضی ہوں اور وہ بھی محض اس لئے کہ جماعت کو فتنہ سے بچانے کے لئے میری طرف سے کوئی کوتاہی نہ رہے میں آپ سے آپ کی بد چلنیوں کی وجہ سے الگ

ہو سکتا ہوں لیکن جماعت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جماعت سے علیحدگی
ہلاکت کا موجب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور چونکہ دنیا میں کوئی ایسی
جماعت نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے
عقائد و تعلیم پر قائم ہو۔ بجز اس جماعت کے جس نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا ہوا
ہے اس لئے میں دورا ہوں سے ایک ہی کو اختیار کر سکتا ہوں یا تو میں
جماعت کو آپ کی صحیح حالت سے آگاہ کر کے آپ کو خلافت سے
معزول کر کے نئے خلیفہ کا انتخاب کر دوں اور یہ راہ پُناز خطرات ہے
یا جماعت میں آپ کے ساتھ مل کر اس طرح رہوں جس طرح میں نے
اوپر بیان کیا ہے اب یہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ آپ مجھ سے شق
اول اختیار کروائیں یا دوسری شق اختیار کر دانے کی صورت ہو تو اس میں
آپ پر یہ فرض ہوگا کہ مجھ پر جو حملے آپ نے کئے ہیں ان کا ازالہ بھی خود ہی
کسی مناسب طریق سے کریں میں اس جگہ اس بات کا اضافہ کر دینا بھی
ضروری سمجھتا ہوں کہ

میرے آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ
مجھے مختلف ذرائع سے یہ علم ہو چکا ہے کہ آپ
جنبی ہونے کے حالت میں مجھے بعض دفعہ
نماز پڑھانے آجاتے ہیں، ہاں اگر کسی
موقع پر پڑھنے پڑ جائے تو میرے فتنہ نہیں
ڈالوے گا۔ اسے وقت پڑھ لوے گا۔ لیکن
علیحدگی میں جا کر اسے دُھرا لوے گا۔

میں اخلاقی مجرم ہوں گا اگر اس تحریر کے ختم کرنے سے قبل سردار
مصباح الدین صاحب کے متعلق آپ کی غلط فہمی دور نہ کر دوں، میں
سنتا ہوں کہ آپ ان سے بھی ناراض ہیں اور ان کے ساتھ بھی غم الدین

صاحب والا معاملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن میں دیانتداری کے ساتھ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بالکل بے قصور ہیں ان باتوں سے کوسوں دور ہیں مخلص احمدی ہیں سلسلہ کا درد ان کے دل میں ہے اور وہ کام کے آدمی ہیں ان سے اگر کام لیں تو وہ آپ کو اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ کام دے سکتے ہیں اور بہت مفید کام دے سکتے ہیں۔ اگر ان میں آپ کے نزدیک کوئی نقص ہے تو کون سا آدمی ہے جو نقصوں سے خالی ہوتا ہے پس ایسے مفید اور مخلص انسانوں کی قدر کریں یہی لوگ وقت پر آپ کے کام آئیں گے

جو لوگ آج کل آپ کے ارد گردھیے اور جو بدقسمتی سے مخلصہ سمجھ لئے گئے ہیں یہ سخت مفید اور فتنہ ڈلوانے والے لوگ ہیں۔

یہ اتنا نہیں جانتے کہ اخلاص کس بلا کا نام ہے اور جماعت کے اتحاد کی کیا قدر قیمت ہے۔ ان کو اپنی ذاتی اغراض سے تعلق ہے جب تک وہ پوری ہوتی رہیں گے وہ سلسلہ کے ساتھ ہیں اور ان کے پورا ہونے میں ادنیٰ سا بھی فرق نظر آیا یا دوسری جگہ سے زیادہ دنیادی فوائد مل جائیں تو وہ سلسلہ کو فروخت کر کے اپنی اغراض کو پورا کر لیں گے۔ اس قماش کے لوگ ہیں جو آج کل آپ کے معتمد علیہ بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض کے متعلق تو مجھے شبہ ہے وہ دل میں پیغامی ہیں اور یہاں محض جماعت میں فتنہ ڈالوانے کے لئے رہتے ہیں اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنا رحم کرے اور جماعت کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ی طرح فخر الدین صاحب کے متعلق میں پھر عرض کروں گا کہ اس کے فیہ نہ پرتہ ثانی ہوئیں وہ بھی مخلص اور کام کا آدمی ہے وہ سلسلہ

کا اور آپ کے اہل بیت کا دیرینہ خادم ہے ہر شخص اپنی طرز خدمت کرتا ہے اس نے بھی اپنی طرز پر کبھی کسی خدمت سے منہ نہیں موڑا۔ اس سے بھی آپ کو غلط طور پر بدظن کیا گیا ہے اس کے معاملہ میں عجیب بات یہ ہے کہ عبدالرحمن برادر احسان علی نے دوران مقدمہ میں کہا تھا کہ میں فخر الدین کو جماعت سے نکلوا کر چھوڑوں گا اور آج وہ بات پوری ہو جاتی ہے۔ آپ حضرت علیؑ اور زبیرؓ کے واقعات کو یاد کریں کس طرح ان کے اندر اتحاد کی سچی تڑپ تھی اور کس طرح انہوں نے عین میدان جنگ میں سمجھوتہ کر لیا تھا، لیکن جو لوگ ان کے ارد گرد تھے اور جو اس وقت ان کے معتمد علیہ بنے ہوئے تھے اور بڑے اخلاص کا اظہار کر رہے تھے اور اپنے آپ کو اسلام کے سچے جانثار ظاہر کر رہے تھے انہوں نے اپنی خباثت فطرت کا ثبوت دیتے ہوئے دونوں کو آخر لڑا دیا اور اسلامی اتحاد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ پس اس وقت بھی بعینہ ایسی ہی حالت سامنے ہے۔ مہربانی فرما کر سوچ سمجھ کر قدم رکھیں، ایسا نہ ہو کہ ایک غلط قدم اصل راستہ سے ہزاروں کوس جماعت کو دور لے جاتے اور اس وقت ہوش آتے جب کہ واپس ٹرنا سخت مشکل ہو چکا ہو پس اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ آپ کو ٹھنڈے دل سے اس تحریر پر غور کرنے کی توفیق دے اور ایسی راہ پر گامزن کرے جس سے فتنوں کا دروازہ نہ کھلے، کیونکہ جو دروازہ ایک دفعہ کھلتا ہے وہ بند نہیں ہوا کرتا۔ اے اللہ تو ہمیں فتنوں سے بچا کیونکہ تیرے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَيْرُ حَافِظًا - اَنْتَ خَيْرُ حَافِظًا -
اَنْتَ خَيْرُ حَافِظًا -

میں نے جو کچھ عرض کرنا تھا سچائی اور دیانتداری کے ساتھ سلسلہ

کی اور آپ کی بہتری کو مد نظر رکھ کر عرض کر دیا ہے۔ اب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کی جو قضا ہوگی وہ جاری ہو کر رہے گی۔ ہم راضی ہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا، سلسلہ کے لئے بہتر ہی کرے گا۔

وافرض امری الی اللہ واللہ بصیر بالعباد
واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام
عبدالرحمن مصری

۱۰/۶/۳۷

یہ خط ۱۰ کو لکھا گیا اور گیارہ کو بھیجا گیا۔

مذکورہ بالا خط کا جواب نہ پا کر مصری نے ۱۲ جون ۱۹۳۷ء کو بطور یاد دہانی مزید ایک خط لکھا۔ اول تو پہلا خط اس قدر واضح تھا نیز مصری کے نزدیک ابن دجال کا، جو احترام تھا، سب کچھ جان جانے کے باوجود خط میں گستاخی کا پہلو نہیں تھا۔ دوسرے خط میں صرف پہلے خط کے جواب کا تقاضہ تھا، مگر انسان کا ضمیر جب اندر سے اس کے کردار پر ملامت کرتا ہے تو نہ زبان میں گویائی کی طاقت رہتی ہے نہ ہاتھ ساتھ دیتے ہیں۔ تیسرا خط جو ۲۳ جون ۱۹۳۷ء کو لکھا اس میں قدرے تلخی تھی۔

تو تین یہ خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَسْتَعِیْذُکَ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خط نمبر ۲

سیدنا۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

میں ایک عرفینہ پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ ابھی تک جناب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں (PRESTIGE) (دقار) کا خیال اس غلصانہ اور ہمدردی سے بھری ہوئی نسیحت کو قبول

کرنے میں مانع ہو۔ میں پھر آپ کی خدمت میں دوبارہ عرض کرتا ہوں
کہ آپ مجھ پر اعتماد کریں اور یقین کر لیں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے
وہ سلسلہ اور آپ کی ذات دونوں کو بدنامی سے
بچانے کے لئے عرض کیا ہے اور میں دل سے چاہتا
ہوں کہ یہ معاملہ پبلک میں نہ آئے
اور انشاء اللہ یہ بصیغہ راز ہی رہے گا !

آپ یہ خیال بھی دل میں نہ لائیں کہ آپ کے (PRESTIGE) یعنی وقار
کو یا آپ کے مقام کو اس سے کوئی صدمہ پہنچے گا۔ اگر آپ ان باتوں
سے تو بکر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو آپ ہمیں پہلے سے بھی بڑھ کر
مخلص پائیں گے۔

یہ بات آپ سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ جماعت کا فرض ہے کہ اپنے
اس خلیفہ کے اعمال کی جو خدا کی طرف سے براہ راست مامور نہیں کیا
جما تہ نگداشت رکھے اور اگر اُسے شریعت سے منحرف ہوتے
دیکھے تو اس کو شریعت کی اطاعت کی طرف لائے، چنانچہ حضرت
ابوبکرؓ کے خطبہ کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

انما انا مشكك انما انا متبع ولست بمبتدع فان
استقمتم فتابعوني وان زغبت فقوموني
الا وان لي شيطاناً يعتريني فاذا اتاني فاجتنبوني

ترجمہ: میں صرف تمہاری مانند اُمت کا ایک فرد ہوں۔ میں تو مقررہ شریعت
کا اتباع کرنے والا ہوں۔ میں اس شریعت میں کوئی نئی چیز داخل نہیں
کر سکتا۔ اگر میں سیدھا رہوں تو میری تابعداری کرو۔ اگر میں شریعت
کے احکام سے منحرف ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ یہ بھی سن لو کہ میرا
بھی شیطان ہے جو مجھے آچٹتا ہے پس جب وہ میرے پاس آئے تو

مجھ سے الگ ہو جاؤ“ (زائد عبارت) یہ ترجمہ خط میں نہیں لکھا گیا۔
الفاظ واضح ہیں، مجھے آپ کے سامنے کسی قسم کا استدلال کر کے پیش
کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔

پس ایسی صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم
آپ کے اعمال میں اگر کوئی خلافِ شریعت جزو
دیکھیں تو اس سے آپ کو روکنے کی اپنی پوری کوشش کریں

اب میرے علم میں جب وہ باتیں آپ کی ہیں جن کا ذکر میں اپنے پہلے
عرضہ میں کر چکا ہوں تو میرا فرض ہے کہ میں آپ کی اصلاح کروں اور
اس کے دو ہی طریق ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ میں خود بے سغہ راز آپ سے
عرض کروں اور اس پر میں نے عمل کیا ہے۔ دوم۔ اگر آپ توجہ نہ فرمائیں
تو پھر جماعت کے سرکردہ اصحاب کے سامنے تمام واقعات بالتفصیل
رکھ کر ان سے مشورہ کروں اور جو تجویز آپ کو ان باتوں سے روکنے
کے لئے قرار پائے، اس پر عمل کیا جائے اور اگر وہ بھی ڈریں اور توجہ
نہ کریں تو پھر ساری جماعت کے سامنے رکھ کر اس کا فیصلہ کراؤں
لیکن میری انتہائی کوشش یہی ہو گی کہ دوسروں کو چھوڑ کر اپنی جماعت
کے بھی کسی فرد کو اس کا علم نہ ہو۔ صرف میرے اور آپ کے درمیان
ہی یہ بات رہے۔ دوسری دو صورتیں انتہائی بالواسطہ کی حالت میں
عمل میں لانی جاتیں در نہ نہیں، لیکن میں نے جیسا کہ پہلے عرض کیا
میں بھی عرض کیا ہے ان واقعات کا علم صرف مجھ تک ہی محدود نہیں
بلکہ بہت سے لوگوں کو اس کا علم ہے اور انہی میں سے فخر الدین
صاحب بھی ہیں۔ ان کو جماعت سے الگ کیا گیا ہے اور وہ جانتے
ہیں کہ ان کو علیحدہ محض اسی وجہ سے کیا گیا ہے کہ وہ ان واقعات
کا علم رکھتے ہیں ایسی حالت میں اپنے آپ کو بدنامی سے بچانے

مے لئے وہ بھی مجبور ہوں گے کہ پبلک میں کوئی بیان شائع کریں اور مجھے علم ہے کہ ان کا ارادہ تھا اور اسی بنا پر میں نے آپ کو لکھا تھا کہ پبلک میں بات آنے سے قبل آپ ان کی تلافی کر لیں اور کسی مناسب طریقہ سے اس اعلان کو منسوخ کر دیں جس سے آپ کا وقار بھی قائم رہے اور وہ بھی مجبور ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاتے جس کا واپس لینا مشکل ہو جائے۔ پرسوں اتفاق سے میں ٹبک ڈپو کی طرف گیا اور میں نے دیکھا کہ منظر اور مولوی فضل دین صاحب وہاں بیٹھے ہیں۔ محمد یوسف بن مولوی قطب الدین صاحب نے منظر سے پوچھا کہ تمہارے آبا کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ

معافی مانگ رہے ہیں مگر ابھی کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے مجھے بیحد خوشی ہوتی اور میں نے شکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو معافی کی طرف پھیر دیا ہے اور پہلے ارادے سے باز آگیا ہے۔ اس کے لئے یہ ایک موقع ہے اب اس سے فائدہ اٹھالینا چاہیئے اس سے جناب کے وقار کو بھی صدمہ نہیں پہنچے گا اور معاملہ بھی نہایت عمدگی سے طے ہو جائے گا۔

پس میں پھر آپ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور سلسلہ حقہ کی عزت کا واسطہ ڈال کر عرض کرتا ہوں کہ آپ نزاکتِ وقت کو پہچانیں اور سلسلہ کو بدنامی سے بچالیں اور دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں اور فوراً اس کی معافی کا اعلان فرمادیں کیونکہ اب اس نے خود معافی مانگ لی ہے ورنہ بات ہاتھ سے نکل جاتے گی اور پھر کچھ نہیں بن سکے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

اس کے پاس مواد بہت زیادہ ہے اور اس کو اس نے استعمال کیا تو مشکلات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہمارے

سامنے آجلتے گا جس کی رد کو رد کنا نامکن ہو جائے گا۔ یہ ایک سچے ناصح کی نصیحت ہے۔ کاش آپ اس کی طرف پوری توجہ دیں اور اس کو قبول کر کے جماعت کو فتنہ سے بچالیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دل کو سیدھا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

الناصح المشفق

(عبدالرحمن مصری) ۶۴-۱۴

خط نمبر ۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّيَ عَلَى رَسُولِهِ

سَيِّدَنَا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

دو عریضے میں جناب کی خدمت میں قبل ازیں ارسال کر چکا ہوں۔ ان کے بعد مزید غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھے نرمی نہیں دکھانی چاہیے کیونکہ اس معاملہ میں نرمی سلسلہ کے ساتھ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات اور حضور کی اولاد کے ساتھ خیانت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بے شمار احسانات کے نیچے ہم دے ہوئے ہیں۔ میرا نفس مجھے بار بار ملالت کر رہا ہے کہ کیا ان احسانات کا یہی بدلہ ہے کہ ان کی اولاد کو ایک بدی میں مبتلا دیکھ کر اس میں سے انہیں نکالنے کے لئے کوشش نہ کی جائے۔ یہ سلسلہ کے ساتھ بھی خیانت ہے اور وہ اس لئے کہ سلسلہ کے افراد اندر ہی اندر آپ کی یہ حالت دیکھ کر دہریہ ہوتے چلے جا رہے اور ہم اعلانیہ ان

کو روک نہیں سکتے۔ یہ بدی . اتنی سرعت کے ساتھ سرایت کر رہی ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب اس بدی کو بدی نہیں سمجھا جاتا اگر اس رو کو اس وقت نہ روکا جائے تو خدا جانے کتنی نسلوں تک یہ وہاں اسی طرح پھیلی چلی جاوے گی اور کب اس کا خاتمہ ہوگا۔ اگر ہم علماً خاموش رہیں تو یقیناً خدا کے حضور جوابدہ ہوں گے

میں عرض کرتا ہوں کہ

اخذتہ العذۃ بالاثم کی حالت آپ پڑ آئے۔ آپ ایک گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور گناہ سے توبہ کرنے میں عزت ہے بے عزتی نہیں پس اگر آپ توبہ کے لئے تیار ہوں تو توبہ کی جو اہم شرائط تمام صوفیانہ لکھی ہے اس پر عمل شروع ہو جانا چاہیے اور وہ یہ کہ اس بدی کا ماحول بدلا جائے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے

مندرجہ ذیل باتوں پر عمل ضروری ہے

(۱) آپ کے پاس محرم عورتوں کے سوائے بالعموم عورتیں نہ جائیں ۔

(۲) تمام غیر محرم عورتیں آپ سے پردہ کریں اور یہ آپ ان سے حکماً کھڑائیں۔ یہ ایک شریعت کا حکم ہے جس کی پیروی کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے اور قطع نظر اس حالت کے ویسے بھی آپ پر بحیثیت خلیفہ ہونے کے یہ فرض ہے کہ آپ شریعت کے احکام کو نافذ کریں ۔

(۳) تمام وہ لوگ خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں جو اس کام میں آپ کے معاون بنے ہوئے ہیں ان کو اب رخصت کیا جاوے

میں یہیں کہتا کہ آپ فوراً ایسا کریں بے شک حکمتِ عملی سے کام لے کر کچھ عرصہ تک انہیں اپنے سے علیحدہ کر دیں۔

(۴) جو سختیاں آپ نے محض اپنے اس عیب کو چھپانے کیلئے بعض صحابہِ سیح موعود پر کی ہوئی ہیں، ان کی تلافی کی جائے، یہ میرے جائز اور واجب چار مطالبات ہیں۔

تقویٰ و دیانت اور انصاف تقاضا کرتے ہیں کہ آپ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دل کی خوشی کے ساتھ انہیں پورا کریں ہاں اگر انہیں یا ان کے پورا کرنے کی طرز اور حکمت میں کوئی ترمیم وغیرہ کرنا چاہیں تو مجھ سے زبانی گفتگو کر سکتے ہیں۔

شیخ عبدالرحمن مصری

۳۷ - ۶ - ۲۳

فخر الدین ملتانی کا قتل | عبدالرحمن مصری کے خطوط نے آذر کے صدمہ کدہ میں کھلبلی مچا دی۔ ہر بیت ایک دوسرے پر مخبری کا شبہ کرنے لگا۔ درون پردہ سینڈ اس کی بدبو بھیل چکی تھی، تاہم پردہ اٹھنے کی منتظر تھی نگاہ۔

اگر ابنِ دجال اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا تو ممکن ہے مزید کچھ دیر بُرائی کا طوفان رُک جاتا مگر بُرے دن پوچھ کر نہیں آتے۔

ہنوز بات آگے بڑھ رہی تھی، اس ضمن میں عبدالرحمن مصری نے ابنِ دجال کے حامی ڈاکٹر اسماعیل سے بطور نگہ اپنے صاحبزادے کے انگشتاں کا ذکر

کیا۔ جواب میں ڈاکٹر اسماعیل نے کہا۔

”مصری صاحب! حضور (بشیر الدین محمود) سلسلہ احمدیہ کا اتنا کام کر رہے

ہیں اگر اس دوران تھوڑی بہت تفریح کر بھی لیتے ہیں تو کیا حرج ہے؟“

بادِ سموم میں جیسے تیزی آتی گئی کلائے ہوئے پھول آپ سے آپ

گرتے چلے گئے۔ عبدالرحمن مصری کے بعد حکیم فخر الدین ملتانی پر بشیر الدین کا عقاب

آنے لگا، حالانکہ یہ غیر نہیں تھا۔ گذرے ہوئے کل اسی باغ کا پھول تھا، مگر اس

کے ضائع کرنے میں بھی صیاد کے چلن کا دخل تھا۔ فخر الدین کا قصور صرف اتنا تھا

کہ اس نے مصری کے ہمنوا ہو کر مصری کے بیٹے نے جو انکشافات کئے تھے اُس کی

بنیاد پر مصری نے ابنِ دجال کی جعلی خلافت میں اپنی طرف سے ایک استغاثہ

دائر کیا جس پر بشیر الدین پر الزامات کی طویل فہرست درج تھی اور مطالبہ کیا

گیا تھا کہ موجودہ نام نہاد خلیفہ کو اس کی ذمہ داروں سے فی الفور الگ کر دیا جائے۔

مندرجہ بالا مطالبات اشتہار کی صورت میں قادیان کے در دیوار پر چسپاں

کر دیئے گئے اس کے نیچے فخر الدین ملتانی کے دستخط تھے اور بس۔ اتنے سے مجرم پر

فخر الدین ملتانی پر کیا گزری؟ یہ اسی کی زبانی سنئے۔

”یہ ناکہ بندیاں؟ یہ خلافتِ تہذیب و مشرافت گالیاں؟ ہمارے

نان و نفقہ کی بندش؟ ہمارے بچوں اور عورتوں کو اینداز سانی، پٹھ بند

اور ہلکی اسٹیک بند؟ سڑکوں کے مظاہرے یا قتل و غارت کی دھمکیاں؟

ہمارے گھروں اور ہماری ڈاک پر ٹو اکہ زनियाں؟ اور ہمارے شیر خوار

بچوں کے دودھ بند کرنے؟ اور یہ طاریح زनियाں اور دور بین بازیاں

مگر کے ہماری لڑکیوں اور عورتوں کی بے پردگی کے محبینہ اڑکھاب؟

اور طرح طرح کے مقدموں میں پھنسانے کی کوشش مکرنا؟ ہمارے

قرض داروں کو قرض ادا کرنے سے روکنا اور ہمارے قرض خواہوں

کو مقدمہ بازی پر آمادہ مکرنا وغیرہ وغیرہ“

ہمیں ان پاک ارادوں اور قیام قادیان سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔
قادیان خدا کے مُرسَل کا تخت گاہ ہے، اُسے ایک آن کے لئے بھی
ویران نہیں دیکھ سکیں گے۔“ اشتہار۔

مندرجہ بالا اشتہار کے نیچے ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء کی حاریخ درج تھی۔

اُن دنوں اس طرز کے مزید کئی پوسٹر دیکھنے اور سننے میں آئے، جنہوں نے تقدس
کی چادر نوح ڈالی۔ قصر ذلالت کے بام و در میں دراڑیں پڑ گئیں۔ مظلوم ظالم سے
انتقام انتقام لپکانے لگے۔ خون سے لتھڑی ہوئی معصوم عصمتوں کی چادروں
نے ابنِ دجال کو اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔

مصری اور ملتان کے مشترک مطالبہ تحیقات کا اس قدر شور ہوا کہ قادیان
جہنم کدہ بن گیا۔ اس ہنگامہ آرائی سے گھبرا کر بشیر الدین محمود نے ۲۳ جولائی
کو اپنے گوردوارہ (مرزائیوں کی عبادت گاہ) میں جمعہ کے خطبہ میں اپنے
مخالفین کو کھلم کھلا گالیاں دیں۔ ان پر الزام لگائے، اپنے پالتو عقیدوں
کو اشتعال دلایا۔ اس کے جواب میں فخر الدین ملتان نے کہا۔

”اسی لئے تو ہم جماعت سے بار بار آزاد کشن کا مطالبہ کر رہے ہیں
تاکہ ان کے بُرے اور اچھے نتائج مخفی اور ظاہری سامنے آجائیں اور
اس قضیے کا جلد فیصلہ ہو جائے کہ خاندانِ فحاشی کا مرکز ہے یا بالفاظِ
دیگر دوسرے لوگ جنہیں مطعون کیا جا رہا ہے۔“

ابھی ملتان کے الفاظ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ، اگست ۱۹۳۷ء کو
دوپہر کے وقت سرعام قصر ذلالت کے سامنے فخر الدین ملتان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور
وہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر ۱۳ اگست ۱۹۳۷ء کو گوردوارہ سپور ہسپتال میں انتقال
کر گیا۔

فخر الدین ملتان کا لہو نجس ہونے پر بھی حق کو اجاگر کرنے میں بڑا معاون ہوا۔
اس خون سے آتش کدہِ نمود کی آگ اس قدر تیز ہوئی کہ باطل خاکستر ہو کر رہ گیا۔

اور اسی راکھ سے قانون کے لئے قاتل کی تلاش آسان ہو گئی۔

مقتول قصر ذلالت کے سامنے گھنٹوں ٹپتا رہا۔ ابھی دجال کا خوف حالات پر اس طرح محیط تھا کہ زحمنی کے منہ میں پانی ڈالنے والا کوئی نہیں تھا۔ آخر مولانا عنایت اللہ سمیت اعرار کارکنوں نے فخر الدین ملتانی کو سنبھالا دیا۔ پولیس تھانہ میں رپورٹ درج کرائی اور زحمنی کو ہسپتال پہنچایا۔

فخر الدین کا قاتل عبدالعزیز (مرزائی) گرفتار کر لیا گیا۔ بقول سیشن جج گورداسپور، مثل مقدمہ شہادتوں کی روشنی کے مطابق مرزا محمود اس قتل میں برابر کا شریک ہے۔

ان دنوں لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس سر ڈگلس جگ تھا۔ جب اُس کے روبرو قاتل کی پہلی پیش ہوئی تو اُس نے اپنے خود کا شہ پودے کو تحفظ دے کر مجرموں کی فہرست سے الگ کر دیا۔ اس طرح مرزا بشیر الدین کیفر کردار تک پہنچنے سے بچ گیا۔ اس مقدمہ میں چیف جسٹس کے فیصلہ کے اہم اقتباس ملاحظہ ہوں۔

۱۔ قریب زمانہ میں ہی فخر الدین قادیانی احمدیوں کے خلیفہ کا پیر و کار تھا۔ مقتول اور عبدالرحمن مصری کو خلیفہ سے اختلاف کرنے پر جماعت سے خارج کر دیا گیا یا وہ خود علیحدہ ہو گئے؟ انہوں نے ایک نئی انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا بڑا مقصد خلیفہ کی مخالفت کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ اُن کا قیام قادیان میں تھا اور چونکہ قادیان میں زیادہ آبادی مشہدہ احمدیوں کی تھی اس لیے قدرتی طور پر ”اڑھوڈا کس گروپ“ (زیر زمین اور خفیہ رہ کر دہشت انگیز کارروائیاں کرنے والے گروہ) اور اُن کے درمیان جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی جیسا کہ گواہوں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخالف انجمن کے ارکان کا بائیکاٹ کیا جائے اور اُن کے گھروں پر کلنگ (ناک بندی) لگائی جائے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ (خلیفہ کے مخالف) بہت تاثر انگیز حالت میں تھے۔ مقتول نے متعدد اطلاعات مقامی پولیس چوکی میں دیں جو احمدیوں کی ان حرکات سے متعلق تھیں جو اُس کے خلاف کر رہے تھے۔

۲۔ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء کو خلیفہ نے بذاتِ خود مسجد میں ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے عبدالرحمن مصری اور اُس کے رفقاء پر ایک طویل ذہنی حملہ کیا۔ چنانچہ تیسری یکم اگست کے افضل میں شائع ہوئی۔

توضیح: زیادہ رہے کہ انگریز چیف جسٹس خلیفہ محمود کے قابل اعتراض فقرات گول مول کر گیا۔ جنہیں سیشن جج نے نوٹ کیا تھا، یہاں چیف جج مرزا محمود کے وہ فقرات نوٹ کرتا ہے جو کسی قدر خلیفہ کے جرم کو ہلکا کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

”لیکن اگر وہ یونہی گندے اعتراضات کرنے پر مہتر رہے تو میں اعلان کرنا

ہوں کہ احمدیہ کا تو ذکر ہی کیا۔ عصمت بھی ان کے خاندانوں سے رخصت ہو جائے گی اور ان کے خاندان فحش کام مرکز بن جائیں گے۔ اس خطبہ کے جواب میں خصوصاً خلیفہ کے اس بیان کے خلاف یعنی ان کے خاندان فحش کام مرکز بن جائیں گے۔“

فخر الدین نے احتجاج کے طور پر ۵ اگست کو (ایک) اشتہار چسپاں کیا جس کا آخری حصہ درج ذیل ہے:

”اسی لیے تو ہم جماعت سے ایک آزاد تحقیقاتی کمیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ

سب حقائق، شہادت اور راز فیصلہ کے لیے اُن کے سامنے پیش کئے جائیں

تاکہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سا خاندان فحاشی کا مرکز ہے۔“

۲۔ ۶ اگست کی صبح کو اور پھر شام کے وقت اُردھو ڈاکس احمدیہ کے دو اجلاس منعقد ہوئے جن میں سب انسپکٹر لاکھ کرم چند کی شہادت کے مطابق مقتول کے خلاف کئی تقاریر ہوئیں۔ اُس دن فخر الدین نے ذیل کی رپورٹ چوکی میں درج کرائی:

”جناب عالی! آج خلیفہ قادیان نے جمعہ کی نماز میں نہایت اشتعال انگیز

تقریر کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو ارکان مجلس احمدیہ (مقتول پارٹی) کے خلاف

مشعل کیا ہے جس کے نتیجہ میں حد درجہ کا اشتعال پھیل اٹھا ہے اس لیے

درخواست کی جاتی ہے کہ اُن کی حفاظت کا فوری طور پر انتظام کیا جائے۔“

۴۔ ۷ اگست کو ایبل کنندہ نے فخر الدین کو قتل کیا۔ جبکہ وہ حکیم عبدالعزیز اور بشیر احمد کے ہمراہ پولیس چوکی جا رہا تھا تاکہ اپنی اور اپنے رفقاء کی حفاظت کے لیے درخواست کرے۔ (ہم)

سینٹن کا فیصلہ سزائے موت بحال رکھتے ہوئے عزیز احمد کی اپیل مسترد کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ ”مرزا محمود احمد نے جہاں جہاں مقتول پارٹی کے لیے سزا کا لفظ استعمال کیا ہے اُس سے مراد روحانی سزا ہے نہ کہ جسمانی سزا“

عدالت عالیہ نے خلیفہ کے تشدد پر اس نے والی تقریر کو تسلیم کیا اور اُس کے نتیجہ میں اُس کے پیرو فادیانیوں کے صلاح و مشورہ بھی تسلیم کئے اور مقتول کی قبل از وقت چوکی پولیس میں

اطلاع کو بھی تسلیم کیا جو انہوں نے قتل کی سازش کے متعلق دی تھی۔ کیا ان حالات میں انگریز جج کا فیصلہ حیرت انگیز نہیں ہے؟ اور یہ انصاف کا خون نہیں کہ اس قتل کو صرف ”فرد واحد“ کا قتل قرار دے کر اُسی ایکلے کو سزا دی جائے اور بقایا تمام عوامل و واقعات ثابت مشمولہ مثل سے صرف نظر کر کے صرف فرد واحد کو سزا دے کر نقصانائے انصاف کو پورا خیال کیا جائے اور ”اہل دانش“ کے سامنے اپنے کو عادل تصور کر کے مطمئن ہو جائے، اس سے بڑھ کر اور بے انصافی اور بیہودگی کیا ہو سکتی ہے؟ اور جرم سے چھٹکارے کے لیے یہ دلیل گھڑی جائے کہ خلیفہ کی تقریر میں جو مشددانہ الفاظ ہیں یا انہیں سزا دینے کا جو تذکرہ ہوا ہے اس سے مراد ”روحانی سزا اور روحانی تشدد“ ہے! بھلا ان الفاظ کو روحانی سزا پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ اُس کے نتیجہ میں جسمانی سزا کا ارتکاب عملاً موجود ہے؟ پھر تقریر کے نتیجہ میں جو مشورات اور سازشیں خلیفہ کے سامنے ہو رہی تھیں کیا وہ بھی روحانی سزا ہی تھیں؟ اس کی مثیل تو یوں ہے کہ ”ایک شخص کسی کے ہاتھ میں تلوار دے کر کہتا ہے کہ: فلاں آدمی کو جا کر قتل کر دو“ اور وہ اُسے قتل کر دیتا ہے پھر جوب باز پرس ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ”یہ قاتل کا ذاتی فعل ہے اور میرا اُس کی سمجھ کا قصور ہے میں نے اُسے کہا تھا کہ اُسے جا کر روحانی طور پر قتل کر دو۔ اُس نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی اور جا کر جسمانی طور پر اُسے قتل کر دیا؟ اگر انصاف کا کچھ پاس ہوتا تو مرزا محمود قاتل کے ہمراہ کٹہرے میں کھڑا ہوتا۔ ہندوستانی جج نے تو اس لغو اور بیہودہ تاویل کو قبول نہ کیا؟ مگر انگریز نے ایک انتہائی اور بھڑتاویل کو قبول کر کے اپنے خود کا شکنہ پودے کو ارادہ و حکم قتل کی سزا سے بچا لیا! — مزید برآں یہ لوگ عوام میں یا جلسوں میں گالیاں نہیں دیتے تھے بلکہ وہ ایک آئینی مطالبہ کر رہے

خفیہ جوہر لحاظ سے جائز اور معقول تھا۔ مرزا محمود کی بیعت توڑنے والوں کا سرغنہ شیخ عبدالرحمن مصری تھا اور اُسی نے مطالبہ کیا تھا کہ "خلیفہ صاحب ایک آزاد کمیشن مقرر کر دیں تاکہ اُس کمیشن کے سامنے وہ لوگ اُن الزامات کو پیش کریں اور کمیشن کے فیصلہ کے فریقین پابند رہیں۔"

شیخ عبدالرحمن مصری کے مطالبہ کے الفاظ یہ ہیں :

"میں جماعت کو یقین دلاتا ہوں کہ جن نقائص کی وجہ سے بیعت سے علیحدہ

ہوا ہوں، وہ یقیناً خلیفہ میں موجود ہیں اور اُن کے اثبات کے لیے میرے

پاس کافی دلائل موجود ہیں۔"

(بیان شیخ عبدالرحمن مصری مندرجہ پیغام صلح ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء)

عبدالرحمن مصری کے قتل کی سازش | دجال اور اُس کی امت نے قادیان کے اندر ربیعِ حدی سے مذہبی تقدس کے نام پر جو ڈرامہ شروع کر رکھا تھا مجلسِ احرار کی جرأتِ ایمانی اور سیاسی حکمتِ عملی سے اس کا ڈراپ سبب ہو چکا تھا۔ قادیان کے پولیس تھانہ سے ہائی کورٹ تک کا ہر اہلکار اس سارے فریب کا ایسے کرچکا کہ یہ سب کچھ سُراپ ہے۔

عبدالرحمن مصری اور فخر الدین ملتانی کی بغادت نے حقیقت واضح کر دی کہ اس سفید قبر میں جو مردہ ہے وہ بے ایمان ہے۔ جب گورکنوں نے خود ہی مُردے کی اصلیت واضح کر دی تو صراطِ مستقیم کے مسافروں کا فرض ہو جاتا ہے کہ گندگی کے اس ڈھیر کو ایمان کے رستے سے ہٹا دیں۔

جب جرم کو پتہ چل جائے کہ اُس کے جرم کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ قانون اور انصاف اُس کی راہِ نمک رہا ہے، تو پھر وہ ماضی کو بھی مستقبل کے پلے میں گرہ دے کر اپنے گناہوں کے وزن کو برابر کرنا چاہتا ہے۔

بشیر الدین محمود کی شہ پاکر نہ کر وہ گناہ لوگوں کا جس قدر لہو قادیان کے بازاروں میں بہہ چکا تھا۔ اگر مرزائی مذہب کی انگریز کو ضرورت نہ ہوتی۔ تو یہ لہو اس بستی کی تباہی اور بربادی

کے لیے طوفان نوح تھا لیکن جب وقت کا ماحم اپنے قانون سمیت قاتل کا حامی بنی ہو وہاں خون کا پانی ہو جانا بڑی بات نہیں۔

۴ وہی قاتل، وہی مخبر، وہی حاکم ٹھہرے

اقربا میرے، کریں خون کا دعویٰ کس پر

آئیں سے ہٹ کر قادیان میں یہ رواج عام پا چکا تھا کہ کرے کوئی اور بھرتے کوئی۔ ورنہ

فخر الدین ملتان کا قتل رات کے اندھیرے میں نہیں، دن کی روشنی میں ہوا تھا۔ دبرانے میں نہیں قصرِ ذلالت کے عین سامنے۔ سیشن جج اپنے فیصلے میں لکھ رہا ہے کہ:

”ملتان کا قتل اکیلے آدمی کا کام نہیں۔ شہادتوں کی رو سے بشیر الدین محمود اس

قتل میں برابر کا شریک ہے۔“

مگر جب سبیاں بھے کو تو وال پھر ڈر کا ہے کا — جہاں اتنے گناہ ہوئے وہاں ایک اور سی۔ عبدالرحمن مصری کے قتل کا منصوبہ کچھ اس طرح طے پایا:

”کوئی بہانہ بنا کر ایک جلوس نکالا جائے اور وہ مصری کے مکان کے سامنے

سے گزرے وہاں اس زور کا ہنگامہ اور پتھراؤ کیا جائے کہ اس دوران کچھ آدمی

مکان کے اندر داخل ہو کر مصری کو قتل کر دیں۔ اس ہنگامہ آرائی میں قتل قانون

کی رو سے بلوا کلائے گا اور کوئی خاص آدمی مجرم نہیں ٹھہرایا جائے گا۔“

جب سے مرزائیوں کے مابین باہم سر پھٹول کا سلسلہ شروع ہوا قادیان میں احرار کا دفتر مختلف

اطلاعات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مرزائی اپنے اندر کی خفیہ خبریں اور مسلمان دکاندار بازار

میں گشت کردہ اطلاعات شام کو دفتر پہنچتے۔ اس طرح دفتر کو مرزائی حلقوں سے یہ خبر

ملی کہ مصری کے قتل کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی (جیسے کہ اوپر بتایا گیا ہے)

یہ اطلاع پا کر مولانا عنایت اللہ نے اپنے رفقاء کو جمع کر کے مصری کی کوٹھی کے سامنے احرار رضا کاروں

کو متعین کر دیا اور پوری کوٹھی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر مرزائیوں نے جلوس کا

راستہ تبدیل کر لیا۔ ممکن ہے اس ناکامی پر ابن دجال دوبارہ مصری پر حملہ آور ہو۔ احرار نے

مختلف شہروں کے چار چار رضا کار ہفتہ بھر کے لیے مصری کی کوٹھی پر پہرہ کے لیے متعین کر دیئے۔

یہ اپنے اپنے خرچ پر لاہور، امرتسر، جالندھر سے آتے اور ہفتے کے بعد واپس چلے جاتے۔ یہ سلسلہ قریباً چار ہفتے جاری رہا۔ آخر ایک موقعہ پاکر مصری کے خاندان کو ان کی کوٹھی سے دفتر اترارے آئے۔ بالآخر مصری قادیان چھوڑ کر لاہور آگیا اور لاہوری جماعت میں شامل ہو گیا۔ (گویا کنوئیں سے نکل کر جو ہڑپیں جاگرا) اسی طرح فخر الدین ملتانی دم واپسی تک مرزاؑ رہا جیسے کہ اس کے آخری بیان سے ظاہر ہے۔

”میں احمدی ہوں۔ یا اللہ میں احمدی ہوں، احمدی ہوں، شہید ہوں، میرے سینے میں شہادت کا نشان ہے۔“

حالانکہ فخر الدین ملتانی کے والد نے جو مسلمان تھا۔ فخر الدین سے بار بار کہا کہ :

”اب بھی وقت ہے تم توبہ کر لو اور غلام احمد دجال کو چھوڑ دو۔“

مگر اس نے انگلی کے اشارے سے کہا نہیں، نہیں، نہیں۔

اس طرح مرزاؑ جو اس نفع من سے ناک پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ گو مرزائیت سے ناٹ نہیں ہوئے لیکن دجال خاندان سے متنفر ہو گئے۔

ہو سکتا ہے کہ ایسے حالات میں بعض دلوں میں خلفشار پیدا ہو کہ :

”جب مرزائیت اپنے ہاتھوں مرہی قحی تو احرار نے ان ہاتھوں کو سہارا

کیوں دیا۔“

یہ سوال ان ذہنوں اور دلوں میں پیدا ہو سکتا ہے جنہیں مرزائیت ایسی خطرناک تحریک سے پوری طرح واقفیت نہ ہو۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ جواب کا طالب ہے۔

قارئین! زیر نظر کتاب کا مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے بغیر ملکی حکمرانوں نے اپنی سلطنت کو استحکام دینے کے لیے جہاں اور بہت سے فتنے اٹھائے وہاں مرزاؑ تحریک ہندوستان اور بالخصوص اسلام اور مسلمانانِ عالم کے لیے ایسا سنگین پتھر تھا کہ ان کی قرب کاری سے اسلام کا وجود دھولساں ہو سکتا تھا۔ جہاد اور ختم نبوت، اسلام کی ساری عمارت ان دو بنیادوں پر استوار ہے۔ دجال قادیان انہیں دو بنیادوں کو اکھاڑنے کے درپے تھا۔ ان مقاصد کے لیے انگریز کی عسکری قوت اور سیاسی حکمتِ عملی پوری طرح تحریک

مرزائیت کی ہمنوا اور پشت پناہ رہی۔

اگرچہ اس فتنے کو ختم کرنے کا وہی طریق درست اور صحیح تھا جو مسیلمہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ حالانکہ مسیلمہ کذاب نبوت کا دعوے دار نہیں تھا۔ جبکہ وہ اس منصب میں اپنے لیے حصہ چاہتا تھا۔ جس پر خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دست مبارک کی کھجور کی چھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”مسیلمہ! اگر تم مجھ سے اس چھڑی میں سے بھی حصہ مانگو تو میں تمہیں یہ بھی دینے کو تیار نہیں۔“

مگر دجال قادیان تو تمام نبوت ہڑپ کرنی چاہ رہا تھا۔ جیسے کہ وہ کہتا ہے کہ:

”متم محمد و احمد کہ محبتیے باشد“

مگر سیاہ جتنی کٹے کہ برصغیر کا غلام مسلمان اُس حیثیت میں نہیں تھا کہ اس عظیم فتنے کا مقابلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح کر سکتا۔ گو ایمان کی غیرت اسی کی متقاضی تھی مگر غلام کا دامن اس سے تہی ہوتا ہے۔ اس بے بسی کے باوجود احرار رہنماؤں نے دجائیت کے مرکز میں بیٹھ کر جو آگ سلگائی۔ آج کفر تنکا تنکا ہو کر اس آگ کا ایندھن بنا ہوا ہے۔

پھر دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ غریب زدہ مسلمان اطمینانیت سے آشنائی کے بعد قوت گویائی سے عروم تھا۔ آنکھیں تھیں مگر مصیبت کی طرف رواں رہا۔ جرأت ملی مگر ایمان سلب ہو چکا تھا۔ احرار نے قادیان پہنچ کر مردوں کو زندگی کے انداز سکھائے۔ آنکھوں کو بصیرت دی۔ زبانیں لنگ ہو چکی تھیں۔ انہیں بولنے کے ڈھنگ سکھائے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مظلوم ظالم کے ظلم کی شکایت کرنے میں بے باک نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں ایک مرزائی لٹکی (مقبول اختر) کا خط احرار رہنما مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ کے نام ملاحظہ ہو:

مقبول اختر صاحبہ حکیم قطب الدین آف بدولتی کی عزیزہ ہیں۔ قادیان میں انہیں مرزا محمود کے گھر رہنا پڑا وہاں جو کچھ انہیں نظر آیا انہوں نے مولانا مظہر علی اظہر کو لکھ دیا اس خط میں بعض الفاظ غلط طور پر لکھے گئے ہیں ہم نصیح کے بغیر انہیں بعینہ نقل کر رہے ہیں۔

محترم جناب مولوی صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش احوال یہ ہے کہ میں ۷ سال سے مرزا بشیر الدین محمود احمد کے گھر میں ہوں۔ میں نے جو اپنی آنکھوں سے حالات دیکھے ہیں وہ قلم بند کر رہی ہوں۔ پہلے تو برداشت کرتی رہی مگر اب نہ کر سکی اور میں نے اپنی جان بچانے کے واسطے وہاں سے نکلنا منظور کیا۔ یعنی قادیان میں خلیفہ صاحب نے کوئی لڑکی یا عورت نہیں چھوڑی جو کہ خوبصورت ہیں۔ سخت ہی عیش پسند ہے۔ شراب پینے سے زنا کرنے سے بالکل خدا کا خوف نہیں اور قیامت یاد نہیں۔ اب اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ دفتر میں جو نواں (نوجوان) لڑکے ہیں وہ آتے ہیں اور لڑکیاں اس جگہ پر بلا لیتے ہیں۔ تو آپ بھی اس میں شامل ہوتے ہیں یعنی میں اپنی لڑکیاں بھی پیش کرتے ہیں۔ یعنی ناصرو، فیوم، رشیدہ، اُمۃ العزیز اور ایک بیوی جس کا نام مریم سیدوں کی لڑکی ہے۔ وہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس کے بعد باہر کی لڑکیاں یعنی ڈاکٹر فضل الدین کی لڑکی سلیمہ، مفتی فضل الرحمن کی لڑکی، احمد الدین زرگر کی لڑکی، سید منصور والے کی بیوی، استانی میمونہ، چوہدری فتح محمد سیال کی بیوی رقیہ، سید دلی اللہ شاہ کی بیوی، فتح محمد کی لڑکی آمنہ، سید عبدالجلیل کی بیوی رضیہ نور جہاں وہ باہر کی ہے، اپنی مرزا محمود کی بیوی جو عرب کی ہے۔ محمد بی بی بلوچ کی بیوی مولوی سردار جو آج کل استانی ہے۔ عزیزہ بیوی مرزا گل محمد والدہ صلاح الدین اور بہت شامل حال ہیں تو اہلیہ ولی اللہ یا مولوی سردار احمد ہر وقت حاضر خدمت رہتی ہے۔ استانی العزیزہ سرانج بی بی ایک لڑکی ہے وہ بھی شامل ہے۔ ایک سیدہ منیرہ جو کہ ولی اللہ کے ماموں کی لڑکی ہے اُس کو تو حل بھی ہو گیا تھا۔ فائدہً جو آج کل بیوی مرزا ممتاز بیگ دکاندار ہے وہ بھی شامل ہے۔ بلکہ پہلا لڑکا جو ہوا مرزا محمود کا تھا جس کا نام عبدالرشید ہے اب پھر سلیمہ بنت ڈاکٹر فضل الدین

کی لڑکی ہے۔ اس کو بھی بچہ مرزا محمود کا ہونے والا ہوا۔ تو بہت جلدی اس کی شادی شیخ عبدالرحمن مصری کے لڑکے کے ساتھ کر دی تاکہ کوئی بہانہ بنایا جائے یعنی اب مشہور کر دیا ہوا ہے کہ اس کو بیماری ہے۔ اگر بچہ پیدا ہوا تو سات ماہ کا ہوگا۔ اس طرح وہی منیرہ اس کو بھی حمل ہو گیا تھا۔ مگر جلدی سے اس کا علاج کر دیا اور

حمل گرا دیا یعنی ڈاکٹر احسان علی کے بھائی کا تھا اور علاج ڈاکٹر احسان علی نے کیا۔ باقی جو قادیان کے بد معاش لڑکے ہیں۔ وہ خلیفہ صاحب کے ہمراز ہیں۔ اور پوشیدہ دست راست ہیں کیونکہ خلیفہ کاراز اور ان بد معاشوں کا راز ایک ہے۔ مریم جو کہ خلیفہ صاحب کی بیوی ہے وہ سیکرٹری بنی ہوئی ہے اور خلیفہ صاحب کی طرح ایک دوسرے کو ملا دیتی ہے اور خود بھی لڑکوں کے ساتھ بد معاشی کرتی ہے۔ ایک ننیر لڑکا ہے جو کہ مرزا محمود کی موٹر چلاتا ہے وہ بھی شامل ہے۔ میں نے تو سخت تنگ آکر قادیان کو خیر یاد کہہ دیا ہے اور باقی جو میرے ہم خیال لڑکیاں ہیں وہ بھی سخت تنگ ہیں ہاں سچ مولوی محمد صادق کی بیوی رضیہ وہ بھی شامل ہے اور مولوی رحمت علی کی بیوی اور بیٹی دونوں شامل ہیں۔ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ مگر میں نے یہ بات نامنظور کی اور باہر چلی آئی۔ میرا خیال یہاں تک کہتا تھا کہ مسلمان کوئی نہیں اور خدا بھی کوئی نہیں ہے کہ میری آنکھیں کیا دیکھتی ہیں مگر ان کو ہونا کچھ نہیں ہے۔ ایک طرف تو خدا تعالیٰ سخت سے سخت سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔ دوسری طرف ان کو کچھ نہیں کہتا۔ یہ کیا معاملہ ہے اس سے تو ہزار درجہ بہتر عیسائی لوگ ہیں میں اپنی جان کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ حقیقت میں مسلمانوں کے ہم درد (ہمدرد) احرار قوم دنیا میں موجود نہیں تو میں ضرور بضرور عیسائی ہو جاتی اور اپنی جان کو بچا لیتی مگر خدا تعالیٰ بہت قدرت والا ہے۔ میرے دل میں خیال تھا کہ اچانک مجھے ایک آدمی ملا جس نے مجھے حضرت مولوی صاحب (مولانا مظہر علی صاحب اظہار) کی خدمت میں آنے کی تاکید کی اور کہا کہ وہ ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ اب میں نہایت ہی عاجزانہ

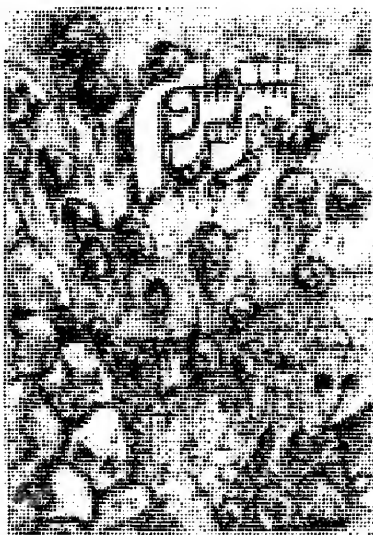
مجلس احرار یعنی قوم کے ہمدرد کے آگے اپیل کرتی ہوں کہ وہ میری مدد کریں۔ تاکہ جو میری ہم خیال لڑکیاں ہیں ان کو نجات دینے کا کوئی راستہ بنا سکوں۔ میں انشاء اللہ جلدی ہی اس بات کی کوشش کر رہی ہوں۔

میں اب ایک مضمون بنا کر دوں گی قادیان کے حالات پر کیونکہ اب سکول

میں رخصت ہو گئی ہے۔ اور مجھے فرصت ملی ہے۔

فقط، مقبول اختصار

(مذکورہ خط شفیق مزہ کی کتاب ”شہرِ سوم“ کے صفحہ ۳۹ سے ماخوذ ہے)



ایک اور خط | فنی بیت کے عنوان سے محمد صادق قریشی شہنشاہی اے سابق نقیب و صدر نیشنل لیگ انصار احمدیہ کا خط بنام ابن دجال بشیر الدین محمود ایک پمفلٹ کی صورت میں جسے فخر الدین ملتانی آنجمنی کے لڑکے (مظہر ملتانی جو مسلمان ہو چکا تھا) کے واسطے سے دفتر احرار میں پہنچایا۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

فسخ بیعت

— بنا م —

خلیفہ قادیان

قریشی محمد صادق صاحب شہنشاہی

سابق محتسب و پریذیڈنٹ نیشنل لیگ قادیان

وسیکرٹری آل انڈیا نیشنل لیگ لاہور

دفتر انصار احمدیہ

۸۷- دیو ساج ہوٹل سنت نگر لاہور

لمحہ فکر یہ

ایک مذہبی جماعت کا امام جو اپنے آپ کو خصوصیت سے مقدس اصطلاحوں سے برکھٹ کرتا ہے پھر فضل عمر کے علاوہ سینکڑوں محدثین سے بڑھ کر بھی اس کا دعویٰ ہے لیکن اس کی یہ یادہ گوئی کہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور میری دعاؤں کو قبول کرتا ہے وغیرہ وغیرہ سراسر دھوکہ اور لاف زنی ہے۔ جبکہ کی قلت کے پیش نظر مختصر و مثالیں پیش خدمت ہیں تاکہ اس کے دعاؤں کی حقیقت اور مقبولیت کا اندازہ باسانی لگا سکیں یہ کہ اس کی بدعات و اطوار زنا جیسے فبیہ فعل کے سیاہ اور بد نما داغ کی وجہ سے اس کی چہیتی ہیوی اور اس کا اپنا کیا انجام ہوا۔ اور پھر اپنی ہی وحی مقدس کتاب تذکرہ صفحہ ۸۴ پر درج ہے۔

کلب یموت علی کلب یعنی وہ کتا ہے اور کتے کی موت مرے گا، کا الہام بھی پورا ہونا لازمی امر تھا پوری تفصیل کے لیے (ملک عزیز الرحمن صاحب) حقیقت پسند پارٹی من و لا کرشن نگر لاہور سے رسالہ حاصل کریں۔

• اس کی ایک بیوی جس کا نام مریم ہے (ہمشیرہ ولی اللہ شاہ) جو اپنے طرزِ طریق سے حسین و جلیل تھی۔ آنشک جیسی مرض میں مبتلا رہی اور اس کا تمام بدن گل ٹر گیا۔ تمام غاہری کوششوں کے باوجود کونج کر گئی۔ جنازے کے وقت بھی بدبو اور نفعن تھا۔ خدا کی پناہ اس بدبو کو دور کرنے کے لیے قیمتی سے قیمتی عطر استعمال میں لایا گیا۔ لیکن یہ عطر بھی اس بدبو کو مسخ نہ کر سکا۔

• پھر جو زنا کے الزام میں ملوث ہو جس کا چلن سوائے غلاظتوں کے ڈھیروں کے ڈھیر ہوں۔ اور مذہب کا مقدس لبادہ کی آڑ میں زنا پر زنا کیا ہو۔ پھر ایک طویل عرصہ فاج کا شکار رہا ہو۔ ڈاکٹر ڈوٹی سے بھی بدتر حالت میں موت واقع ہوئی۔ اس عبرتِ ناک انجام سے ہر احمدی بخوبی واقف ہے۔ فاعنبر دایا اولی الابصار۔

• جماعت احمدیہ خالصتہً ایک غیر سیاسی جماعت ہے اور اس نے حکومت کے صوبائی یا مرکزی رد و بدل میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ اور نہ کسی سیاسی معاملہ میں دخل دیا ہے۔ الاما شاء اللہ یہ اصول جماعت کا جزو ایمان ہے کہ قانوناً قائم شدہ حکومت کے ساتھ نہ صرف وفاداری کی جائے بلکہ تعاون و اعلیٰ البر والتقویٰ کے قرآنی اصول کے مطابق اس کی حمایت کی جائے۔ جماعت کے اس اصول سے تمام دنیا واقف اور گواہ ہے کہ جماعت ہمیشہ اس کی پابند رہی ہے۔

(الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

مندرجہ بالا حوالہ کی روشنی میں صفحہ ۶ تا ۹ کو بغور ملاحظہ کریں کیا یہ مذہبی جماعت کا کردار ہے۔ بہر حال نئی نسل کے عوام اور عوامی حکومت کی نشاہی کے لیے خصوصیت سے قابلِ غور ہے تاکہ ان کی خفیہ سرگرمیاں اور رہنمائی دوانیاں اور خطرناک ارادے سے روشناس ہو سکے۔ بغنیہ مزید تفصیل کے ساتھ آئندہ روشنی ڈالی جائے گی۔

طالب دعا

محمد مظہر الدین ملتانی (فخر الدین کا بیٹا)

معرفت پوسٹ بکس نمبر ۱۰۴، لاہور

نقل چھی متعلق فسخ بیعت بنام خلیفہ قادیان رحمہ

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بخدمت جناب مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح قادیان
اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ میں نے آپ کی بیعت محض دینی اغراض کی وجہ سے کی تھی اور اس لیے
میں آپ کا مرید بن گیا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے جانشین ہونے کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کی خدمت کرتے ہیں اور سلسلہ
کی عزت و ناموس ہر وقت آپ کو مد نظر ہے اور کہ آپ عادل صداقت پسند
اور غریب اور امیر کو آپ ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور کہ جن لوگوں نے آپ
کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت حاصل کی ہے اور مسیح موعود
کی نبوت پر ایمان لا کر نرن من دھن نثار کر دیا ہے آپ ان کی صحیح طور پر رہنمائی
کرتے ہیں، لیکن جس طرح کہ میں ذیل میں ثابت کروں گا۔ میرا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ
آپ میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں بلکہ باقی کے دانت کھانے کے اور دکھانے
کے اور والامعاملہ ہے۔ اندرونی طور پر آپ ان محاسن سے بے بہرہ ہیں
اور آپ کا فعل ان کے منافی ہے۔ آپ سلسلہ احمدیہ اور اس کے پاک
بانی کے ناموس کو بڑے لگا رہے ہیں۔ غریبوں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔ شرفیوں
کو ذیل کرنے کے درپے ہیں رذیلوں کو سپاہ و سفید کا مالک بنا کر یا ان کے
ساتھ ناشائستہ رعایت کر کے درپردہ دوسروں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بھی
شرافت اور صداقت کو چھوڑ کر ان کا سارو یہ اختیار کریں۔ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے صحابہ کے حقوق کو غصب کرتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر میں آپ
کی بیعت سے دست بردار ہوتا ہوں تاکہ آپ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ میں نے

بہانہ بنا لیا ہے میں ذیل میں آپ کی بے انصافی، آپ کے قابل اعتراض رویہ، آپ کی دروغ گوئی اور آپ کے درپردہ دشمنان سلسلہ احمدیہ و حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو امداد دینے کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر درج کرتا ہوں۔

۱۔ آپ نے سپرنٹنڈنٹ و فائٹر کو کہہ کر مجھ سے صدر انجمن احمدیہ میں ریکارڈ کمپئر نظارت امور عامہ کی اسامی کے لیے درخواست دلوائی۔ لیکن بجائے براہ راست مجھے اس اسامی پر لگانے کے مجھے نیشنل لیگ کا پریذیڈنٹ مقرر کر دیا جو کہ ایک موبہوم اور فرضی اسامی تھی اور مجھ پر بھی ظاہر کرتے رہے کہ گویا میں امور عامہ کا ملازم ہوں یہ آپ کی صریح دھوکہ بازی تھی۔

۲۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے آپ کے ایما سے مجھے احرار یوں پر جبکہ وہ شروع شروع میں قبرستان عید گاہ کے متعلق جھگڑنے لگے تھے قاتلانہ حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ جو کہ بالکل ایک غیر شرعی فعل تھا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کرتا ہوں کہ چوہدری صاحب موصوف نے ایسی ترغیب مجھے دی تھی۔ لیکن مجھے اس کے لیے آمادہ نہ پا کر مزید زور نہ دیا۔ اس وقت میں یہ اُس کی ذاتی حماقت سمجھتا تھا لیکن آپ کے باقی حالات اور خیالات کا اندازہ کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ ممکن نہیں کہ چوہدری صاحب آپ کے مشورہ یا ایما کے بغیر اس قدر دلیرانہ قدم اٹھاتے۔

۳۔ لاہور میں مجھے سیکڑی ہال انڈینیشنل لیگ مقرر کر کے بھیجتے وقت آپ نے جو احکام دئے تھے ان میں سے خاص کر ایک حکم قابل اظہار ہے آپ نے ایک ہزار روپیہ خاص کام کے لیے دیا تھا کہ یہ شیخ بشیر احمد کے حوالہ کر دو اور اس کو کہہ دو کہ اس میں سے مبلغ ایک ہزار روپیہ فی الفور اختر علی آف زمیندار کے سپرد کر دیں اور بعد میں ان کو جس قدر رقم کی ضرورت ہو دے دیا کریں۔ اختر علی اور اس کا باپ سلسلہ اور مسیح موعود علیہ السلام کے دشمن ہیں۔ حضور علیہ السلام کو نعوذ باللہ و جلال، عیاش، شرب خمر وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور

آپ ان کے پروپیگنڈا کے لیے مومنوں سے حاصل کردہ چندہ میں سے زرخیر عنایت کرتے ہیں۔ یہ ہے آپ کی ایمانی غیرت اور مومنانہ شان اللہ پیناہ دے۔

• جب لاہور میں (بہ سلسلہ تحریک مسجد شہید گنج) گولی چلی تو جماعت نے احراریوں کے ساتھ گورنمنٹ کے خلاف بھی سخت پروپیگنڈا شروع کیا چنانچہ بیسوں اشتہارات لکھوائے گئے جن پر غیر احمدیوں کے دستخط کرا کر اور ان کو اس کا معاوضہ دے کر تمام ہندوستان میں شائع کیا جاتا رہا۔

• سید ولی اللہ شاہ صاحب نے لاہور میں گولی چلنے کے متعلق کئی خلاف واقعہ خفیہ مضمون لکھ کر خفیہ طور پر میرے سامنے شائع کرائے جن میں گورنمنٹ کے خلاف اکسایا جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کو اس کام کے لیے لاہور میں مامور کیا ہوا تھا۔

• سید ولی اللہ شاہ صاحب نے میرے سامنے سید حبیب آف سیاست کے بھائی سید عنایت شاہ کو اخبار کی پالیسی خریدنے کے لیے مبلغ ایک سو پورے کانوٹ پیشگی دیا تھا حالانکہ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ سیاست نے کئی بار احمدیہ کے خلاف شرمناک طور پر قدم اٹھایا۔ سیاست کی پالیسی اسی غرض سے خریدی گئی تھی کہ وہ گورنمنٹ کے لیے شہید گنج کے واقعہ کے موقع پر مشکلات پیدا کرے۔ سید حبیب سیاسی قیدی تھا۔ گورنمنٹ کا مجرم تھا۔ آپ نے اس کی اعانت کر کے گویا گورنمنٹ کے خلاف باغیانہ قدم اٹھایا۔

• شہید گنج کے موقع پر ایک طرف تو آپ کے نمائندے لاہور میں پبلک کو گورنمنٹ اور احراریوں کے خلاف جوش دلاتے رہے اور دوسری طرف شیخ بشیر احمد صاحب زرخیر صرف کر کے کانگریسی لیڈروں اور اخبار نویسوں کو اپنے مکان میں مدعو کر کے پروپیگنڈا میں شامل کرتے رہے۔ روپیہ غریب مومنوں اور مفلسوں کا خرچ ہوا اور فائدہ کانگریس کو ہوا۔ آپ کے نمائندوں کو اتو

بنا کر جو اہل نرو کا استقبال کر لیا اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خدا نے آپ کو اس شرمناک فعل کا کیسا بدلہ دیا۔

- محتسبی کے زمانہ میں مثلیں دیکھنے سے یہ امر مجھ پر اچھی طرح کھل گیا کہ آپ دکھاؤ کے طور پر اس طرح کہتے ہیں کہ جماعت میں کسی ایسے معاملے کا فیصلہ نہیں کیا جاتا جس کی قانون اجازت نہ دیتا ہو مسماۃ منی بنت سنت سنگھ عا کرو ب نو مسلم کے ساتھ جن دو آدمیوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کی تحقیقات سابق محتسب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی سے کرائی گئی۔ انہوں نے تحقیقات کے بعد رپورٹ میں یہ وضاحت سے بیان کیا کہ ان دو آدمیوں نے بھی اس لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس سے پیشتر فلاں فلاں نے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا ہے۔ آپ نے ناظر صاحب امور عامہ کو حکم دے کر کہا کہ اس رپورٹ کو دوبارہ لکھوایا جائے اور اس میں سے زنا کا لفظ کاٹ کر یہ لکھ دیا جائے کہ فلاں فلاں کو منی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا گیا ہے اُس وقت محتسب میں محتاج ناظر نے مجھے آپ کا حکم سنا دیا تو میں نے کہا جب مثل میں زنا کا لفظ بار بار آتا ہے تو محتسب رپورٹ سے اسے نکالنے کی کیا ضرورت ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ مثل کو ہم تلف کر سکتے ہیں اس کے علاوہ اغوا، پوری، خودکشی کی کوشش وغیرہ کے مقدمات میں امور عالیہ میں فیصلے ہوتے رہے ہیں جن کی تفصیل وقت پر بتا دی جاسکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر ضرورت ہوئی۔
- جب مجلس احرار نے مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اُس وقت آل انڈیا نیشنل لیگ کو آپ کا حکم ملا تھا کہ قرب و جوار کی جماعتوں کو آدمی بھیجے جائیں اور ان کو تاکید کر دیں کہ فلاں مضمون کا اعلان جب الفضل میں نکلے تو تم فوراً خادیاں میں خود بخود آ جاؤ تاکہ گورنمنٹ یہ نہ کہہ سکے کہ مرکز نے ان کو بلوایا ہے۔

- جب میں لاہور میں آیا تھا تو میں نے آپ کے اخلاق اور آپ کی بیویوں، لڑکیوں اور لڑکوں اور میاں شریف احمد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب اور اُن کے

لڑکوں کے اخلاق کے متعلق بہت سی باتیں سنی تھیں۔ لیکن خوش اعتقادی کی وجہ سے میں یقین نہیں کرتا تھا۔ آخر جب میں قادیان آیا تو سب سے پہلے غائب سے اُن کے متعلق تحقیق کرنے کی تحریک میرے دل میں ڈالی گئی تو پھر جب میں مختب ہوا تو آفتیشل طور پر بھی میں نے تحقیق کی اور جو جو معلومات مجھے اس بارہ میں ہوئیں وہ میں نے کچھ تو نظارت کی معرفت اور کچھ براہ راست تحریری طور پر آپ کو پہنچا دیں مگر آپ نے پریشانی جتنی بھی اُن کی پرواہ نہ کی۔ ان معلومات سے بعض کا ذکر میں ذیل میں محل طور پر کرتا ہوں کیونکہ مفصل طور پر میں رپورٹ کر چکا ہوں۔ اور بعض کی رپورٹ کا موقعہ نہیں ملا۔

۱۔ آپ منڈے بازی کرتے ہیں۔

ب۔ آپ نامحرم عورتوں کے ساتھ زنا کرتے ہیں۔

ج۔ آپ اپنی بیویوں اور لڑکیوں کو دوسروں کے حوالے کرتے ہیں کہ اُن کے ساتھ زنا کریں۔ گویا آپ نے ایک حسن بن صہاجی باطنی فرقہ بنایا ہوا ہے۔

د۔ آپ شراب پیتے ہیں۔

۵۔ زنا کر کے آپ بغیر نہائے اور وضو کئے بغیر نماز پڑھاتے ہیں۔

و۔ آپ کا لڑکا مبارک زنا کرتا ہے شراب پیتا ہے نماز نہیں پڑھتا۔

ز۔ میاں بشیر احمد صاحب منڈے بازی کرتے ہیں۔

ح۔ میاں بشیر احمد صاحب کے لڑکے منڈے بازی کرتے ہیں نمازیں نہیں پڑھتے۔

ط۔ میاں شریف احمد صاحب منڈے بازی کرتے ہیں نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں۔

ی۔ میں نے ایک رپورٹ میں ثابت کر دیا تھا کہ آپ کی بیوی عزیزہ کا شیخ بشیر احمد کے ساتھ تعلق ہے آپ نے نہ کوئی گواہ کو سزا دی اور نہ ہی اپنی بیوی کو۔

اور نہ ہی شیخ بشیر احمد صاحب کو۔ معاملات بدستور ہیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

• میں نے رپورٹ مندرجہ (ی) میں یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ آپ کی لڑکیوں

امت الفنیوم اور امت الرشید کا ایک غیر آدمی کے ساتھ تعلق ہے۔

آپ نے شہادت بھی لی لیکن طرفین میں سے کسی کو بھی سزا نہ دی۔ ان تمام واقعات کے میرے پاس مکمل ثبوت ہیں جن کو بروقت پیش کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

• آپ نے مولوی فخر الدین صاحب ملتانی کے معاملہ میں پبلک کو زبردست دھوکا دینے کی کوشش کی ہے مثلاً آپ نے چند آدمی کھڑے کر کے اُن کو حلف دلائی کہ وہ بتائیں کہ آیا ان کو فخر الدین کی تگڑائی کے لیے کہا گیا تھا یا کہ نہیں۔ آپ نے خود کیوں نہ قسم کھائی اور کہ میں نے کسی کو بھی ان کا جاسوس مقرر نہیں کیا تھا یا نہیں کرایا تھا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جب میں میاں شریف احمد کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ اُس وقت سے دفتر خاص سے قاضی اکمل صاحب، مولوی فخر الدین صاحب، سردار مصباح الدین صاحب اور حضرت مولانا مولوی عبدالرحمان صاحب مصری ایدہ اللہ بنصر العزیز کے متعلق آپ کے پاس خفیہ رپورٹیں تیار ہو کر بھیجی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا۔

• آپ نے مجمع عام میں بیان کیا تھا کہ عبدالرحمن برادر احسان علی کے متعلق جب بدظنی پھیلنے لگی تو میں نے کئی بار اس کو باغ میں آنے سے روکا تھا لیکن وہ نہ رکتا تھا یہ کیا راز ہے۔ ایک طرف تو یہ حال کہ آپ کے کہنے سے ”جی حضور بیٹے“ دن کو رات اور رات کو دن کہنے کو تیار ہوتے ہیں اور دوسری طرف ایک شخص جس کے متعلق گمان ہے کہ اس کا تعلق آپ کی لڑکیوں کے ساتھ ہے وہ بار بار کہنے سے بھی منع نہیں ہوتا حتیٰ کہ آپ اس کو انور صاحب (انچارج تحریک جدید) سے منع کرواتے ہیں کیا انور صاحب کا حکم آپ کے حکم سے زیادہ موثر ہوتا ہے اگر ہوتا ہے تو دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

محمد حسن بی کام کی شہادت بیان میں تو پڑھی مگر الفضل میں شائع نہ کرائی۔

آپ نے اپنے اس بیان کو الفضل میں شائع ہونے سے اس لیے روکا

تاکہ لوگوں کے ذہن سے تفصیلات نکل جائیں۔ اور آپ اس میں سے وہ

بائیں نکال دیں جن میں آپ پر الزام آتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

محمد اسحق صاحب سیالکوٹی نے نیر صاحب کی دروغ گوئی ثابت کی تھی وہ بفضل میں حذف کرادی گئی۔ اسی طرح اس واقعہ کے متعلق نیر صاحب کے حلفیہ بیان میں جو اظہار رکھا وہ بھی کاٹ دیا گیا۔ ان واقعات کے علاوہ اور بھی کئی واقعات ہیں جن کوئی الحال میں ظاہر نہیں کرنا چاہتا وقت پر ظاہر کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض آپ نے حضرت مسیح موعود کی بتلائی ہوئی جماعت کو دنیاوی اور روحانی طور پر ایسا سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے جو آسمان پر کبھی بھی معاف نہیں ہو سکتی ان حالات میں آپ کی بیعت میں رہنا اپنے آپ کو دانستہ ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ لہذا میں آپ کی بیعت سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ دعاوی پر میرا ایمان ہے خلافت کا میں قائل ہوں۔ لیکن آپ کی ذات کو جماعت احمدیہ کے لیے مضر دیکھ کر میں آپ کی بیعت سے علیحدہ ہوتا ہوں۔

خاکسار

قریشی محمد صادق شبینمی اے سابق محتسب
و پریذیڈنٹ نیشنل لیگ قادیان و سیکرٹری
آل انڈیا نیشنل لیگ لاہور مورثہ ۳۷-۸-۴

نئی پود کے لیے مشغل راہ

عصمت کی تجارت ہوتی ہے تہذیب کے فحشہ خانوں میں
ناموس کے سودے چلتے ہیں تقدیس کے بادہ خانوں میں

(ایک مخلص احمدی شاعر کے قلم سے)

اس تمام کارروائی اور جدوجہد کا تجربہ کریں تو اس کے پس منظر میں احرار و رہنماؤں کی سیاسی حکمت، سوچ اور فکر کی عملی شکل دکھائی دے گی۔ اس کے مطابق دجالی خاندان

کا قادیان میں دیدہ، دھاندلی اور وقار کہ،

۱۔ معصوم کنواری لڑکیوں کی چادر عصمت تار تار ہونے پر کوئی متعرض نہیں تھا۔

۲۔ بے گناہ سرِ عام قتل ہو رہے تھے۔ کوئی شہادت نہ تھی۔

۳۔ نوجوان لڑکوں سے خلافِ وضعِ فطرت کے واقعات عام ہو رہے اور کرائے جا رہے تھے۔ کوئی شہادت نہ تھی۔

۴۔ شہر بھر کی اقتصادی زندگی کا دار و مدار دجالی خاندان کے رحم و کرم پر تھا۔

۵۔ اسلام کے مروجہ اصولوں کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔

۶۔ ختم نبوت کا لیل، شرابی اور برطانوی ایجنٹ پر لگ رہا تھا۔

۷۔ شرافت سرِ عام نیلام ہو رہی تھی۔

۸۔ دجالی خاندان کے رذیل شرابی اور بد قماش اشخاص کو اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاکیزہ ناموں سے پکارا جا رہا تھا۔

۹۔ بدکردار اور زانیہ عورتوں کو امتہ المؤمنین کا خطاب دیا جا رہا تھا۔

۱۰۔ ابنِ دجال کے پالتو حرام کا رانب کھا کر قادیان کے بازاروں میں شرافت کو بازیچہ اطفال بنائے ہوئے تھے۔

یہ اندھیر گروہی انگریزوں کے عہد میں ہو رہی تھی اور انگریزی قانون کے چھتر ساسیہ میں ہو رہی تھی۔ علمائے وقت کا خصوصی گروہ یہ سارا کچھ دیکھتے اور سنتے ہوئے محرابِ دمنبر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا۔ مسلمان سرکاری ملازم مصلحت اندیشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ ان حالات میں اگر احرارِ دہما آگے بڑھ کر اس طوفان کے سامنے بند نہ باندھتے تو عیسائی اور مرزائیت کے منصوبے برصغیر کی سیاست کے ساتھ اسلام کے ضابطہ حیات کو مشکوک کر دیتے۔

قادیان میں ۱۹۳۷ء کے آخر تک جو واقعات ہوئے قانون اور انصاف کا تقاضہ تھا کہ بشیر الدین محمود کے خلاف قانونِ حرکت میں آنا (جبکہ سیشن جج گورداسپور فخر الدین ملتانی کے قتل کے فیصلے میں لکھ چکا تھا کہ یہ قتل اکیلے آدمی کا کام نہیں) اس کے الٹ مجلس احرار کے

مقامی رہنماؤں کے خلاف مقدمات دائر کئے گئے۔

• مولانا عنایت اللہ امیر مجلس احرار قادیان پر زیر دفعہ ۱۰۸ مقدمہ قائم کیا گیا اور ان سے ایک سال کی ضمانت لے لی گئی۔

• مولانا محمد حیات پر زیر دفعہ ۱۵۲ مقدمہ درج کیا گیا اور آپ کو دو ماہ کی سزا دی گئی۔

• حاجی عبدالرحمن میونسپل کسٹریٹلہ پر زیر دفعہ ۱۵۲ مقدمہ درج کیا گیا اور آپ کو پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔

• قادیان میں مسلمانوں کی عید گاہ کے سلسلے میں پانچ مسلمانوں کا چالان ہوا۔

• قادیان کے مسلمانوں کے قذیبی اور آبائی قبرستان کے سلسلے میں تین مسلمانوں کو زیر دفعہ ۱۷۱ گرفتار کیا گیا۔

یاد رہے کہ یہ دور پنجاب میں سرسکندر حیات کی یونینٹ حکومت کا ہے۔ اس کی روشنی میں قادیان میں احرار رہنماؤں کے خلاف مقدمات واضح ہیں۔ سرسکندر حیات اور شبیر الدین محمود کیونکہ ہم آہنگ ہوئے۔ دونوں کے وڈیروں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی ہر ممکن امداد کی۔ ایک کے باپ نے تمہوں کے محاذ پر فوجی امداد دے کر اور دوسرے کے باپ نے زخمی اور دم توڑنے والے انگریزوں کو اپنا خون دے کر ان کی جانیں بچائیں اور جاگیریں حاصل کیں۔ ان دونوں خاندانوں کی اولاد انگریز کی حمایت میں آج بھی ایک محاذ پر کھڑی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر سرسکندر حیات بھلا انگریز سے کیونکر الگ رہ سکتا تھا۔ دوسرے خاندان (غلام احمد کی اولاد) ابن دجال نے اس موقع پر کہا۔

”بعض لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر انگریزوں اور جرمنوں کے مابین جنگ ہوئی تو اس وقت ہماری جماعت کا رویہ کیا ہوگا۔ آیا وہ حکومت برطانیہ کا ساتھ دے گی یا نہیں؟

میں نے جوابات ان دو سئوں سے پرائیویٹ کی۔ آج پھر کتا ہوں اگر جنگ ہوئی تو ہماری (احمدیوں کی جماعت) کامل ناٹید حکومت برطانیہ کے ساتھ ہوگی۔

ہم بھر پور طور پر حکومت برطانیہ سے تعاون کریں گے اور پہلے سے زیادہ کریں گے۔“

(الفضل قادیان ۲، فروری ۱۹۳۹ء)

اس طرح غدار ابن غداران کے اتحاد نے حق کا راستہ روکنے کی کئی بار کوشش کی مگر جب دریا اپنے بہاؤ پر ہوتا تو نئے اُس کا راستہ نہیں روک سکتے۔

قادیان میں تبلیغی مشن | عسکری نظام میں وہی جرنیل کامیاب و کامران سمجھا جاتا ہے جو دشمن کی فوج میں افراتفری پھیلا کر اُس پر حملہ آور ہو۔ گرم لوسے پر چوٹ

پڑنے سے ہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ قادیان میں مرزائیت جس بُری طرح ہلاک ہو رہی تھی احرار و سہماؤں نے اس موقع کو غنیمت جان کر شعبہ تبلیغ کے تحت وہاں تعلیمی اور تبلیغی مدرسے قائم کئے تاکہ آئندہ نسل کو مرزائیت کے بُرے افعال اور اثرات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

ادارہ مبلغین کے انچارج مولانا محمد حیات مقرر ہوئے۔ اور اس کی دیکھ بھال مولانا عنايت اللہ کے سپرد ہوئی۔ مولانا لال حسین اختر انیس دنوں مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ انہوں نے مذہبی اور دنیاوی تعلیم مرزائیوں کے ہاں سے مکمل کی تھی۔ کئی برس مرزائیوں کے مبلغ رہے مگر جیسے ہی وجہی چلن سے آشنا ہوئے تو اسلام کے بہترین مبلغ ثابت ہوئے۔ اسی طرح مولانا مفتی الرحمن جب اس چوہر سے نکلے تو انہیں شعبہ تبلیغ کا سفیر مقرر کیا گیا۔ اسکول اور دارالمبلغین کی شاخیں قادیان کے مضافات تک پھیل گئیں۔ گرد و نواح کے مسلمان اپنے بچوں کو اس اسکول میں داخل کراتے۔ اندر خانے مرزائیت سے باغی حلقہ بھی اپنے بچوں کو یہیں بھیجا۔

مولانا لال حسین اختر، مولانا عبدالکریم مہار، مولانا غنیق الرحمن پنجاب کے مشرقیات اور دیہاتوں کے عوامی اجتماعات میں مرزائیت کی اصلیت سمجھاتے اور اپنے اسلام قبول کرنے کی داستانیں سناتے۔ ان کے ساتھ شعبہ تبلیغ کے مرکزی نائب صدر چوہدری فضل حق حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور راقم شریک ہوتے اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ شعبہ تبلیغ کا نظام وسیع ہوتا چلا گیا۔ قادیان کے ایک رئیس سید چراغ شاہ نے اپنی اراضی سے ایک وسیع پلاٹ قادیان میں مسلمانوں کی جامعہ مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ اب ایک طرف سکول، دارالمبلغین اور دوسری طرف جامعہ مسجد

کی تعمیر شروع تھی یہ ۱۹۳۹ء کے شروع کا واقعہ ہے۔

نزدید مرزائیت کے اجتماعات میں قادیان کانفرنس (۱۹۳۴ء) کی اس قرارداد پر بھی تقریریں ہونیں۔ جس میں سر ظفر اللہ کو سرفضل حسین کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانے پر احتجاج کیا گیا تھا کہ:

”سر ظفر اللہ چونکہ مسلمان نہیں اور یہ نشست مسلمانوں کی ہے لہذا اسے الگ کر کے کسی مسلمان کو یہ جگہ دی جائے۔“

انہیں دلوں مارچ ۱۹۳۹ء) دہلی سسٹم کی اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں فنانس بل پر بحث جاری تھی۔ مسٹر محمد علی جناح اس بحث میں شریک تھے۔ سنٹرل اسمبلی کی اس کارروائی کو مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب ”ہماری قومی جدوجہد“ کے صفحے پر لکھتے ہیں۔

”مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے جناب قائد اعظم محمد علی جناح نے مارچ ۱۹۳۹ء میں آئریبل سر ظفر اللہ کے متعلق مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: میں اپنی پارٹی کی طرف سے آئریبل سر محمد ظفر اللہ کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں مختلف حلقوں نے ان کو مبارک باد دی ہیں۔ میں ان کی تائید کرتا ہوں۔“

نوٹ: قائد اعظم محمد علی جناح کی تقریر انگریزی میں تھی۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

Speaking in the Central Assembly in March, 1939, as Muslim League Party Leader, Quaid-Azam Mohammad Ali Jinnah pronounced the following words:

“Before I proceed further, I wish to record my sense of appreciation - and if I may say so, coming from my party - to the Honourable Sir Mohammad Zafarullah Khan, who is a Muslim, and it may be said that I am uttering my own son. But I must endorse fully the congratulations he has received from various quarters.”

نوٹ: مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر ماضی کی کپی گئی یہ بات کہیں مستقبل کے لیے حجت نہ بن جائے اس کی تشریح لازم ہے کہ آنریبل سر محمد ظفر اللہ مسلمان ہے۔

اول یہ کہ مسٹر محمد علی جناح ذاتی اور خاندانی طور پر آغا خانی ہیں۔ اُس جماعت کے مذہبی اصول اور اسلام کے ضابطہ حیات میں بعد المشتقین ہے۔ علاوہ ازیں مسٹر محمد علی جناح نے اپنی عمر کا اکثر حصہ یورپ میں گزارا انگریزی تعلیم کا مروجہ قانون حاصل کیا جس میں اسلام کا تصور تک نہیں اور ختم نبوت کا مسئلہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ بنا بریں مسٹر جناح کا سر محمد ظفر اللہ (مرزا) کو مسلمان قرار دینا اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک درست نہیں۔

۲۔ قائد اعظم کا یہ کہنا کہ مختلف علاقوں سے ظفر اللہ کو مبارک باد دی گئی ہے۔ یہ غلط ہے۔ یہ تار صرف اور صرف مرزائیوں نے دیئے تھے اور اگر کسی مسلمان کا نام اس فہرست میں ہے تو وہ دجالی نبوت کا فریب ہے۔

۳۔ قائد اعظم نے اسمبلی میں تقریر کے دوران یہ کہہ کر (بقول عاشق حسین بٹالوی) میں اپنی پارٹی مسلم لیگ کے لیڈر کی حیثیت سے سر محمد ظفر اللہ کو ہدیہ تبریک پیش کرنا ہوں مسلم لیگ کو بھی مشکوک کر دیا۔

۴۔ قائد اعظم کا یہ کہنا کہ ”گویا میں اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں“ یہ بیٹا ایسا ناخلف نکلا کہ اس نے باپ کا جنازہ بھی نہ پڑھا۔ چونکہ مرزائیوں کے نزدیک مسٹر جناح کا فر تھا۔ جیسے خدا بیان مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے کہ:

”جس شخص نے مجھے نہیں مانا وہ کافر ہے اور کنجیوں کی اولاد ہے۔“

یہ زمانہ مسلم لیگ کے عروج کا نہیں تھا۔ لہذا سنٹرل اسمبلی میں قائد اعظم کے ارشاد اور مرزائیوں کے برقی پیغامات کا مسلم عوام پر کوئی اثر نہ پڑا۔ الیبتہ اس پر پنجاب میں مجلس احرار کے خلاف ہر سہ قومی محاذ قائم ہو گیا (مرزا) یونینسٹ پارٹی اور مسلم لیگ (الگریجہ) تینوں کے محاذ ہم آہنگ نہیں تھے۔ لیکن احرار کے خلاف ان میں کوئی دراز نہیں تھی۔

اُس سال یورپ کے افق پر دوسری جنگِ عظیم کے بادل اس قدر گہرے ہو چکے تھے کہ ان کے برسنے کا ہر گھڑی امکان رہتا تھا۔

مرزا بیت کا جنم تو انگریز کی کوکھ سے ہوا تھا۔ یونیسٹ پارٹی کا لیڈر سر سندر جیات جس کے خون میں انگریز کی بہت ملاوٹ تھی۔ یہی مسلم لیگ تو ہنوز اُس کی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ لیکن حریت پسند عناصر کی ہمتو ابھی نہ تھی۔ ان حالات میں یہ گرہ مضبوط تھی۔ اس ہر سہ قوتی اتحاد سے مرزا بیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ سنٹرل اسمبلی میں مسٹر محمد علی جناح کے ارشاد کو انہوں نے خوب اچھالا۔ جعلی ناموں سے پوسٹر شائع کئے گئے۔ اسماعیل غزنوی (عظیم نور الدین کا حقیقی نواسہ) نے کرائے پر آوارہ قسم کے نوجوانوں کے نام بڑے بڑے عنوانوں سے شائع کئے جس میں ظفر اللہ کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

ایک عام حکایت ہے کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔

مرزا بیوں کو ایک اور شکست

مسلم لیگ اور یونیسٹ گورنمنٹ کی شہ پر دجالی گروہ نے احرار کے مقابل پنجاب بھر میں سیرتِ نبوی کے نام پر یہی جلسوں کا اعلان کر دیا۔ اُس سلسلے کا پہلا جلسہ امرتسر میں رکھا گیا۔ بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے گئے۔ راقم ان دنوں امرتسر مجلس احرار کا اجزل سیکرٹری تھا میں نے شہر میں منادی کرا دی کہ کوئی مسلمان مرزا بیوں کے جلسہ میں شریک نہ ہو اور اندر خانے کارکنوں اور رضا کاروں کو ہدایت کر دی کہ وہ جلسہ میں جاؤں اور شامیانوں سے باہر رہیں۔ نیز اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز لے جائیں جس سے شامیانوں کے رستے کٹ جائیں۔ اور یہ کام ایک ساتھ ہو۔

چونکہ منادی کرا دی گئی تھی کہ کوئی مسلمان جلسہ میں نہ جائے۔ لہذا مقامی انتظامیہ مطمئن رہی کہ جلسہ میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ اس لیے پولیس کا بھی کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ ادھر احرار کارکنوں کو پیشتر سے اشارہ دے دیا گیا تھا کہ جلسہ شروع ہوتے ہی ایک ساتھ شامیانوں کے رستے کاٹ دئے جائیں۔

جلسے کا صدر امرتسر کا رئیس اور مسلم لیگ کا صدر تھا۔ ابھی صدر جلسہ نے حضرات کو کہا ہی تھا

کہ شامیانے اُن پر اُن گرے۔ اور مرزاؤں سمیت عوام بھی نیچے دب گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ اوپر سے رضا کاروں نے یہ حرکت کی کہ شامیانوں کے کنارے دبا لیے۔ اب ان کے لیے باہر نکلنا دشوار تھا۔ شامیانوں کے اندر دبے ہوئے لوگ باہر نکلنے کی کوشش میں تھے۔ اور باہر سے رضا کاروں نے شامیانے دبا رکھے تھے۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ پولیس آگئی۔ حلقہ سا لاٹھی چارج ہوا۔ پھر لوگ بڑی مشکل سے باہر نکلے۔

رضا کار بادر دی نہیں تھے اور بیشتر سے منادی بھی ہو چکی تھی۔ بن خود بھی موقعہ پر موجود نہیں تھا۔ اس طرح احرار کی آئینی پوزیشن مضبوط تھی۔ انتظامیہ نے یہ ساری ذمہ داری عوام پر ڈال دی۔ دوسرے دن کے اخبار زمیندار نے یہ کارروائی ٹھیک ٹھاک طور پر شائع کی۔ سرفخی تھی :

مرزائی ٹیرے اپنے جال میں پھنس گئے۔

مسلمانانِ امرتسر نے مرزاؤں کا جلسہ الٹ دیا۔

اس واقعہ کے بعد نو دہائیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ پروگرام کے مطابق کہیں جلسہ منعقد نہ کر سکے۔ اگر کہیں کوشش کی تو امرتسر سے زیادہ برا اثر ہوا۔ اس جلسے میں احرار رضا کار گرفتار ہوئے، مقدمات قائم ہوئے، مگر کفر کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

برسات کے دنوں چیونٹیوں کے پر نکل آتے ہیں اور اڑنے لگتی ہیں۔ اس سے یہ بھولی مخلوق اس گمان میں ہوتی ہے کہ وہ فنا ہیں ہے۔ لیکن جیسے ہی ساون کے بادلوں کی ایک جھانپڑ آتی ہے چیونٹیاں بلوں میں گھس جاتی ہیں۔

کبھی کبھار گنے کے کھیتوں میں داخل ہو کر سٹور اُسے روندھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ رد کرنے والا کوئی نہیں۔ مگر سان جب لٹھیاں لے کر اُسے جہنم واصل کرتا ہے تب اُسے اپنی حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔

مسلم لیگ کے لیڈر نے کہہ دیا کہ ظفر اللہ مسلمان ہے اور اُس کا بیٹا ہے۔ اس ٹریفک سے مرزاؤں کو غلط فہمی ہو گئی کہ واقعی وہ مسلمان ہیں۔ اور قادیان سے نکل کر مسلمانوں کو فریب دینے لگے۔ مگر سر مٹاتے ہی او لے پڑے۔ اور پھر وہیں جا گھسے.....

قادیان سے فرار | پتیل کتنا ہی چمکدار ہو سونا نہیں ہوتا۔ باطل بہر طور باطل ہے۔
خواہ کسی بہانے حق کے مقابل آئے۔

مرزا ثبوت دور رواں کا عظیم فتنہ تھا۔ غلام ہندوستان میں اُس کے برگ و بار جن
طور و اطوار سے پھیلے۔ غلام مسلمانوں کو یہ ترہ کسی نہ کسی عنوان سے بلوایا گیا۔ یہاں تک کہ
سوچ و فکر کے تمام بالاخانوں پر شاہی مہریں لگا دی گئیں اور مجبور کیا گیا کہ جھوٹ کو سچ کہو،
غریب کو دیانت۔ اس پر بھی

اترار رہنماؤں نے بُرے کے گھرنک پہنچنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ قادیان کا ماحول دجالی
ٹوٹے نے اپنی حرکتوں سے اپنے لیے نامناسب بنا لیا تھا۔ انہوں نے سمجھا تھا اس خول سے
باہر نکل کر کہ شاید یہاں امان ملے گی۔ مگر اُس کے پیچھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے۔

جسے گھر کی چار دیواری میں پناہ حاصل نہ ہو اُسے باہر کون سہارا دیتا ہے۔ اس دبدبہ
سے تنگ آکر مرزائیوں نے قادیان سے فرار ہو کر سندھ میں زمینیں خرید لیں۔ میرپور خاص کے
علاقے اپنے لیے منتخب کئے۔ یہاں خاندانوں کے ناموں سے جاگیریں قائم کیں ہیں اور
کارخانے لگائے۔ لاکھوں کی یہ زمین کوٹریوں کے بھاؤ ابن دجال (بشیر الدین محمود) نے اپنے
عزیز و اقارب کے نام خرید کی۔ اس پر جماعت مرزائیہ میں جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے کہ غریب
عوام کے چندے کی رقم سے حاصل شدہ جائیداد فاقی کیسے ہوئی؟ — خیر.....

ربنہ علاقہ ہوتے ہوئے معاشی اعتبار سے سندھ کا یہ علاقہ (اُن دنوں) کسی کام کا
نہیں تھا۔ مسلمانوں کی حالت بے حد کمزور تھی۔ بدن کا لباس بھی درست نہیں تھا۔
شریعت سے مکاحفہ، آشنائی کا سوال تو الگ رہا۔ یہ بھی مرزا ثبوت کی نئی شکار گاہ!
ابن دجال کی ذریت نے یہ کام اس قدر آجلائے اور خفیہ طور پر کیا کہ کان اور آنکھوں
تک کو پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر مجبوروں کے ذریعے خبر ملی کہ دجالی گروہ قادیان سے گزر
کا پستار اٹھا کر فرار ہو کر سندھ پہنچ گیا ہے۔

اُن دنوں سندھ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے بعد سیاسیات کے نئے دور سے
گزر رہا تھا۔ یہاں کے سیاستدان محمد ایوب کھٹرو، جی ایم سید، شیخ عبد المجید سندھی،

اپنا آپ سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ سر غلام حسین ہدایت اللہ، سر شاہنواز بھٹو، سر
عبداللہ ہارون برطانوی کاڈ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اول الذکر گروہ کے شیخ عبدالمجید
سندھی ذہن احرار کے نزدیک تھے۔ ان حالات میں احرار سندھ کی سیاست سے بیگانہ تھے۔
احرار رہنماؤں کو جب پتہ چل گیا کہ مرزاٹیوں نے قادیان سے بھاگ کر سندھ کو اپنا
مرکز بنالیا ہے تو وہ سندھ میں ان کے تعاقب کی سوچنے لگے۔ کئی دنوں کی سوچ پر بھی
ناکام رہے۔ اول تو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ سندھ کے کس ضلع یا علاقہ کو مرکز بنایا گیا۔ انہیں
دنوں اپنا تک لاہور کے دفتری میں ایک شخص جو ہری افضل حق سے ملنے آیا شکل اور
لباس سے یہ لوہارا کام کا مستری معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے راز دارانہ انداز میں اپنی گفتگو
کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ (متن)

چودھری صاحب! میں سندھ سے آیا ہوں۔ یہاں مرزاٹیوں نے آجکل اپنا مرکز
بنارکھا ہے۔ یہ میر پور خاص کے اضلاع ہیں۔ یہاں کے مسلمان ہر لحاظ سے
پسماندہ ہیں۔ دین کی بھی سمجھ نہیں۔ مرزائی انہیں اپنی باتوں اور کارخانوں میں بطور
مزدور بھرتی کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مرزا غلام احمد کے نبی ہونے کی تبلیغ
کرتے ہیں یہ جاہل لوگ مزدوری کے لالچ میں مرزاٹیت قبول کرتے جا رہے
ہیں۔ یہاں ہر روز کوئی نہ کوئی مرزائی مبلغ آتا رہتا ہے۔ کسی نے اس طرف توجہ
نہیں کی۔

(آنے والا) چودھری صاحب! میں آپ کا نام تک نہیں جانتا۔ میں مرزاٹیوں
کی دل میں ملازم ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ آپ کی جماعت کا
کوئی کارکن اگر وہاں جانا چاہے تو میں وہاں تک کا کرایہ دے سکتا ہوں
اور ان کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔

اس پر چودھری صاحب نے مولانا عبدالغفار غزنوی اور مجھے (راقم کو) امرتسر
سے بلوا کر آنے والے کے ہمراہ سندھ روانہ کر دیا۔ رات حیدر آباد اسٹیشن پر گزاری۔
دوسری صبح دس بجے یہاں سے چھوٹی لائن پر گاڑی چلتی ہے۔ ہمارا منجر یہاں ہم سے الگ

ہو کر دوسرے ڈبے میں جا بیٹھا۔ قریباً گیارہ بجے دوپہریم میر پور خاص پہنچے۔ یہاں سے ٹھوڑی دور تک سیدل چلنا پڑا۔ آگے ایک میدان میں معمولی سائے کے نیچے لوگ جمع تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مرزاٹیوں کا بڑا مبلغ اللہ دتہ جاندھری اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا عبد اللہ معمار امرتسری کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہے۔ اس پر ہم دونوں مجمع کے درمیان سے اسٹیج پر پہنچے۔ ہمیں دیکھ کر مولانا عبد اللہ معمار بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے ہمارا تعارف کرایا۔ ہمارا نام سن کر اللہ دتہ جاندھری پتوڑا اوس پڑ گئی اور وہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں اسٹیج سے اعلان ہوا کہ:

”مناظرے کی دوسری نشست نماز ظہر کے بعد ہوگی۔ احرار لیڈر اس میں شامل ہونگے۔“

اسی موقع پر مناظرہ کی شرائط بھی طے پائیں۔ جن میں کذب مرزا شرط اول تھی۔ احرار کا نام سن کر لوگ کافی جمع ہو گئے۔ مناظرہ شروع ہوتے ہی مولانا عبد الغفار غزنوی نے دجال قادیان مرزا غلام احمد کا یہ شعر پڑھا۔

سہ کرم خاکی ہوں پیارے ، نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی آر
اس شعر کی تشریح میں مولانا نے کہا۔

”تمہارا نبی اپنے شعر میں اقرار کرتا ہے کہ وہ مٹی کا کپڑا ہے اور بندے کا پتہ بھی نہیں۔ اور آدمی کی نفرت کی جگہ ہے۔“

اللہ دتہ صاحب آدمی کی نفرت کی جگہ دوہوتی ہیں۔ ایک پیشاب کرنے کی اور دوسری رفع حاجت کی۔ پتہ نہیں دونوں میں سے تمہارا نبی کیا ہے۔ پھر وہ (غلام احمد) کہتا ہے کہ وہ بندے کا پتہ بھی نہیں۔ جب وہ انسان ہی نہیں تو بات ختم ہو گئی۔

اس پر مرزا نے مبلغ فوراً بول اٹھا۔

مولانا! یہ انکساری ہے۔ باقی رہی الزامات کی بات تو ۴۱ سال سے

پیغمبروں پر لگتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں۔
اس پر مولانا عبدالغفار غزنوی نے کہا۔

بجو اس بند کردہ غلام احمد شرابی اور زانی تھا۔ وہ لاہور ای پلومر کی
دکان سے شراب منگوا کر پیتا تھا۔ تم ایسے ذیل آدمی کو پیغمبر کہتے ہو۔ شرم نہیں
آتی۔ ابھی تو کل کی بات ہے تمہارے سامنے عبدالرحمن مصری کے لڑکے سے تمہارے
نبی کا بیٹا بشیر الدین برائی کرتا رہا اور کروا رہا ہے۔
مولانا قرآن ہاتھ میں لے کر :

اللہ دتہ ! یہ قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ۔ قادیان میں ایسا جھگڑا نہیں
چلتا رہا۔

اس پر اللہ دتہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر مولانا نے کہا ”بیٹھ جاؤ۔ ابھی میرا وقت ختم نہیں ہوا۔
مولانا عبدالغفار نے ایسی اشتعال انگیز تقریر کی کہ مجمع نعرہ تجیر سے گونج اٹھا۔
جذبات میں سندھی اور پنجابی مزدور اللہ دتہ کی پٹائی کرنے کو تیار ہو گئے اور اُسے ایٹج
سے نیچے اتار دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی تمام کتابیں وہیں چھوڑ کر اپنے حواریوں کی پناہ میں
چلا گیا۔ مگر مشتعل ہجوم اُسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔
مختصر یہ کہ بڑی مشکل سے اُس کی جان بچی۔ اس طرح یہ مناظرہ تو ختم ہو گیا۔ مگر ہمارے
ساتھ کیا ہوا یہ کہانی دلچسپ ہے۔

ہمارا میزبان توحید آباد سے ہی غائب ہو گیا تھا۔ خیر۔ جلسہ سے فارغ ہو کر کچھ
دیر تو ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی پوچھنے آئے۔ مگر نہ کسی نے آنا تھا نہ آیا۔ آخر ہم قریب کی ایک
دیران سی مسجد میں چلے گئے۔ مغرب کی نماز تک کوئی نہ آیا۔ عشا بھی ہو چکی۔ رات آئی مگر کھانا
چھوڑ کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ ایسے حالات میں قدرِ خطہ بھی محسوس ہونے لگا۔ پھر
نیند کہاں آئے۔

دن بھر کا فاقہ، رات یوں ہی گزرنے لگی، رات کا تیسرا پہر تھا کہ ایک آدمی اپنے گرد
چادر لپیٹے خاموشی سے ہمارے پاس آیا۔

”حضرات! یہ دو روٹیاں ہیں۔ ایک میں اپنے لیے رکھتا ہوں اور ایک آپ کھالیں۔ دھیری بات یہ کہ اس وقت میرے پاس آٹھ آنے ہیں یہ آپ رکھیں اور یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ اگر آپ کا یہاں کوئی ہنڈر دن ہے بھی تو اپنی ملازمت سے ڈر کر بات نہیں کرے گا۔ ممکن ہے آپ کو نقصان پہنچے۔“ یہ کہہ کر وہ جلدی سے چلا گیا۔ ہم رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ فجر کی اذان تک میرے پورے خاص پہنچ گئے۔ جامعہ مسجد میں نماز پڑھی۔ امام صاحب کو ساری کہانی سنادی۔ انہوں نے پہلے تو ناشتہ کرایا۔ پھر کہا:

”یہاں مرزائیوں نے اپنی ریاستیں قائم کر لی ہیں۔ مزدور پیشہ غریب اُن کے اثر میں ہیں۔ آپ اگر جانے سے پہلے مجھے بل لیتے تو بہتر ہوتا۔ خیر۔ جو ہوا اچھا ہوا۔ آپ حضرات کی آمد سے مرزائیوں کے خلاف بغاوت کا کچھ اثر تو ہوگا۔“

انہوں نے ہمیں حیدر آباد تک کا ٹکٹ لے دیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنی ٹھہری فوجت کی اور اتر سر پہنچے۔

دیکھنے میں ہمارا یہ سفر بیکار معلوم ہوگا، اور کسی حد تک ہے بھی درست، لیکن نہیں اس سے ایک تود جانی گروہ کے نئے مرکز کا پتہ چل گیا۔ دوسرے مرزائیوں کے خلاف جو ہلکا سا چھڑکاؤ ہوا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کی نمی محسوس ہوگی۔

واپسی پر اپنی کارگزاری کی رپورٹ چودھری صاحب کو دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ دشمن طاقتور ہو تو اس کے خلاف جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ زور

تاج الدین بسمل کی بارش بیچ سمیت زمین کو بھی نقصان دیتی ہے۔

مرزا بیٹ مذہب کے نام پر پروان چڑھی۔ مگر سندھ میں مذہب سے ناواقفیت اور غربت اس کے لیے کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ فادیان میں احمد اے کے لیے اگر ایک محاذ تھا تو سندھ میں دو محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ اول اسلامی تعلیم ضروری اور اہم ہے۔ نیز جہالت اور افلاس بھی ایمان کے دشمن ہیں۔ ان کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے۔

قادیان میں مولانا عنایت اللہ کی طرح سندھ میں کسی ایسے شخص کی مزدورت مٹی جو ایمان کی بختگی کے ساتھ کفر کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ کئی مہینوں کی جستجو کے بعد صلح گجرات موضع کڑیاں والا ہے مولانا تاج الدین بسمل مل گئے۔ یہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے دلی عقیدت رکھتے تھے۔ گھر بوزندگی میں زمیندارانہ ذہن تھا۔ جب انہیں اس ذمہ داری کے لیے کہا گیا تو بہت خوش ہوئے۔ جماعت نے انہیں ان کی ثواب دید پر چھوڑ دیا کہ وہ سندھ میں مرزاہیت کے خلاف جو مقام اور صلح چاہیں پسند کریں۔ چنانچہ ثواب شاد سے بیس یاہیں میل اس طرف "پڑعیدن" کا علاقہ انہیں پسند آیا۔ یہاں زمین خریدی دینی مدرسہ قائم کیا۔ جامعہ مسجد بنائی اور اس کا نام احرار نگر رکھا۔

یہیں دم واپسی تک مولانا تاج الدین بسمل کفر سے جنگ آ رہا ہے خصوصاً مرزاہیت کی تردید کا محاذ ان کے سپرد تھا۔ یہ ذمہ داری انہوں نے آخر دم تک نبھائی۔ آخر (عید الفطر کے دن) ۸ مئی ۱۹۸۹ء کو انہیں اسی جگہ شہید کر دیا گیا۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

بسمل کا قاتل کون ہے؟ اس کا جواب حکومت سندھ کے پاس ہے۔ دوسری طرف ڈگری (قہر پارکر کے قریب) میں حافظ محمد شفیع کا انتخاب ہوا۔ یہ شخص ڈگری میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا مہتمم تھا۔ تاریخ تو دہس میں نہیں مگر اسی سن کا ذکر ہے۔ راقم کو ان کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر میں نے مدرسہ کے مہتمم کو اس علاقہ میں مرزاہیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا کہ مرزاہیوں نے میرپور خاص سے آگے گزری جیمس آباد اور ڈگری کے اضلاع میں اس خاموشی سے اپنی ریاستیں قائم کیں کہ علاقے کا مسلمان اس فتنہ سے قطعاً بے خبر رہا۔ حافظ محمد شفیع کو جب اس سے آگاہ کیا گیا تو غصے حیران ہوئے۔ حالانکہ وہ کافی برسوں سے یہاں رہ رہے تھے۔ اس پر انہوں نے اپنے مدرسہ کے منشور میں تردید مرزاہیت کو شامل کر لیا۔ شعبہ تبلیغ مجلس احرار نے انہیں اپنا لٹریچر بھیجنا شروع کر دیا۔ اس طرح پڑعیدن سے ڈگری تک اس باطل گردہ کا گھیراؤ شروع ہو گیا۔

ریاست چنبیر میں مرزا بیٹ کی ذلت | ۱۹۳۹ء کے دم توڑتے دنوں ذکر ہے
مولانا مظہر علی اظہر اور راقم ایک جلسہ

میں شرکت کے لیے ڈھوڑی گئے وہاں ایک آدمی ملنے آیا اور کہنے لگا:

”میرا نام غلام محمد ہے میں ریاست چنبیر کا رہنے والا ہوں۔ آج کل لاہور میں ملازمت کر رہا ہوں۔ ریاست چنبیر میں ان دنوں مرزائی وہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب کبھی بشیر الدین محمود یہاں آتا ہے۔ تو چونکہ دریا ئے جہلم پر رستے کاہل ہے۔ لہذا مسلمان اسے پاکی میں بٹھا کر دریا پار کراتے ہیں۔“

آپ کی جماعت اس فرقہ باطلہ کا تعاقب کر رہی ہے لہذا آپ اس طرف توجہ دیں پیشتر میں مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا ابراہیم سیال کوئی سے مل چکا ہوں۔ مگر ان کے مطالبات کا میں متحمل نہیں۔ میری تنخواہ ایک سو روپے ماہوار ہے۔ یہ میں وہاں کے حالات جس سے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جیسے مناسب سمجھیں۔“

اجنبی کی گفتگو پر ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مولانا مظہر علی نے مجھ سے پوچھا۔

”کیوں بھی جاننا زب کیا رائے ہے؟“

”مولانا! چلو چلیں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“

اس وقت صبح کے سات بجے تھے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو اجنبی نے کہا:

”ظہر بیٹے! میں سفر کے لیے گھوڑے کرائے پر لے آؤں۔“

بھائی! سفر کتنا ہے؟ کوئی پندرہ میل۔

تو بس ٹھیک ہے۔ ہم پیدل چلیں گے۔

غلام محمد نے حیرت سے کہا۔ پیدل؟ جی ہاں پیدل۔ ٹھیک آٹھ بجے ہم ڈھوڑی

سے چل پڑے۔

پہاڑی راستے کو موسم بہار نے اس قدر سجا رکھا تھا کہ ارضِ بہشت کا گمان ہونے لگتا کہیں آبشاریں بہہ رہی تھیں اُن کے شور سے یوں لگتا جیسے یہ ملہار گارہی ہوں۔ کہیں کہیں پہاڑی دو شیرائیں حسن بے حجاب کے بھیر بکریاں چراتی دکھائی دیں۔ بعض موڑ سانپ کی طرح بل کھاتے ہمارا راستہ کاٹ رہے تھے۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر خود رو پھول دیکھ کر محسوس ہوتا تھا جیسے یہ ہمارے لیے گلہ تے لیے کھڑے ہیں کئی جگہ آئیں جہاں ساون کے برستے بادلوں نے سماں باندھ رکھا تھا۔ اس رنگ و بو سے گذرتے ہوئے ہم مغرب کے قریب دریائے جلم پر باندھے ہوئے رستے کے پل سے گزر کر ریاست میں داخل ہوئے۔ شام کے دھندھلکے رات کے خوف سے دم توڑ رہے تھے کہ ہم میعبان کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ پہاڑی طرزِ تعمیر کے مکان کی آرائش سے صاحب مکان کے حالات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ تکلف کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ مکان سے باہر کا نظارہ بھی دیدنی تھا۔ پہاڑوں کی نشیب و فراز پر رات کے چراغوں نے دیپ مالا سجا رکھی تھی۔

دن بھر کی تھکان نے اجازت نہ دی کہ ریاست سے متعلق معلومات حاصل کرتے۔ سادہ مگر بے تکلف کھانا کھا کر ایسے بے خبر سوئے کہ مؤذن پکارتا ہی رہ گیا۔ ”اصلوٰۃ خیر من النوم“ اس پر غصہ تو آیا کہ کہنت کو کس وقت تہنید آیا۔ مگر اس کی آواز کو حقیقت جان کر چپ ہو گئے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر میزبان سے دریافت کرنا چاہا کہ یہاں پر مرزائیوں کا طریق کار کیا ہے۔ ”پہلے بانارس سے ناشتہ لے آئیں پھر عرض کروں گا۔ جانیاز صاحب! آپ میرے ساتھ چلیں کچھ باتیں راستے میں ہو جائیں گی۔“ میزبان نے دو چار سیکنڈ میں یہ سارا کچھ کہہ دیا۔ اور مجھے ساتھ لے کر چل پڑا۔ مولانا مظہر علی اظہر نے یہ موقع غنیمت جانا اور سو گئے۔ اب اس تمہید کا اصل سنئے۔

ع کہانی مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

راستے میں میزبان نے ڈلموزی والی گفتگو ذرا تفصیل سے سنائی کہ یہاں مسلمانوں کی کوئی تنظیم نہیں۔ انجمن اسلامیہ ہے مگر اُس کا صدر مرزائی ہے۔ آج ہم کوئی عالمِ دین یہاں نہیں آیا جو مرزائی اور مسلمانوں کے درمیان تفریق بتا سکتا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ آپ لوگ

یہاں آئے ہیں۔ راجہ ہندو ہے اور آبادی بھی زیادہ غیر مسلم ہے۔ وہ یہ بیان کر رہا تھا اور
 میں حدودِ اربعہ دیکھ رہا تھا۔ ایک گول چوک کے ارد گرد دکانیں اور سامنے کی طرف راجہ
 کا محل تھا۔ اتنے میں میزبان نے کہا ”لیجئے ناشتہ کی دکان آگئی“ بہت بھیڑ بھڑکی۔ ہم ایک
 طرف کھڑے ہو گئے۔ اس بھیڑ میں کھڑے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میزبان
 نے کہا ”یہ ہے مرزاٹیوں کا لیڈر، اس کا نام غلام نبی ہے“
 قریباً ساڑھے چھ فٹ قد، فرہ جسم، امب چوسی مرزائی ٹائپ ڈاڑھی۔ ممکن ہے یہ بھی ناشتہ
 لینے آیا ہو۔ اُسے دیکھتے ہی میرے تیر چڑھ گئے۔ اور میں اس کے گلے پڑنے کا بہانہ تلاش
 کرنے لگا۔

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ کبھی مقصد کی راہ پر گامزن ہو تو یہ شراب دو آتشہ ہو جاتی
 ہے۔ اُن دنوں اپنے اندر بھی اسی شراب کی سی مستی تھی کہ جس کے سامنے آدمیت کے تمام
 راستے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر نی کے دشمن کے سامنے۔
 ”ہم بہت دیر سے کھڑے ہیں۔ اگر آپ پہلے ہمیں فارغ کر دیتے۔“ میں نے حلوائی سے
 ذرا تیز لہجے میں کہا۔

”نہیں بابو صاحب! آپ سے پہلے یہ آئے ہیں“ (مرزائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
 حالانکہ وہ ہمارے بعد آیا تھا۔ مگر مرزائی گروہ کا لیڈر تھا۔ اور لوگ اُسے احترام کی
 نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لیے دکاندار نے اُسے ہم پر ترجیح دی۔
 ”نہیں بابو! پہلے تو ہم آئے ہیں۔“
 دکاندار: خیر۔۔۔ سودا پہلے انہیں ملے گا۔

دکاندار کا یہ کہنا تھا کہ اپنا پارہ اتھاری درجے پر پہنچ کیا۔ میں نے مرزائی لیڈر کو
 براہِ راست گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اُس کی ذات کو نہیں بلکہ مرزا غلام احمد اور بشیر الدین محمود
 کو۔ پیٹھ پیچا بی زبان میں۔ ماں بہن بیٹی کی ایک ساتھ کوئی ہزار گالی دے ڈالیں۔ اور ساتھ
 ہی کہا۔

”میں نے تیرے جھوٹے اور کذاب نبی اور تیرے مرزائی خلیفے کو بے نکت

گالیاں دی ہیں۔ تو میرے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ایک گالی دے کر دیکھ۔ تو تیرا سر نہ پھوڑ دوں۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے حلوائی کی دکان سے کھرپہ اٹھالیا۔ یہ ہنگامہ سن کر لوگ بھی جمع ہو گئے۔ میں نے مرزا غلام احمد اور بشیر الدین محمود کو پھر گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ہجوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

”آپ سے تو غازی علم الدین بہتر نکلا جو خاتم الانبیاء کی توہین برداشت نہ کر سکا۔ آپ ہی کنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو سر پر چڑھائے ہوئے ہیں۔“
ضمیر مجرم اور ایمان پر کفر قابض ہو تو آدمی بزدل ہو جاتا ہے۔ مرزائی لیڈر میرے سے ہزار گنا طاقتور اور ماحول بھی اُس کا ہمنوا تھا۔ میں مسافر ہونے کے علاوہ اکیلا تھا۔ میرا میزبان ایک طرف کھڑا کانپ رہا تھا۔ اتنے میں دکاندار نے کہا۔
”پھر اوٹے منڈیا اپنا ناشتہ۔ تے چل گردا ہو۔ توں کی بلا ایں۔“

ہجوم میرا منہ نکلتا رہا اور میں ناشتے کا سامان لے کر ڈیرے پر آیا تو میزبان نے مولانا مظہر علی کو ساری کہانی سنادی۔ مولانا کہہ رہے تھے۔

”بھئی احرار سے نا۔ اور جاننا زبھی۔ خیر کوئی بات نہیں اللہ وارث ہے۔“
رات کے جلے کی منادی کا پروگرام بنایا۔ حلوائی کی دکان کے برابر بساتی کی دکان تھی۔ منادی کا سامان ہمیں تھا۔ مگر دکاندار غیر حاضر تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر تلاش کیا۔ اتنے میں ایک راہ گیر نے پوچھا ”کیا بات ہے؟“ میں نے مدعا کہا، تو وہ بولا ”صبح تم نے جس پوش کا مظاہرہ کیا اس سے ڈر کر دکاندار غائب ہو گیا ہے۔“ کافی دیر انتظار کے بعد مایوس لوٹنے لگا تو چند قدم پر ایک تنور واے نے ہمیں روک کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے؟“۔ راقم احرار کے دو لیڈر یہاں آئے ہوئے ہیں وہ مرزائیوں کے خلاف یہاں جلسہ کرنا چاہتے ہیں مگر منادی کا سامان نہیں مل رہا۔“

”کون صاحب آئے ہیں؟“ میں نے نام بتائے۔ ”اچھا، اچھا۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ میں سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ یہاں مرزائیوں کی اکثریت ہے۔ جلسہ مشکل سے ہوگا۔“

خیر..... منادی ہو جائے گی۔ آپ جائیں۔“

سہ پہر کے بعد دکان سے فارغ ہو کر وہ ایک ایک کے کان میں جلسہ کی اطلاع دیتا گیا۔
 خفیٰ تو جامعہ مسجد، مگر بہت ہی مختصر، تاہم رات جمع کافی ہو گیا۔ میزبان کے بھتیجے نے
 قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ میں نے نظم شروع کی۔ ابھی مصرعہ اٹھایا ہی تھا کہ ایک شخص نے آگے
 بڑھ کر میرے منہ پر زور سے قہقہہ مارا اور گالیاں دینے ہوئے کہا، تم کہاں سے آئے ہو،
 ریاست کا امن خراب کرنے۔ سلامتی چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ ورنہ تمہاری لاشیں دریا میں
 پھینک دی جائیں گی۔

بڑی کوشش کی کہ کچھ کہہ سکوں۔ مولانا مظہر علی لٹھے۔ انہیں بھی بدتمیزی سے بٹھا دیا گیا۔
 بہر حال جلسہ نہ ہو سکا۔

احرار کی ناروغی میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ خیر..... اس کا افسوس رہا اور رات بھر رہا۔
 دوسری صبح واپسی کے لیے میزبان ہمیں پوچھے خیر دو گھوڑے کرائے پر لے آیا۔ دریا کے اُس
 پار پہنچ کر سوار ہونا تھا۔ چند قدم چل کر پہاڑ کی اوٹ سے دیکھا تو لٹھ بند مرزائی کھڑے نظر
 آئے۔ اس لمحے ابلیس نے دل کو دہشت زدہ کرنا چاہا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ لیکن ایمان
 اور عزم نے کہا کچھ نہیں ہوگا۔ آیت الکرسی پڑھ کر چلتے جاؤ۔ یہ اللہ کا کلام تھا اس سے
 دشمن سے دفاع لازمی تھا۔ مگر بظاہر یہ ہوا کہ جیسے میں نے لٹھ بند مرزائی دیکھے اپنے میزبان
 سے بلند آواز میں کہا۔

غلام محمد اہل میں نے آپ کو اپنا ریوا لور درست کرنے کو کہا تھا۔ ٹھیک

ہو گیا ہے؟

غلام محمد: میری بات سمجھ کر جی ہاں۔ آپ کے بہانے میں نے بھی اپنا پتول
 مرمت کر لیا ہے۔ اس کی بلی ذرا ڈھیلی خفیٰ۔

میں: میرا ریوا لور نہیں بور کا ہے اور جرمنی کا ہے۔

غلام محمد: میرا درے کا ہے۔ میں نے گذشتہ سال ایک پٹھان سے

خریدا تھا۔

غلام محمد: جی دونوں لوڈ ہیں۔

یہ باتیں ہم بلند آوازیں کرتے ہوئے مرزا یوں کے قریب سے اس طرح گزر گئے جیسے انہیں دیکھا ہی نہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس سوئی ٹک نہ تھی۔ مگر پستول اور ریو الوور کا سن کر وہ خوف کھا گئے۔ اگر ان کے دلوں میں کفر نہ ہوتا تو ممکن ہے ہماری زندگی کے یہ آخری لمحات ہوتے مولانا مظہر علی ہماری گفتگو پر مسکراتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔

خالق اور مخلوق کی سوچ کا مقام اپنا اپنا ہے۔ انسان ذرا سی خفت پر بوجھل ہو کر آنسو بہانے لگتا ہے۔ اس کے پس منظر میں اس کی کامیابی کا کتنا راز ہے اسے وہ نہیں دیکھ سکتا۔ یہ صرف خالق کا ثبات ہی جانتا ہے۔

جس عزم سے ہم ریاست چنبہ گئے تھے اور وہاں جو کچھ ہوا۔ اس کا ایک پہلو تو حلوائی کی دکان پر میری بدکلامی ہے۔ کیونکہ خالق کا ثبات کا حکم ہے۔

لا اکراہ فی الدین

بلاشبہ مجھے اپنی بدکلامی پر ندامت ہے۔ لیکن دوسری طرف ایک نابینا صحابی عبد اللہ بن ام مکتومؓ نے ایک گستاخ رسول کو قتل کر دیا۔ جب اس کی اطلاع مسجد نبوی میں سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچی۔ تو فرمایا عبد اللہ بن ام مکتوم نے ٹھیک کیا ہے۔ اسی پر حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عمل کرتے ہوئے میلہ کذاب کو قتل کرایا۔

ان واقعات سے میری ندامت کے آنسو دھل گئے۔ کیونکہ رواں حالات میں گستاخ رسول کی بھی سزا ممکن تھی۔ دوسری قابل ذکر بات جلسہ کی ناکلامی ہے۔ بظاہر یہ رنج و ہزینہ رہا۔ لیکن جیسے ہی (بلاشبہ) صلح حدیبیہ کا واقعہ ذہن میں آیا۔ اس سے سب کچھ بھول گیا اور نتیجہ رضانائے الہی پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ کارروائی اُسی کے محبوب حقیقی اور مخبر صادق کے دشمن کے خلاف ہی تو تھی۔

اس واقعہ کو ہوئے قریب دو ماہ گزرے کہ ایک دن بازار میں سربراہ غلام محمد سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ اور وہ بڑے تپاک سے رُٹے۔ اور مبارک باد دیتے ہوئے کہا:

”جاننا زبھی! آپ کی گالیاں بہت کام آئیں۔ بھوایہ کہیں تو آپ کے ساتھ ڈلہوڑی اور پھر لاہور واپس آگیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد میرا بھتیجا حافظ زبیر لاہور آیا تو اس نے سنایا کہ آپ کی واپسی کے بعد چنبہ کے چند موزین، جن میں کچھ تعلیم یافتہ مرزائی بھی تھے، نے ایک اجلاس بلایا۔ جس میں مرزائی جماعت کے لیڈر (جسے آپ نے گالیاں دی تھیں) کو خاص طور پر طلب کیا گیا تھا۔

غلام نبی! تمہیں یہاں جماعت احمدیہ کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ گذشتہ دنوں سر عام حلوائی کی دکان پر جو واقعہ پیش آیا۔ اُس کے متعلق تیر کیا جواب ہے؟ (مرزائی لیڈر آنسو بہاتے ہوئے) میرے پاس اُس کا کوئی جواب نہیں میں فرسار ہوں۔

دوسرا سوال :- کئی برسوں سے تیرے سمجھانے اور بتانے پر یہاں کے مسلمانوں نے احمدیت کو قبول کیا۔ اُس کے بانی کو پیغمبروں کا درجہ دیا۔ اس کے اصولوں کی پیروی کی۔ اس کے بیٹے کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ مگر برسوں ایک اضنبی نوجوان نے بانی احمدیت کو نام لے کر جس طرح کی گندی اور فحش گالیاں دیں۔ اور تو خاموشی سے سنا رہا۔ نیز اُس نے تمہیں چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ میں نے تیرے جھوٹے اور کذاب نبی کو گندی گالیاں دی ہیں۔ تو میرے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ایک گالی دے کر دیکھ۔ میں تیرا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ تجھے اس پر کوئی غیرت آئی؟

تیسرا سوال :- آئندہ تیرا کیا ارادہ ہے؟
جواب :- میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ آپ میری جگہ کوئی دوسرا آدمی مقرر کر لیں۔

عوام :- ٹھیک ہے۔ اپنے ساتھ جھوٹی ثبوت کو بھی اٹھا کر لے جا۔ ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ تیرے نزدیک اگر غلام احمد سچا نبی ہوتا تو تیری غیرت ضرور جوش میں آتی یہی دلیل غلام احمد کے جھوٹا ہونے کی ہے۔

اس کے بعد سب نے از سر نو کلمہ پڑھا اور اس طرح چنبہ ریاست سے
مرزائیت ختم ہو گئی۔

مرزائی فوجیوں کا قتل | دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر مجلس احرار اور آزادی پسند عوام
نے انگریز کی فوج میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر غداران
وطن نے آگے بڑھ کر اپنی دغاؤں کے گیت گائے۔ جیسے کہ خان صاحب حفیظ جالندھری
گاؤں گاؤں پھر کر گاتے رہے۔

عالم میں تو چھوڑے کو بھرتی کرا آئی رہے
خاص کر مرزائیوں کی اچھل کود، اُن دنوں بہت زیادہ رہی۔ ایک طرف تو اُن کے ختم دلانا
پر جرمن نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ اُس کی مدد کرنا ان کے مذہب میں داخل تھا۔ ان کا دُورِ
دجال عظیم (مرزا غلام احمد) کہتا ہے۔

”میں ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد
مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کا ذکر
مسٹر گرین صاحب کی ”تاریخ رئیس پنجاب“ میں ہے۔ اور انہوں نے اپنی
طاقت سے بڑھ کر انگریز کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سو اگھوڑے باہم پہنچا کر
عین زمانہ غدر کے وقت سرکارِ انگریز کی مدد میں دئے گئے۔ ان خدمات کی
وجہ سے چھٹیاں خوشنودی احکام اس کو ملی تھیں۔“

(اشتہار واجب الاظہار ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء)

ایسے میں جب انگریزوں پر آفت آئی تو اُس کی روحانی اولاد کیونکر چین سے رہ سکتی تھی۔
بنا بریں مرزائی دھڑا دھڑ فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

دجالِ گروہ کا فوج میں جانے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ فوج میں عام سپاہی سادہ لوح
دیہاتی ہوتے ہیں۔ انہیں اسلام کے حقیقی اصولوں سے آشنائی بہت کم ہوتی ہے۔ اس
میدان میں انہیں مرزائی بنا لینا آسان ہوتا ہے بلکہ بہت ہی آسان۔

ان دنوں احرار رہنما ملے گجرات میں فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں کر رہے تھے۔ کیونکہ

انگریز کو یہاں سے بہتر اور ارزاں فوجی کھپیپ اور کہیں سے میسر نہ تھی۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری خاندانی طور پر اسی ضلع کے وسیک تھے۔ اسی بنا پر جماعت نے یہ اصطلاح شاہ جی کو سوئپ رکھے تھے۔

شاہ جی ڈاکٹر عبدالقادر ڈیٹیل سرجن کے ہاں گجرات میں مقیم تھے۔ نماز فجر کے بعد حسب عادت چائے پر بیٹھے تھے کہ ایک فوجی نے سلام عرض کرتے ہوئے کہا:

”شاہ جی! فوج میں مرزاٹیوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ روزانہ بیسیوں دیہاتی فوجیوں سے مرزاٹیت کے فارم پر اٹھنے یا دستخط کرا کے انہیں مرزائی بنایا جا رہا ہے۔ خدا کے لیے اس طرف توجہ کریں۔“

یہ مولانا گلشیر خان (رحمۃ اللہ علیہ) کے کوئی عزیز تھے جو فوج میں کسی اونچے رینک کے آفیسر تھے۔ بعض محاذوں کی انہوں نے نشاندہی کی۔ جہاں شور کما دلتاڑ رہے تھے۔

یہ سن کر شاہ جی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جلدی سے مولانا غلام محمد کو بلایا۔ یہ اُن دنوں گجرات میں مجلس احرار کے صدر تھے۔ اور فوراً ہی جماعت کے ایٹنی مشیر خواجہ غلام حسین ایڈوکیٹ کو لاٹپور (فیصل آباد) سے بلوانے کے لیے مقامی جماعت کے سالار چودھری محمد سرور کو بھیج دیا۔

شام تک وہ آن پہنچے۔

ڈاکٹر عبدالقادر، خواجہ غلام حسین ایڈوکیٹ اور مولانا غلام محمد کے مشورے پر طے پایا کہ فی الحال محاذ پر توجہ دی جائے۔ اگر یہاں قابو پا لیا گیا تو باقی درست ہو جائیں گے۔ مگر یہ کام کس کے سپرد کیا جائے؟ اس کے لیے رازداری ہونے کے ساتھ مرزاٹیت سے پوری طرح واقف ہونا بھی لازمی ہے۔

چنانچہ مولانا غلام محمد ایک نوجوان مولوی کو شاہ جی کے پاس بلائے۔ یہ تھے مولانا محمد شریف (جو آگے چل کر مولانا محمد شریف احرار کے نام سے ملک بھر میں معروف ہوئے) دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ حضرت شیخ اسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ علوم شریعت کے علاوہ مرزاٹیت پر خاص عبور تھا۔ شاہ جی انہیں ایک طرف تنہائی میں لے گئے اور قرآن کریم کی قسم دلا کر انہیں کہا:

”دیکھو برنوردار! میں تمہارے ذمہ ایک اہم کام لگا رہا ہوں اگر تم اپنے کو اس کام کے اہل سمجھو تو قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھاؤ کہ یہ راز افشاں نہیں ہوگا۔ اور اگر تم اس معاملے میں کامیاب ہو گئے (انشاء اللہ) تو داد و تحسنت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود رب اکبر سے تمہیں جنت کی ضمانت لے کر دیں گے۔“

مولانا محمد شریف: (آئیدہ ہو کر) شاہ جی! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو کام آپ میرے سپرد کریں گے۔ میں کروں گا۔ اور اس راستے میں کوہِ گراں بھی اگر آجائیں تو عبور کروں گا۔

مولانا محمد شریف طالب علمی کے عہد میں شاہ جی کی تقریروں سے متاثر تھے۔ سبق اور مدرسہ سے غیر حاضر رہ کر شاہ جی کے جلسے سننے جایا کرتے تھے۔ اس طرح کی تربیت میں جوان ہوئے تھے۔ انگریز کے خلاف بغاوت اور مرزا ایت سے نفرت اُن کے جسم اور روح کی غذا بن چکی تھی۔

شاہ جی نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے مولانا سے کہا:

”میری اطلاع ہے کہ فوج میں بعض مرزائی آفیسر عام فوجی سپاہیوں کو مرزائی بنا رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ فوج میں بطور عطیب بھرتی ہو کر مسئلہ ختم نبوت واضح کریں۔ تاکہ اُن لوگوں کے ایمان محفوظ رہیں۔“

اس پر مولانا بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ مولانا گلشیر کے عزیز کی کوشش سے مسلمان فوجی یونٹوں میں نماز پڑھانے کے لیے مولانا محمد شریف کو بھرتی کر دیا گیا۔

آدمی سمجھا رہے تھے۔ بات سمجھ گئے۔ ابتداء میں کچھ مشکلات آئیں۔ لیکن بہت جلد پتہ چل گیا کہ کلنٹے کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں۔ نیز اب تک کس قدر پھول اُن کی چھن سے زخمی ہو چکے ہیں۔ مولانا نے زخم کریدنے کی بجائے کاتنوں کی تلاش شروع کر دی۔

ارادہ نیک ہو تو پہاڑ پانی پانی ہو کر پاؤں دھونے لگتے ہیں۔ مولانا نے اپنے کام کی ابتداء ڈیرہ دودھ سے کی اور برما کے محاذ تک اندر خانے نہایت خاموشی سے کچھ نوجوان

تیار کئے جنہیں پہلے اسلام پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آخر میں دجال قادیان کے جھوٹے دعووں سے واقفیت کرائی۔ جب یہ کھیب تیار ہو چکی۔ پھر انہیں شہادت کے درجات سمجھائے۔ انگریز کی فوج میں فرقہ واری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہاں صرف فوجی احکام کی تعمیل ہوتی ہے اور بس۔ اس کے باوجود مولانا نے مختلف یونٹوں میں اُن ہاتھوں کی نشاندہی کر لی۔ جو بارغِ نبوت کے پھول توڑ کر کذاب قادیان کے گریبان میں ٹانگ رہے تھے۔ اس نے پندرہ نوجوان ایسے نیار کئے جنہوں نے گستاخِ رسول کے ہاتھ کاٹ ڈالے جو پرچم ختمِ نبوت کو اکھاڑ رہے تھے۔

آخر ایک محاذ سے جب مرزائی آفیسروں کی لاشیں کیمپ میں آئیں تو یہ راز کھل گیا۔ وہ اس طرح کہ مولانا سے انگریز کمانڈر نے مرزائیوں کی نماز جنازہ کے لیے کہا لیکن مولانا کا جواب تھا:

”نماز جنازہ مسلمان کی پڑھائی جاتی ہے۔ اور یہ مرزائی تھے۔ اسلام مجھے

ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہیں دیتا۔“
 بیشتر مختلف جگہوں سے مرزائی فوجی آفیسروں کے قتل کی اطلاعات آپ کی تھیں۔ اس سے انگریز آفیسر پریشان تھے کہ یہ کیا ہے۔ فوج میں کوئی بیماری نہیں اور نہ ہی دشمن سے آنا سامنا ہے۔ پھر یہ اموات کیوں اور کیسی؟

جیسے ہی مولانا نے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کیا تو انگریز کو شبہ ہوا کہ ہونہ ہو یہ تمام شرارت اسی مولوی کی ہے۔ اس پر مولانا محمد شریف کو گرفتار کر لیا گیا۔ ابتدائی کارروائی میں دھکی، پیار اور عمدے کا لالچ دیا گیا۔ تاکہ کسی طرح یہ ذمہ داری قبول کریں۔ کہ مرزائی آفیسروں کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔ لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا۔ اگر کہا تو صرف یہ کہا کہ:

”مقتول میرے مذہبی عقیدہ اسلام کے خلاف تھے۔ نیز میں نہ صرف مسلمان

ہوں بلکہ مذہبی ذمہ داریوں کا امانتدار بھی ہوں۔ جو کہ خدا تعالیٰ کے بعد حکومت نے فوج میں رہتے ہوئے مجھے سونپ رکھی تھی۔

مقتول چونکہ میرے نزدیک مسلمان نہیں تھے۔ بنا بریں اُن کی نماز جنازہ پڑھانے

سے انکار کی بھی وجہ ہے۔“

اس پر مولانا کا کورٹ مارشل ہوا اور فوجی عدالت میں ان پر قتل کا مقدمہ قائم کیا گیا۔

”تمہارے ساتھ اور کون لوگ اس قتل میں شریک ہیں؟“

اس سوال کے جواب میں مولانا پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ تپتی دھوپ میں پتھر گھسائے گئے بندوق کے گندے مار مار کر بدن لمونہاں کر دیا گیا۔ مگر

”جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے ہیں

لبوں پر مہر خاموشی، دلوں میں یاد کرتے ہیں

نہ تو مقتولین کے قتل کی ذمہ داری قبول کی اور نہ ہی ان جوانوں کے نام اور پتے بتائے۔

جنہوں نے مختلف محاذوں پر مرزائی آفیسروں کو قتل کیا تھا۔ یہ جوان بدستور فوج میں اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر متعین رہے۔ لیکن مولانا کو مارشل لا کے تحت تین سال قید سخت کی سزا دے کر جیل پور جیل بھیج دیا گیا۔

اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج میں مرزائی آفیسروں کو آئندہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کسی مسلمان فوجی جوان کو کفر کی تبلیغ کر سکیں۔ ایک عالم دین کی ایمانی جرأت سے نبوت باطلہ کو اس موڑ پر بہت بڑی شکست ہوئی۔

اس واقعہ پر سہ برس گزر چکے تھے کہ لاہور مرکزی دفتر میں اچانک تنہایت بوسیدہ لباس میں ایک شخص آیا۔

”میں شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔“

شاہ جی: کہو بھائی! کیا حکم ہے۔

علیحدگی میں عرض کر دوں گا۔“

شاہ جی اجنبی کو الگ کمرے میں لے گئے۔

ہاں بھائی! اب کہو۔

اجنبی: شاہ جی! آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میرا نام محمد شریف ہے۔ آج سے

نہیں برس پیشتر آپ نے ہجرات میں میرے ذمہ ایک کام لگایا تھا۔ الحمد للہ میں

اُس میں کامیاب و کامران رہا ہوں۔ جس کے جرم میں انگریز کی فوجی عدالت نے مجھے تین سال قید سخت کی سزا دی..... مولانا آگے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شاہ جی نے انہیں اپنے آنسوؤں کی چادر میں لپیٹ لیا۔ مگر کسی کو خبر تک نہ ہونے دی کہ یہ کون ہے۔ اگر کسی نے اصرار کیا تو کہا، یہ میرا بیٹا ہے۔ اُسی وقت بازار سے کپڑا منگوا کر سلوایا گیا اور گجرات مولانا غلام محمد کو اطلاع کر دی کہ مولانا محمد شریف رہا ہو کر گجرات پہنچ رہے ہیں۔ اسٹیشن پر ان کا استقبال کریں۔ مولانا محمد شریف نے شاہ جی کو مختصر تفصیل میں بتایا کہ:

”بند رہ نوجوان تھے جن میں بریلوی مکتبہ فکر اور فقہ جعفریہ کے ماننے والے بھی تھے۔ انہوں نے فوجی آئین کے مطابق نشانہ بازی کے میدان میں دشمنان رسول کے حواریوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔“

مولانا محمد شریف احرار | چودھری فتح دین کے گھر سہ ماہی گجرات میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب اُن دنوں پنجاب کے حلی خانوں میں چیمبر دار ڈرتھے۔ مولانا کی عمر چھ ماہ تھی کہ ان کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور اُن کی پرورش کی ذمہ داری اُن کی خالہ نے سنبھال لی۔ ابتدائی تعلیم میں مکمل کی۔ پھر انی شریف ضلع گجرات میں دین کی باقی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ دیوبند چلے گئے۔ جہاں رہ کر آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے دین کا باقی کورس مکمل کیا۔ ابھی فارغ ہو کر گجرات پہنچے ہی تھے کہ شاہ جی نے انہیں دیوبند لیا۔ یہ ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے۔ اور پھر قدرت نے اُن سے عظیم کام لیا۔



مولانا محمد شریف احرار

دیوانے سے فرز اتگی کا کام | انیسویں کڑا جیل سنگھ کا شمار معروف تریں کاروباری بازاروں میں تھا۔ ہال بازار کی طرف سے اگر اس میں داخل ہوں تو شروع میں ٹھٹھیا روں کی دکانیں تھیں۔ یہ تانبے کے برتن بناتے ان میں کچھ تو آغا خان عقیدے سے متعلق تھے اور کچھ دجالی ٹولہ تھا۔ اول الذکر اپنے کام میں مصروف رہتے۔ یمن دجالی گردہ پنجاب کے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے کاروباری لوگوں میں کذاب قادیان کا کسی نہ کسی طریق پر پروپیگنڈہ کرتے۔ اشتہارات، پمفلٹ اور آس پاس کے دکانداروں میں اپنی گندگی پھیلانا ان کا روزمرہ کا کام تھا۔

اختیار مصروفیت کے باعث اس طرف کچھ توجہ نہ کی گئی۔ ایک روز مجھے اطلاع ملی کہ چراغ تلے اندھیرے کے مصداق، آپ کو پتہ نہیں کہ یہ بازار دجالیٹ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یعنی مسکرت تمام دن دجالی قادیان کی تبلیغ میں رہتے ہیں۔ اس طرف فوراً توجہ کی جائے۔ آس پاس دکانداروں نے بھی تصدیق کی اور ان میں کچھ تو متاثر بھی پائے گئے۔

ذاتی طور پر انہیں اس حرکت سے منع کرنا غیر مناسب سمجھا۔ دو ایک مرتبہ ایسا کیا تو

جواب ملا۔

”اپنے مذہب کی تبلیغ ہمارا حق ہے“

جن پر مرزا نیت کارنگ چڑھ چکا تھا انہوں نے بھی تائید کی کہ تبلیغ کا ہر کسی کو حق ہے۔

سہ چلو اچھا ہووا کام آگئی دلوائی اُن کی

وگر نہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

کڑھ جہیل سنگھ میں سبحان نام کا ایک پاگل اپنے جواں سال بیٹے کو کندھوں پر اٹھائے
دن بھر بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر کاٹتا رہتا تھا۔ ساتھ ہی گالیاں
بھی بکتا رہتا تھا۔ بازار والوں کے لیے یہ ایک اچھا خاصا مشغلہ تھا۔ اپنے کسی مخالف
کو کھالی دلوائی ہو تو چیخے سے سبحان کے کان میں کہہ دیا جائے۔

”سبحان تیری ماں نوں فلاں یوں کرے“

پھر کیا تھا۔ سبحان شروع ہو جاتا کہ ”سبحان خود فلاں دی ماں نوں یوں کرے“ اتنے
میں کسی اور نے آکر دوسرے کا نام لے دیا۔ سبحان اُسی کو شروع ہو گیا۔
یہ دیکھ کر مجھے بھی سوچھی۔ اور میں نے راہ چلتے سبحان کے کان میں کہا۔

”سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد.....“

اس پر سبحان خان کے دماغ کا خراب پُرزہ صبح راستے پر چلنے لگا۔ یعنی حسبِ عادت

سبحان شروع ہو گیا۔

”سبحان آپ مرزا غلام احمد دی ماں نوں ایسا ایسا کرے“

”سبحان آپ مرزا غلام احمد دی ماں نوں ایسا ایسا کرے“

میں تھوڑے فاصلے پر ساتھ ساتھ چلتا رہتا۔ سبحان اپنے وظیفے میں ذرا نرم ہو میں

برا بڑ پہنچ کر پھر کان میں کہہ دوں۔

”سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد ایسا ایسا کرے“

سبحان جواب میں پھر تیز ہو جاتا۔

یہ عمل مسلسل ایک ہفتہ جاری رہا۔ اس دوران مرزائیوں کو شبہ ہوا کہ یہ میری شرارت

ہے۔ ایک دن اس پر آمنے سامنے جھگڑا بھی ہوا۔ مگر پاگل کو کون سمجھائے۔ میرے دیکھا دیکھی راہگیروں نے بھی سبحان کے پاس سے گذرتے ہوئے اُس کے کان میں کہنا شروع کر دیا۔

”سبحان تیری ماں نوں مرزا غلام احمد.....“

اور سبحان شروع ہو جاتا۔

بالآخر مسگر (مرزا) اس بازار سے دکان چھوڑ کر چلے گئے۔

سہ چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانی ان کی

وگر نہ ہم زمانے بھر کو سمجھائے کہاں جاتے

۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک مجلس احرار اور مرزا اثیث

میدان کارزار میں حکومتیں جب آمنے سامنے آتی ہیں۔ تو ان کے دستور میں اپنے وقار کی حفاظت، سلطنت میں توسیع یا کاروباری مارکیٹوں پر قبضہ ہوتا ہے۔

سیاسی جماعتیں جب حکومت سے اُلجھتی ہیں تو ان کے ہاں بھی اقتدار کا حصول کارفرما ہوتا ہے۔ ایسی لڑائیاں کبھی قلم سے اور گاہ تلوار سے خون کے دریا بہا کر لڑی جاتی ہیں۔ مآل کار دونوں جیشیتوں سے شخصی وقار ختم ہوتا ہے۔ پھر اس کے پروان چڑھنے اور اختتام کے درمیان تک کا فاصلہ کس قدر انسانی لاشوں سے گزر کر طے کرنا پڑتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس سے سنی نہیں۔

یہ بات واضح تھی کہ مجلس احرار کے موقف میں برصغیر سے انگریز کی سیادت اور سیاست کا خاتمہ تھا۔ لیکن جیسے ہی انہیں دجالی تحریک کا پتہ چلا کہ یہ آزادی کے راستے میں رکاوٹ ہے اور اس کے مقاصد میں اسلام اور داعی اسلام کی عبائے حیات سمیٹ کر ایسی محفل آراستہ کرنا مقصود ہے جس میں فسق و فجور کے لوازمات کو اسلام کا نام دے کر اسلام کی مرکزیت ختم کرنا ہے تو جذبہ آزادی کے ساتھ ایمان نے آگے بڑھ کر احرار کا رخ موڑ دیا۔ کہ اس دیوار کو گرائے بغیر تم اپنے حوصلوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کائنات کے آخری نشان تک تاریخ شاہد رہے گی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہوں نے میلہ کذاب کو ختم کیا تھا، کے بعد یہ سعادت احرار رہنماؤں کو حاصل ہے کہ دجال قادیان مرزا غلام احمد کی تحریک کو محض ایمان کے جذبہٴ ایشار سے اس بُری طرح ختم کیا کہ اب یہ تحریک انسانیت کے لیے ایک گالی بن کر رہ گئی ہے۔
آج اس لاش کی سرانڈھ سے زمانہ ناک پر ہاتھ رکھ کر گذرتا ہے۔

ابتداء میں اگرچہ مدعی نبوت (مرزا غلام احمد قادیانی) کا علاج وہی تھا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میلہ کذاب کا کیا۔ مگر غیر ملکی حکومت برصغیر کے مسلمانوں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ آئینِ افرنک میں ان کے لیے قطعاً گنجائش نہیں تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا سکتے۔ ورنہ علاج وہی درست تھا۔ دوسرے درجے پر اس دور کے فقیہ فقہ اسلامیہ سے واقفیت کے باوجود حدیث نبوی صلیم

”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی“

کا مفہوم کیوں نہ سمجھ سکے؟ لگے مدعی نبوت سے مناظرے اور بحثیں کرنے جس نے غلام مسلمانوں کو حقیقت سے دُور کر دیا کہ وہ کفر کی زنجیر کو صراطِ مستقیم سمجھ بیٹھا۔

ان ناموافق حالات میں خاتمی کائنات نے رہنمایانِ احرار سے ایسا کام لیا کہ آج دجال قادیان اور اس کی ذریتِ گندگی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔

مرزا بیٹ کا تیار رخ | سانپ چلے ہو چکا ہو پھر بھی اس خیال سے کہ اگر کسی کتے نے کھا لیا تو پاگل ہو کر لوگوں کو کاٹتا پھرے گا۔ اس لیے زمین میں گڑھا کھود کر اسے دبا دینا چاہئے۔

چیتا منافق قسم کا جانور ہے۔ وہ ہمیشہ چھپ کر حملہ کرتا ہے۔ اس کے برعکس شیر اپنے دشمن پر سامنے سے وار کرتا ہے۔

مجلس احرار نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک دجالی گروہ سے جس انداز میں لڑائی لڑی۔

صاف ستھری اور سامنے آکر لڑی۔ انجام کار مرزا بیٹ ذلت اور رسوائی کے جوہر میں جا گری اور جب اس سے باہر نکلی تو لباسِ سمیت اس کی ظاہری ہیبت بدل چکی تھی۔ ہر مرزائی

اپنے دجال کی پیروی میں سر پر پگڑی باندھتا تھا۔ اب سر پر ٹوپی رکھنے لگا۔ پہلے مرزائی کی پہچان اس کی امب چوسی داڑھی سے ہو جاتی تھی۔ یعنی صرف تھوڑی پرچار بال ہوتے تھے۔ مگر احرار نے ایسا پتھر پسید کیا کہ ہر مرزائی کے منہ پر پوری داڑھی نظر آنے لگی۔ یہ نیا منافقانہ فریب تھا۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں پہنچ کر دجالی گروہ کا ڈرامہ جس کا ہدایت کار انگریز تھا، ختم ہو گیا۔

قمار خانہ میں ہارا ہوا جواری ماں بہن اور بیٹی کی آبروتک داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ابن دجال اپنی بساط پر مات کھا کر اب نئے طور و اطوار سے سامنے آیا۔ یہ ۱۹۴۰ء کا سال تھا۔ اب اس نے اپنے مستقبل کے لیے سیاسی میدان کا انتخاب کیا۔ اس کی بنیاد اگرچہ وہ ۱۹۳۷ء میں رکھ چکا تھا۔ یعنی جیسے ہی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ وائسرائے ہند نے کانگریس کے رہنما ماما گاندھی سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے تو مرزائیوں نے بھی اپنے پر پرزے نکالے۔

”۴ اکتوبر (۱۹۳۷ء) کو آل انڈیا نیشنل لیگ کے نام پر مرزائیوں نے لاہور میں جلوس نکالا۔ مرزائی رضا کاروں نے خالی وردی پہن رکھی تھی۔ بعض کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں اور بعض کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ یہ جلوس لاہور کے معروف بازاروں سے گزرنے کی بجائے اپنے حلقے تک رہا۔ جلوس کے اختتام پر ابن دجال نے آل انڈیا کانگریس کو وزارتیں قبول کرنے پر مبارک باد دی۔“
(کاروان احرار جلد ۳)

(روزنامہ انقلاب لاہور ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

اس واقعہ سے یقین ہوتا ہے کہ دجالی ٹولہ سانپ کی طرح کینچلی بدل کر سامنے آ رہا ہے۔ اپنے مشن میں احرار کے ہاتھوں شکست کے بعد بظاہر انگریز اور یونینسٹ حکومت کو فوجی امداد کا یقین دلایا جا رہا تھا مگر اندر خانے فرقان بٹالین کے نام پر فوجی تنظیم قائم کی جا رہی تھی۔ شاید اسی بنا پر بشیر الدین محمود نے ۲۷ دسمبر (۱۹۳۷ء) کو قادیان کے سالانہ اجلاس میں اعلان کیا تھا کہ :

”ہم نہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور نہ کانگریس کے ساتھ۔ مسلم لیگ میں احمدی اُس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک انہیں یہ یقین نہ دلایا جائے کہ ان پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح کانگریس بھی ہم کو یقین دلائے کہ ہماری تبلیغ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔“

(کاروان احرار جلد ۲)

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

اس پر بھی نہ تو مسلم لیگ نے انہیں منہ دکایا اور نہ کانگریس نے کوئی پرواہ کی۔
بھڑو اگر مردانہ لباس پہنے تو وہ مرد نہیں بن جاتا۔ (مصنف).... خیر....
..بھی فرقان بٹالین آگے چل کر سر ظفر اللہ جو ان دنوں وائسرائے کی انگریجو کونسل کا ممبر تھا اور سر سکندر حیات وزیراعظم پنجاب کے ایماء پر دوسری جنگ عظیم میں انگریز کی فوج میں بھرتی ہو کر جرمن اور جاپان کے خلاف لڑتی رہی۔ اسی فرقان بٹالین کے فوجی اختتام جنگ پر بڑے بڑے فوجی عہدوں پر متین تھے۔

دجال اعظم کا دستور اساسی | زندگی میں ہر شے اپنا ایک دستور رکھتی ہے۔ خواہ اُس کا تعلق بُرائی سے ہو یا اچھائی سے۔ اگر خدا کے پیامبر انسانی زندگی کے لیے مناسبت حیات اور دستورِ اصل لے کر آئے تو ابلیس بُرائی کے راستے وا کرنے پر آمادہ چلا آ رہا ہے۔

دجال اعظم مرزا غلام احمد اسی جنس میں شمار ہوتا ہے جس نے شیطانی قوتوں کے کئے میں اگر ملتِ اسلامیہ میں انتشار و افتراق کا بیج بویا۔ جیسے کہ وہ اپنے دستورِ اساسی میں لکھتا ہے۔

مرزا غلام احمد اپنے کو نبی کہتا ہے اور صرف نبی ہی نہیں بلکہ اس کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ

۱۔ مصنف کی کتاب جانناز پاکٹ بک ”میں ان مرزائی فوجی افسران کے نام درج کئے جا چکے ہیں۔ تاہم زیر نظر کتاب کے دوسرے حصے میں ضرورت کے وقت دوبارہ درج کئے جائیں گے۔

أَشْهَدُ عَلَى الْكَفَّارِ رَحْمَةً بَيْنَهُمْ اس وحی الہی میں خدا تعالیٰ نے میرا
نام محمد رکھا ہے اور رسول بھی۔

(ایک غلطی کا ازالہ مصنف مرزا غلام احمد)

”میں نے اپنے تئیں خدا کے طور پر دیکھا ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں
کہ میں وہی ہوں اور میں نے آسمان کو تخلیق کیا ہے۔“
(آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۴، مرزا غلام احمد قادیانی)

”مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا، میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری
راہ ہوں، اور میں اُس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بد قسمت
ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔“
(کشتی نوح صفحہ ۵۶، طبع اول قادیان ۱۹۲۲ء)

”پس مسیح موعود (مرزا غلام احمد) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام
کے لیے دوبارہ دنیا میں نشر و تبلیغ لائے۔ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت
نہیں ہاں! اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔“
(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۵۸، مصنفہ مرزا بشیر احمد ایڈیشن اول)

”دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ میں آدم ہوں،
میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل
ہوں، میں داؤد ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ہوں۔“
(تتمہ حقیقت الوحی، مرزا غلام احمد صفحہ ۸۴)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کے ہاتھ کا پیئر کھالیتے تھے، حالانکہ مشہور

تھا کہ سٹور کی چربی اس میں پڑتی ہے۔“

(مکتوب مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء)

”سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“

(دافع البلاء کلاں تختی ص ۱، تختی خور و ص ۲۳، انجام آفظم ص ۶)

”خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا

ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔“

(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱)

”ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔“

(اخبار - بدر ۱۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

”جو شخص مجھ پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳ از مرزا غلام احمد قادیانی)

(ابن دجال کہتا ہے) ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی

بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا

وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔“

”حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) نے فرمایا ہے کہ اُن کا (یعنی

مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، اُن کا خدا اور ہے اور ہمارا اور

ہمارا ج اور ہے اور ان کا ج اور اسی طرح اُن سے ہر بات میں اختلاف ہے۔
(اخبار الفضل ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء تقریر بنام طلباء (طلباء کو نصائح)

”حضرت مسیح موعود نے اس کے متعلق بڑا زور
مکہ اور مدینہ کی توہین | دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو بار بار یہاں نہ
آئے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا
وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے پھر یہ نازہ دیدہ
کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے کیا مکہ اور مدینہ
کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔“

(مرزا بشیر الدین محمود احمد مندرجہ حقیقت الرؤیا ص ۴۷)

”قرآن شریف میں تین شہروں کا ذکر ہے یعنی مکہ اور مدینہ اور قادیان کا۔“
(خطبہ الہامیہ ص ۷۸ حاشیہ)

حضرت امام حسین کی توہین | داغ ابلاؤ میں ص ۳ پر مرزا غلام احمد
نے لکھا ہے :

”میں امام حسین سے برتر ہوں۔“
”مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت
خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے۔“ (اعجاز احمدی ص ۶۹)
”اور میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے
پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔“ (اعجاز احمدی ص ۷۰)

کر بلائیت سیر ہر آنم : حسین است در گریبانم

”میری سیر ہر وقت کربلا میں ہے، میرے گریبان میں تنوٰحسین پڑے ہیں۔“
(نزول المسیح ص ۹۹ مصنفہ مرزا غلام احمد)

”حضرت مسیح موعود کا حکم اور
مسلمانوں سے شادی بیاہ کی ممانعت | زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی
غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے اس کی تعمیل کرنا بھی ہر احمدی کا فرض ہے۔“
(برکات خلافت مجموعہ تقاریر محمود ص ۲۵)

مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت | فتاویٰ احمدیہ جلد
اول ص ۱۵ پر
مرزا غلام احمد کہتا ہے :

”اُن لوگوں کے پیچھے نماز مت پڑھو جو مجھ پر ایمان نہیں رکھتے۔“

مسلمانوں کی توہین | ”کل مسلمانوں نے مجھے قبول کر لیا ہے اور میری
دعوت کی تصدیق کر لی ہے مگر کنجریوں اور بدکاروں
کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔“
(آئینہ کمالات ص ۵۴)

حضرت فاطمہ الزہراء کی توہین | ”حضرت فاطمہ الزہراءؑ نے شفیعی حالت
میں اپنی ران پر میرا سر رکھا اور مجھے
دکھایا کہ میں اس میں سے ہوں۔“

(ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص ۹ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

”غیر احمدی مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں حتیٰ کہ غیر احمدی کے مسموم بچے

کا بھی نہیں۔

(انوارِ خلافت ص ۹۳ مصنفہ مرزا محمود نیر "افضل" مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۱۷ء)

”ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔“
(انوارِ خلافت ص ۹۷ مصنفہ مرزا محمود ابن مرزا قادیان)

قرآن مجید کی توہین ”قرآن شریف میں گندی گالیاں بھری ہیں اور قرآن عظیم
سنتِ زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے۔“
(ازالہ اوہام ص ۲۸، ۲۹)

یہ تو تھا دجالِ اعظم۔ اب سُنئے ابنِ دجال کی:
”یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے۔ اور بُرے سے بڑے درجہ
پاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔“
(اخبارِ افضل "قادیان" جولائی ۱۹۲۴ء)

ابنِ دجال نے دجالِ اعظم (مرزا غلام احمد) کے مذکورہ بالا بنیادی اصول جن کا تعلق اُس
کے مذہبِ باطلہ سے تھا، مسلمانوں سے چھپائے رکھے۔ اس طرح اپنی دجالی تحریک کو اسلام
قراردے کر اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن احرارِ رہنما جیسے ہی بُرے کے
گھڑ تک پہنچے اور اندر جھانک کر دیکھا تو تعفن اور سراندھ سے دماغ پھٹنے لگا۔ اور وہ بے اختیار
پکار اُٹھے۔

یہ دجالوں کا ٹولہ ہے۔ یہ ہیں ابلیس کے ساتھی۔ غرض چندے سے ہے
ان کو، حرام آئے حلال آئے۔

جب گھر کے اندر سے مہنوائی اٹھ جائے تو برادری سے پہلے اہل محلہ اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔

قادیان کے اندر کی بغاوت نے جعلی تقدس کو بڑی بڑی طرح پامال کیا کہ فریب ننگا ہو کر دجالی قصرِ خلافت کے سامنے ناچنے لگا۔ اب کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہا تھا۔ ہر چیز اپنے کی طرح نظر آچکی تھی۔ حق اور باطل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ابن دجال کے اندر کا کفر جگ اٹھا تھا۔ مذہب کی گائی جن لائوں پر رواں تھی وہ ٹوٹ چکی تھیں۔ چنانچہ اب کھلم کھلا سامنے آکر اس نے مرزائیت اور مسلمانوں کے درمیان کی ٹکیر کو واضح کر دیا۔ اس کی ابتداء ابن دجال نے اپنے صلح گورداسپور کے گرد و نواح کے گاؤں اور دیہات سے کی۔ اس لیے ایک نقشہ جو نہایت خفیہ طور پر مرتب کر کے قادیانیوں کے اپنے حلقہ میں تقسیم کیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نقشہ

مندرجہ بالا نقشہ کی ایک ایک کپی غور سے دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ مرزائی تحریک کے محرکین نے ۱۹۲۰ء میں خود بھی غیر مسلم ہونے کا اعتراف کر لیا تھا۔ گو اس سے پیشتر ۱۹۱۰ء کی مردم شماری کے کاغذات میں (دجال اعظم) مرزا غلام احمد قادیانی نے خود لکھوایا کہ:

”میری جماعت مسلمانوں سے الگ فرقہ ہے“
(رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء ص ۹)

اسلام کئی صدیاں پیشتر یہ فیصلہ دے چکا تھا۔ مگر کفرِ جہنم خیش اپنے کو پانچوں سواروں میں شمار کرتا رہا۔ لیکن گھوڑے سے گدھے کا کیا رشتہ۔

۱۹۳۲ء میں ازار کانفرنس قادیان میں حکومت سے جو مطالبات کئے۔ چھ سالہ جدوجہد کے بعد ان میں ایک مطالبہ تھا کہ:

”مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ جبکہ

مرزائیوں نے اپنے خفیہ نقشے کے ذریعے اسے خود تسلیم کر لیا۔ اور کیوں نہ کرتے
..... لگی پھٹنے تو نیاز لگی بیٹنے۔“

مرزائیت عدالت کے کٹہرے میں | مقررہ موسم میں خواہ بارش نہ بھی ہو کسان بہت
نہیں ہارتا۔ خشک زمین پر ہل چلاتا ہے،
بیج بکھرتا ہے۔ تب بارش کی آس لگائے آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔

ع۔ رنگ لاتی ہے چنا پھڑپھڑا پس جانے کے بعد
اس پر بھی ہنوز کچھ لوگ تھے جو ایمان اور کفر کی لڑائی کو محض مذاق یا سیاسی سٹنٹ
سمجھ رہے تھے۔ فطرت خداوندی کبھی کبھار آگ کے آلاؤ سے پانی کا چشمہ جاری کر کے
طوفان نوح کا تماشا کرتی ہے۔

مرزائیت کے سپر انداز ہونے کی خبر جب اہل ایمان تک پہنچی تو ان کے دلوں میں لگی
کے چراغ جلنے لگے۔ معالج کو خوشی ہوتی ہے جب مریض کے جسم کے پھوڑے کا گندہ مواد خارج
ہو اور وہ صحت یاب ہو جائے۔ مرزائیت اسلام کے پاک جسم پر ناسور کی صورت
اختیار کرتی جا رہی تھی۔ الحمد للہ کہ ہلکے سے آپریشن سے یہ بدبودار مواد اسلام کے جسم
سے خارج ہو گیا۔

۱۹۲۰ء کا سال دوسری جنگ عظیم کا شروع سال تھا۔ احرار رہنما اس جنگ کو اقوام
یورپ کی جنگ سمجھتے ہوئے اس سے لاتعلقی کا اعلان کر چکے تھے۔ اس جرم میں حکومت نے
انہیں ان کے کارکنوں سمیت گرفتار کر کے جیل خانوں میں ڈال دیا۔ اس موقع کو غنیمت
جان کر رجعت پسند قوتوں کے ساتھ مرزائیوں کی رستیاں بھی کھل گئیں۔ اس طرح چھ سال
تک دجالی ٹولہ اپنی ناپاک حرکات میں آزاد رہا۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء کے سال بھی سیاسی اعتبار سے برصغیر کے لیے سکون اور امن کے
سال نہیں کہے جاسکتے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش کے باعث مذہبی جماعتوں
کو محض مذہباتی نعروں سے مجرم قرار دے کر عوام کا رخ ان سے پھیر دیا گیا۔ یہی سال ہیں جن میں
اسلام دشمن طاقتوں کو از سر نو سراٹھانے کے مواقع فراہم کئے گئے۔

اور ریونیٹ پارٹی کی معیت میں انگریز آقاؤں کا حق ملک ادا کرنا رہا تھا۔
شیر جنگل چھوڑ جائے تو دروہیا کو آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جس طرح چاہے جنگل میں
اودھم مچائے۔ ۱۹۳۶ء میں جاپان کے شہر مہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی کے ایٹم بموں نے
جنگ عظیم کا خاتمہ کر دیا۔

مرزائی ہندو گٹھ جوڑ | زمانہ اپنی سیاسی اور معاشی ضرورت کو ساتھ لے کر آتا ہے۔
انسانی خواہشات کے ساتھ موسموں کے طور و اطوار بدلتے رہتے
ہیں۔ ایسے میں اقتدار کی طنا میں جن ہاتھوں میں ہوں وہ اپنے گرد و پیش کے سانچے اپنے
ہاتھوں سے ڈھال لیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں باشعور قومیں اپنے مستقبل کے چراغ روشن کرتی ہیں۔
یہی موڑ ہے جہاں سے ہندو نے مسلمان اور مرزائی کشمکش کو اپنے سیاسی مستقبل کے لیے
مفید جان کر اپنا ہاتھ مرزائی کی طرف بڑھایا۔
سیاست کی بساط پر انگریز کے بعد ہندو دوسرا کھلاڑی ہے۔ جو چال چلنے سے پہلے دیر

نہیں سوچتا ہے۔

۱۹۳۴ء میں مجلس احرار نے حکومت سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار
دینے کا مطالبہ کیا۔ یہیں سے ہندو سیاستدان میں مرزائی کو اپنے ترازو میں وزن کرنے کی
سوچ پیدا ہوئی جس پر ۲۲ اپریل ۱۹۳۵ء کو لاہور کے اخبار "ہندو ماترم" میں ڈاکٹر
شنکر داس مہرہ کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں وہ کہتا ہے :

"سب سے اہم سوال جو اس وقت ملک کے سامنے درپیش ہے وہ یہ
ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندر کس طرح قومیت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔
کبھی ان کے ساتھ سودے معاہدے پکیٹ کئے جاتے ہیں کبھی لٹی دے کر ساتھ
رہانے کی کوشش کی جاتی ہے کبھی ان کے مذہبی معاملات کو سیاسیات کا جزو
بن کر پولیٹیکل اتحاد کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی ہندوستان
مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم تصور کئے بیٹھے ہیں اور وہ دن رات
عرب ہی کے گن گلاتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو عرب کا

نام دے دیں۔

اس تاریخی اور مالیوسی کے عالم میں ہندوستانی قوم پرستوں اور مہمان وطن کو ایک ہی امید کی شعاع دکھائی دیتی ہے اور وہ آشنا کی جھلک احمدیوں کی تحریک ہے جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے وہ قادیان کو اپنا مکتہ تصور کرنے لگیں گے اور آخر میں محب ہند اور قوم پرست بن جائیں گے مسلمانوں میں احمدیہ تحریک کی ترقی ہی عربی تہذیب اور پان اسلام ازم کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ آؤ ہم احمدیہ تحریک کا قومی نگاہ سے مطالعہ کریں۔

پنجاب کی سرزمین میں ایک شخص مرزا غلام احمد اٹھتا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمانو! خدا نے قرآن میں جس نبی کے آنے کا ذکر کیا ہے وہ میں ہوں اور مجھ پر ایمان لاؤ میرے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ اگر نہیں آؤ گے تو خدا تمہیں قیامت کے روز نہیں بخشے گا اور تم دوزخی ہو جاؤ گے۔ میں مرزا صاحب کے اس اعلان کی صداقت یا بطلان پر بحث نہ کرتے ہوئے صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ مرزائی کے مسلمان بننے سے ہوتی ہے۔ ایک مرزائی کا عقیدہ ہے کہ:

۱۔ خدا سب سے پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے ایک انسان پیدا کرتا ہے جو اُس وقت کا نبی ہوتا ہے۔

۲۔ خدا نے عرب کے لوگوں میں اُن کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی بنا کر بھیجا۔

۳۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خدا کو ایک نبی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اُس نے مرزا صاحب کو بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔

میرے قوم پرست بھائی سوال کریں گے کہ ان عقیدوں سے ہندوستانی قوم پرستی کا کیا تعلق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

جس طرح ایک ہندو کے مسلمان ہونے پر اس کی شردھا اور عقیدت رام، کرشن، وید، گیتا اور رامائن سے اٹھ کر قرآن اور عرب کی بھبھوی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان احمدی بن جاتا ہے تو اس کا زاویہٴ نگاہ بدل جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی عقیدت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ علاوہ انہی جہاں اُس کی خلافت پہلے عرب اور ترکستان میں تھی اب وہ مملکت قادیان میں آ جاتی ہے اور مکہ مدینہ اس کے لیے روایتی مقامات مقدسہ رہ جاتے ہیں۔

ایک احمدی چاہے عرب، ترکستان، ایران یا دنیا کے کسی بھی گوشہ میں بیٹھا ہو وہ روحانی تکسین کے لیے قادیان کی طرف منہ کرتا ہے۔ قادیان کی سرزمین اس کے لیے سرزمینِ نجات ہے۔ اور اس میں ہندوستان کی فضیلت کا راز پنہاں ہے۔ ہر احمدی کے دل میں ہندوستان کے لیے پیہم ہوگا کیونکہ قادیان ہندوستان میں ہے۔ مرزا صاحب بھی ہندوستانی تھے۔ اور اب جتنے غلیظ اس فرقہ کی رہبری کر رہے ہیں۔ وہ سب ہندوستانی ہیں۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب قرآنی کتاب کو الہامی کتاب مانتے ہیں تو وہ اسلام سے الگ کیسے ہوئے؟

اس کا جواب سکھوں کی موجودہ ہندوؤں سے علیحدگی کرو گرنفقہ صاحب میں رام کشن، اندروشنو سب ہندو دیوی دیوتاؤں کا ذکر آتا ہے مگر کیا سکھوں نے رام، کرشن کی مورتیوں کا کھنڈن نہیں کیا؟ گوردواروں سے رامائن اور گیتا کا پاٹھ نہیں اٹھایا۔ کیا سکھ اب ہندو کہلانے سے انکار نہیں کرتے؟

اسی طرح وہ زمانہ دور نہیں جب کہ احمدی بر ملا یہ کہیں گے کہ صاحب ہم محمدی مسلمان نہیں ہم تو احمدی مسلمان ہیں۔ کوئی ان سے سوال کرے گا کہ کیا تم حضرت محمد (صلعم) کی نبوت کو مانتے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم حضرت محمد عیسیٰ، رام، کرشن سب کو اپنے اپنے وقت کا نبی تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ

ہم ہندو، عیسائی یا محمدی ہو گئے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت ہی عربی تہذیب اور اسلام کی دشمن ہے۔ خلافت تحریک میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ کیونکہ وہ خلافت کو بجائے ترکی یا عرب میں قائم کرنے کے قادیان میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات عام مسلمانوں کے لیے جو ہر وقت پان اسلام انم و پان عربی سنگٹھن کے خواب دیکھتے ہیں۔ کتنی ہی مایوس کن ہو مگر ایک قوم پرست (ہندو) کے لیے باعث مسرت ہے۔“

(اخبار ہندے ماترم ۲۲ اپریل ۱۹۳۵ء)

مذکورہ بالا مضمون ایک تحریک تھی جس نے آگے چل کر مرزاٹیت کو ہندو سے ہم آہنگ کیا۔ اس مضمون کا شائع ہونا تھا کہ ہندو مہاسبھانے اس کی تائید میں مرزاٹیت کے حق میں یوینا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ایک بنگالی ہندو نے اس طرف توجہ کی۔ یہ بنگال کی مسلم اکثریت سے الگ تھا۔

۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو مرزائیوں کا ایک اجتماع کلکتہ ابرٹ ہال میں سنت کمار رائے میٹر کلکتہ کارپوریشن کی صدارت میں ہوا۔ جس میں تقریر کرتے ہوئے سرد چندر بوس نے کہا: ”فی الحقیقت جماعت احمدیہ کی تعلیم اپنی نوعیت میں دورِ حاضرہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جماعت احمدیہ کے لوگ اس کے بانی کو دل سے ایک سچا شری نبی مانتے ہیں۔“

(اخبار الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء)

انہیں دنوں پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک بیان شائع ہوا۔ بظاہر اس کا رخ علامہ اقبال کے بیان کی طرف تھا۔ جو انہوں نے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ قرار دینے میں دیا تھا۔ مگر حقیقت میں یہ ڈاکٹر شکر داس کی تائید میں تھا۔ اس سے پیشتر ڈاکٹر اقبال نے قادیانیت کے متعلق اپنے بیان کی وضاحت میں کہا تھا:

”میں خیال کرتا ہوں کہ قادیانیت کے متعلق میں نے جو بیان دیا جدید اصول

کے مطابق صرف ایک مذہبی عقیدے کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس سے پنڈت جواہر لعل اور قادیانی دونوں پریشان ہیں۔ غالباً اُس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے دل میں مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی وحدت کے امکانات کو بالخصوص ہندوستان میں پسند نہیں کرتے۔

قادیانی بھی مسلمانانِ ہند کی سیاسی بیداری سے گھبرائے ہوئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند کا سیاسی وقار بڑھ جانے سے اُن کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ کہ رسولِ عربی (صلعم) کی دسترس سے قطع برید کر کے ہندوستانی نبی کے لیے ایک جدید اُمت تیار کریں۔ حیرت کی بات ہے کہ میری اس کوشش سے کہ مسلمانانِ ہند کو یہ بتاؤں کہ ہندوستان کی تاریخ میں وہ اس وقت جس دور سے گذر رہے ہیں۔ اس میں ان کی اندرونی یکجہتی کس قدر ضروری ہے۔ ان کے افتراق پر انتشار انگیز فوائد سے محبت زہرنا لازمی ہے۔ جو اسلامی تحریکوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں پنڈت جواہر لعل نہرو کو موقع ملا کہ وہ اس قسم کی تحریکوں سے ہمدردی فرمائیں۔“

”اسلام اور احمدیت“ رسالہ ”اسلام“ لاہور ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء
یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابنِ دجال البشیر الدین اس سے پیشتر ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء کو اپنی ڈاکری میں تسلیم کر چکا ہے کہ:
”ہندو اہل کتاب ہیں اور سیکھ بھی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا ہی بگڑا ہوا فرقہ ہیں۔“
ہندو اس قسم کی حرکات سے مزائیسوں کو سیاست کے بازار میں لاکر سستے بھاؤ خریدنا چاہتا تھا۔ یہ دن تھے جب اقوامِ ہند کے عروج و زوال کا انحصار دونوں کی تعداد پر آن ٹھہرا تھا۔

۷۔ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لائیں کرتے
دوسری طرف برطانوی حکومت کے وقار کا سورج ڈوب رہا تھا۔ یہ دوسری بڑی

لڑائی میں فاتح ہونے پر بھی اپنا نصیب ہار چکی تھی۔ اقتصادی اور معاشی حالات میں اس کا کوئی
 ساجھی نہیں تھا۔ امریکہ تک نے منہ موڑ لیا تھا۔ ان حالات میں مرنے کیلئے نہ کرتا کے مصداق
 برطانیہ نے برصغیر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

یونیٹس پارٹی سے وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل تک سر فخر اللہ کی وساطت سے
 دجانی ٹولہ اندرونی واقعات سے پوری طرح واقف تھا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ انگریز اپنی
 صف لپیٹ رہا ہے۔ اور جانے سے پیشتر کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش سے
 فائدہ اٹھا کر برصغیر کو تقسیم کرنے کا نانا یا بائیں رہا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر دجال ابن دجال
 بشیر الدین محمود نے ایک نجی محفل میں اپنا اہم بیان کیا جسے مرزا یوں کے اخبار الفضل نے
 ۵ اپریل ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں اس طرح درج کیا ہے:

”ابتداء میں حضور نے اپنا ایک رویا بیان فرمایا جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی
 آئے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں۔ اور ڈرامی ڈیر
 لیٹ کر اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو حضور نے گاندھی جی
 سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے اچھی زبان اردو ہے گاندھی جی نے بھی اس
 کی تصدیق کی۔ پھر حضور نے فرمایا دوسرے نمبر پر نیچا بی ہے ناراسنگھ کی زبان۔
 گاندھی جی نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور مان گئے۔ اس کے بعد رویا میں
 نظر را بدل گیا۔ اور حضور گاندھی جی کے کہنے پر غورتوں میں تقریر کرنے تشریف لے
 گئے۔ مگر وہ بہت تھوڑی آئی ہوئی تھیں اس لیے حضور نے تقریر نہیں فرمائی۔
 اس رویا کی تعبیر میں حضور نے فرمایا کہ موجودہ قادات کے متعلق ہے۔ اور
 اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات اس حد تک نہیں پہنچے کہ صلح نہ ہو
 سکتی ہو۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد کوئی صورت نکل آئے۔

آگے چل کر آپ نے اپنا لیک اور الامام ظاہر کیا۔ ہندوستان جیسی مضبوط
 بیس جس قوم کو مل جائے اس کی کامیابی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ
 کی مشیت ہے کہ اُس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی ہے۔

پتہ لگتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کو ایک سیٹج پر جمع کرنا چاہتا ہے اور سب کے گلے میں احمدیت کا جوا ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں تاکہ ملک کے حصے بخرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت مشکل ہے۔ مگر اس کے نتائج بہت شاندار ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں تاکہ احمدیت اس وسیع بیس پر ترقی کرے اس رویا میں اسی طرف اشارہ ہے لیکن عارضی طور پر افتراق ہو۔ مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد متحد ہو جائیں۔ بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اگھنڈ ہندوستان رہے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔

(الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

اسی سلسلہ کی ایک اور اہمائی کٹی۔

”میں نے دیکھا کہ ایک جگہ میرا بستر اچھایا جانے والا ہے اور کسی شخص نے آکے کہا کہ گاندھی جی آپ سے ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی شرط یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوئیں گے پہلے تو مجھے یہ سن کر کچھ نفرت سی ہوئی۔ پھر میں نے سوچا اگر اس طرح صلح ہوتی ہو تو کیا حرج ہے۔ میں نے کہا اچھا منظور ہے۔ چنانچہ وہ آگئے وہ بھی ایک بستر پر لیٹ گئے اور میں بھی لیٹ گیا۔ گاندھی جی کا جسم کچھ موٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ ان کے جسم پر بھی کپڑا ہے۔ ان کی عادت کے خلاف ایک منٹ یا ڈیڑھ منٹ ہی گزرا ہوگا کہ وہ اٹھ بیٹھے۔ اس رویا کی تعبیر یہ ہے کہ دونوں ملکوں کی عارضی جدائی جلد ختم ہو جائے گی۔“

(الفضل ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء)

علم و عرفان کی ایک نجی مجلس میں مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے۔

”میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔ لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے

یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر اگر مماند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔

(اخبار الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

۱۹۴۷ء کا سال اور مرزائیوں کی پاکستان میں آمد

اقوام ہند کی تاریخ میں باعتبار انسانیت یہ

سال بدترین شمار ہوتا ہے۔ انگریز اپنے اندرونی حالات و معاملات کے تحت برصغیر کو قریباً پونے تین سو سال کے بعد بادلِ نخواستہ چھوڑ کر جا رہا تھا۔ جانے سے پیشتر ایسے حالات پیدا کر دئے کہ صدیوں کی قربتداری اور ہمسائیگی خون کے دریاؤں میں تیرتی نظر آئی۔ انسان انسانیت کے لباس سے ماورئی ابلیس کے ساتھ رقص کرنے لگا تھا۔ انگریز کی سیاسی حکمت عملی نے امن و سکون کی راہوں میں وہ کانٹے بکھرے کہ بادِ صبا بھی لہو لہان ہو کر رہ گئی۔

اس منحوس سال کے وسط میں قادیان کی سیاہ مٹی دریائے بیاس سے اڑ کر چناب کے کنارے آن گئی۔

دھالِ اعظم غلام احمد کی انگریز دفاواری کا تعاضد تھا کہ وہ اس غدار ٹوٹے ریلوہ کا قیام کو ہمراہ لے جاتا۔ لیکن پاکستان میں بطور مخبر بھی اس گروہ کی انگریز کو مصرت تھی۔

پاکستان کی بنیاد کے وقت یانیاں پاکستان کی طرف سے جو سیاسی کوتاہیاں ہوئیں کہ انہوں نے پاکستان کی ہر کلیدی آسامی پر انگریز آفیسروں پر اعتبار کر لیا۔

سرفرائس موڈی کا بطور گورنر پنجاب تقریبی اسی کوتاہی کی کڑی ہے۔ یہی وہ انگریز گورنر ہے جس نے اپنی روحانی اولاد کو پاکستان میں قیام کے لیے چھٹیوٹ سے قریباً تین میل پرے دریائے چناب کے کنارے پاکستان کی قیمتی زمین کوڑیوں کے بھاؤ دے کر برطانوی جاسوسوں کا ادارہ ریلوہ کے نام سے قائم کر دیا۔

دریا اور پہاڑوں کے درمیان ریلوہ کا قیام فوجی اعتبار سے پاکستان کے لیے کسی قدر

خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ غیر فوجی ممکن ہے اس کا اندازہ نہ کر سکتا ہو لیکن فوجی نکتہ نظر سے اس کا محل وقوع بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ابن دجال نے اس کا نام ربوہ رکھ کر قرآن حکیم کا تمسخر اڑایا۔ رب اکبر قرآن حکیم کی سورۃ المومنون میں فرماتے ہیں۔
 وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَآتَةَ آيَةٍ وَأَوْنِيَهُمَا إِلَىٰ رُبُوبَةٍ ذَاتِ
 قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝

ترجمہ: اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا اور اُس کی ماں ایک نشانی اور اُن کو ٹھکانہ دیا ایک ٹیلے پر جہاں ٹھہر رہا تھا اور پانی نہ تھا۔
 ابن دجال نے دجال اعظم کے اس استدلال سے کہ:

”دو برس تک صفتِ مریم میں میں نے پرورش پائی۔ پھر مریم کی طرح مسیح کی روح مجھ میں نفع کی گئی اور استارہ کے رنگ میں مجھے عالمہ ٹھہرایا گیا۔ آخر کئی مہینوں کے بعد جو دس مہینوں سے زائد نہیں، بذریعہ الہام مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طرح میں ابنِ مریم بن گیا۔ یعنی مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے وہ درد زہ مجھے تنا کھجور کی طرف لے آئی۔“

(کشتی نوح ص ۴۴ مصنف مرزا غلام احمد دجال اعظم)
 دجال اعظم کے بعد ابن دجال نے مذکورہ واقعہ سے مذہب کو دوسرا بڑا قریب دیا۔
 قادیان کیوں چھوڑا؟ جب ڈاکٹر شکر داس یہ کہتا ہے کہ: ”جس قدر مسلمان احمدیت کی طرف راغب ہوں گے۔ وہ قادیان کو مکہ سمجھنے لگیں گے۔“

دوسری طرف ابن دجال کہتا ہے:

”ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان ہو۔ اللہ تعالیٰ سارے ہندوستان کو ایک ایسی چرچ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مشیت ہے تو اس نے احمدیت کے لیے اتنی وسیع بیس مہیا کی۔

اب دجال اعظم کے پوتے مرزا طاہر کی سنئے۔ اُس نے بیالیس برس کے بعد گزشتہ

دنوں روز نامہ جنگ لندن کے نامہ نگار کو جو بیان دیا اُس ہی کہتا ہے :

”جامعیت وہی زندہ ہوا کرتی ہے جو قربانیاں دے کر آگے آتی ہیں۔

ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں جو فرق پڑا ہے وہ یہی ہے کہ کانگریس

نے لمبا عرصہ قربانیاں دی تھیں اور مسلمانوں نے ایک جذباتی جوش میں آکر

ایک دم ایسا اظہار کیا کہ پاکستان وجود میں آگیا۔ اس کے پیچھے تاریخ

نہیں، کوئی قربانی نہیں، تو اس طرح وہ نظریہ بلبلے کی طرح پھٹ بھی گیا۔

ڈاکٹر شکر داس کا بیان ابن دجال کے نام نہاد الہام اور دجال اعظم کے پوتے کا

بیانیس برس بعد بیان۔ یہ سب درست ہے تو پھر قادیان کیوں چھوڑا؟ یہ سوال اپنی جگہ

تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندو سے زیادہ مرزائیوں کو انگریز کی وفاداری

زیادہ عزیز ہے۔ اس لیے انگریز کو اس غدار کو لے کر زیادہ ضرورت تھی۔

مجاز کشمیر اور مرزائی | دجال ہر جگہ دجل کرتا ہے خواہ دنیاوی مسئلہ ہو یا دینی۔ دجال اعظم

غلام احمد نے اپنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے کا بیبل بھی لگا رکھا

تھا۔ اس کے لیے وہ دلیل دیتا ہے کہ :

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور ان کی قبر سرائیکو کشمیر کے

محلہ بانیاں میں ہے۔“

اس بنیاد پر مرزائیوں کے لیے کشمیر حاصل کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔ جیسے کہ اوپر

کہا گیا کہ پاکستان کی بنیاد کے ساتھ ہی اس نوزائیدہ مملکت کے اہم فوجی عہدے انگریز

آفیسروں کے حوالے کرنا بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ ماضی قریب کی تاریخ کئی جگہ اس کی

نشاندہی کر چکی ہے۔

نوٹ : ۱۹۴۱ء میں بھی مرزائیوں نے انگریز کی سیاسی اغراض کے بہانے کشمیر پر قبضہ ہونے کی کوشش

کی تھی۔ اُس وقت اگر احرار اس کے ارادے میں حائل نہ ہو جاتے تو کشمیر کا مسلمان اپنا ایمان صلح کر چکا تھا۔

قارئین کاروان احرار کی پہلی جلد میں اس کی تفصیل ملاحظہ کر چکے ہیں۔

افواج پاکستان کے اعزیز کمانڈر انچیف جنرل گرسبی نے بانی پاکستان کے حکم پر کشمیر کے محاذ پر نہ صرف فوج بھیجنے سے انکار کر دیا بلکہ اس کی اطلاع بھارت میں لارڈ مونت بسٹن کو کر دی کہ پاکستان کشمیر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس اطلاع کے فوراً بعد بھارت نے کشمیر میں اپنی فوج اتار دی۔ دوسری طرف شمال مغربی سرحد کے قبائل کشمیر پر چڑھ دوڑے (انہوں نے وہاں پہنچ کر جو کچھ کیا تاریخ کا یہ باب بھی بڑا گھناؤنا ہے) انہیں دنوں مرزائیوں کو موقع ملا انہوں نے اپنی فرقان بٹالین کشمیر کے محاذ پر بھیج دی۔ بظاہر یہ پاکستان کی امداد کے لیے گئی تھی۔ مگر اس کے پس منظر میں دجالی گروہ کے دو مقاصد پوشیدہ تھے۔

اول جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں آچکا ہے۔ دوسرا مقصد اس محاذ پر بھارت کی فوجی امداد تھی۔ اس دوران افواج پاکستان میجر جنرل اکبر کی کمان میں کشمیر کے محاذ پر پہنچ چکی تھی۔ یہ دیکھ کر دجالی گروہ نے فرقان بٹالین کا پاکستانی فوج میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ پیشتر اس محاذ پر فرقان بٹالین کا انچارج سرنیکرہ کا معروف مرزائی غلام نبی گلکار تھا۔

افواج پاکستان کے بھولے اور سادہ لوح آفیسروں نے مرزائیوں کے اس فریب کو دیانت اور خلوص سمجھ کر قبول کر لیا۔ چنانچہ ہر روز کے عسکری مشوروں میں فرقان بٹالین برابر شریک ہونا شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افواج پاکستان اگلے روز جس محاذ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرتی۔ اس کی اطلاع پیشتر سے بھارتی فوج کو مل چکی ہوتی۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ان دنوں انگریز لدرخ کے راستے سوویت روس کا ہندوستان پر حملے کا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اس اعتبار سے وہ بھی کسی نہ کسی طرح کشمیر پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ ویسے نو آئینی طور پر پاکستان کشمیر کا کیس سر ظفر اللہ کو اپنا وکیل مقرر کر کے باؤنڈری کمیشن میں ہار چکا تھا۔

جبکہ ابن دجالیہ یہ بات کھلم کھلا کہہ چکا ہے کہ:

”ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے“

اس اعتبار سے سرگزشتہ کے لیے لازم تھا کہ وہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مرزائی وکیل کو قادیان کے مقدمہ میں گورداسپور کی مردم شماری میں مسلمان کو مرزائیوں سے الگ پیش کرے۔ یہ غلطی مسلم لیگ کی تھی کہ اُس نے سرگزشتہ کو اپنا وکیل مقرر کر کے کشمیر ضلع کر لیا۔

قادیانیوں کے ناپاک ارادے | پاکستان ہنوز ابتدائی سال میں تھا۔ حکومت کا دفتری نظام بھی درست نہیں تھا۔ مہاجرین کے قافلے قطار باندھے چلے آ رہے تھے۔ اندرون خانہ پاکستان کی قوتِ حاکمہ بھی باہم دست و گریبان تھی۔ ایسے میں بھی قادیانی وطن دشمنی سے باز نہ رہے۔ چنانچہ ان دنوں ابن دجال بنیہ الدین مہود کا خطبہ ملاحظہ ہو۔

”بلوچستان میں تو صرف پانچ لاکھ انسان بستے ہیں۔ اس میں بڑی مشکل سے دو تین ہزار احمدی ہیں۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے بفضلِ تعالیٰ جماعت احمدیہ نے فرقانِ بٹالین علیحدہ بنالی ہے۔“

(الفضل ۳ اگست ۱۹۴۸ء)

انہیں دنوں مرزائیوں کے ہر گھر میں حسبِ ذیل عبارت کا کیلنڈر آویزاں تھا۔
 ”میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدی جماعت کا مرکز مقرر فرمایا ہے میں اس حکم کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا۔ اور اس مقصد کو بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔ اور اپنی بیوی بچوں کو اگر خدا کی مشیت یہی ہے تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لیے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے حصول پر ہر چھوٹی بڑی قربانی کے لیے تیار رہیں۔“

اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔“

(محمد حیات تاثیر اخبار الفضل ۲۶ مئی ۱۹۴۸ء)

مندرجہ بالا خیالات اور ارادے کے ساتھ قادیان میں تقسیمِ برصغیر کے بعد پہلے جلسے کی

روداد ملاحظہ ہو۔ جسے بھارت کے مختلف اخبارات نے شائع کیا۔

اخبار ٹائمز میجے : قادیان ۳۰ دسمبر۔ احمدیوں کا سہ روزہ سالانہ جلسہ آج ختم ہو گیا۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے شیخ بشیر احمد بیرسٹر جو لاہور سے تشریف لائے اور جو وفد کے لیڈر تھے نے کہا۔

پاکستان کی حکومت جو اسلامی تحریک کا نتیجہ ہے مرزائیوں کی حفاظت سے قاصر رہی۔ وہاں تین مرزائی قتل ہو چکے ہیں اس کے بالمقابل ہندوستان کی حکومت نے بے دین ہونے کے باوجود ہر مذہب کے پیرو اور بالخصوص مرزائیوں کی حفاظت کا خاطر خواہ سامان مہیا کر رکھا ہے۔ ہندوستان میں ہمیں ہر قسم کا امن میسر ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں ہندوستان کی حکومت کو اللہ کی نعمت قرار دیا۔ اور اعلان کیا کہ ہم اس حکومت کے وفادار رہیں گے۔

اخبار برمنڈے مانرزم : قادیان ۲۷ دسمبر کل یہاں احمدیوں کا سالانہ سہ روزہ جلسہ شروع ہو گیا جس میں پاکستان سے آمدہ ۹۷ آدمیوں اور ہند کے مختلف حصوں کے ۵۲ احمدیوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی بھاری تعداد میں شریک ہوئے جلسہ میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں ہند سرکار سے درخواست کی گئی کہ قادیان میں موجودہ احمدیوں کی وہ تمام جائیدادیں واپس کر دی جائیں۔ جو لگائی قرارداد چاچی ہیں کیونکہ قادیانی بھارت کے وفادار ہیں۔

ایک اور قرارداد میں پنجاب اور ہند کی حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ قادیان کی زیارت کے لیے سہولتیں دی جائیں۔ نیز چونکہ انہیں بھارت کی مٹی سے اتنی محبت ہے۔ اس لیے پاکستان میں مقیم احمدیوں میں جو شخص مر جائے۔ اُس کی لاش قادیان میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے۔

اخبار الفضل ۳۱ دسمبر ۱۹۴۹ء : اول تو قادیان جماعت احمدیہ کا مرکز ہے جس کی شاخیں ساری دنیا پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے محدود احمدیوں کو قادیان کو مجبوراً چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ واپس یہاں آکر رہنے

کے لیے بے قرار ہیں۔

اجیت دہلی: قادیان۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء تا ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر قادیان کا سالانہ جلسہ کامیابی سے ختم ہو گیا ہے۔ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ لاہور نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود دوسری مصروفیتوں کے باعث جلسے کے لیے کوئی پیغام نہ لکھ سکے۔ لیکن وہ ہمیں الوداع کہنے آئے تھے۔ اور انہوں نے پیغام دیا کہ پاکستان کے قادیانی قادیان آنے کے لیے بے تاب ہیں اور وہ دن دور نہیں جب دنیا میں خدا کی حکومت ہوگی اور شیطان کا دور ختم ہو جائے گا۔ شیخ محبوب الہی فرقانی جو کہ انہی سال کے بزرگ ہیں اور حیدر آباد سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ:

”ہمارے نبی کا حکم ہے کہ وقت کی حکومت کی وفاداری کرو اور یہ حکم ہمارے لیے قدرتی حکم ہے قادیانی ہندوستان کی حکومت کے اتنے ہی وفادار ہیں۔ جتنا کوئی دوسرا آج تک قادیانیوں نے حکومت کے خلاف شورش یا بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا۔“

مولوی شریف احمد نے ہندو مسلم اتحاد پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”قادیانی فرقہ کے بانی نے ۱۹۰۸ء میں سالانہ جلسے کے لیے جو تقریر تیار کر رکھی تھی۔ اور وہ جلسے سے پہلے ہی وفات پا جانے کی وجہ سے نہ کر سکے۔ اس میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے یہ فارمولا پیش کیا کہ ہندو اور سکھ حضرت محمد کا احترام کریں اور مسلمان گاؤں کشتی بند کر دیں۔ اگر کوئی فرقہ اس سمجھوتہ کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ تین لاکھ روپیہ ہرجانہ دوسرے فرقہ کو ادا کرے۔“

مرزائی فوجی آفیسر | ہندو مہاسبھا کے صدر ڈاکٹر شنکر داس کا بیان، قادیان کے پہلے جلسے کی روداد، ربوہ کے محل وقوع، اور این دجال کے بیانات کے ساتھ مرزائی فوجی آفیسران کی مندرجہ ذیل فہرست دیکھیں جو ۱۹۴۰ء میں خود مرزائیوں نے

شائع کی اور یہی وہ فہرست ہے جو دجال گروہ کے وکیل مرزا بشیر احمد نے سرفراز اللہ کی وساطت سے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کی۔

- ۱۔ بریگیڈیئر نذیر احمد ملک (میجر جنرل) ۲۲۔ کیپٹن احمد خان
- ۲۔ کرنل ٹی۔ ڈی احمد (بریگیڈیئر) ۲۳۔ کیپٹن عزیز احمد چوہدری
- ۳۔ محمد عطاء اللہ کرنل (بریگیڈیئر) ۲۴۔ کیپٹن سید افتخار حسین
- ۴۔ کرنل احیاء الدین (میجر جنرل) ۲۵۔ کیپٹن احمد خان ایاز
- ۵۔ لیفٹنٹ کرنل منظور احمد (بریگیڈیئر) ۲۶۔ کیپٹن اختر محمود آئی ایم۔ ایس
- ۶۔ میجر اختر حسین ملک ۲۷۔ کیپٹن آفتاب احمد
- ۷۔ میجر حبیب اللہ ۲۸۔ کیپٹن احمد محمدی الدین
- ۸۔ میجر داؤد احمد مرزا (بریگیڈیئر) ۲۹۔ کیپٹن مرزا احمد بیگ
- ۹۔ میجر شریف باجوہ ۳۰۔ کیپٹن بشیر احمد بھاگووال
- ۱۰۔ میجر شمیم احمد ۳۱۔ کیپٹن بشیر احمد آف ڈلیال
- ۱۱۔ ڈاکٹر سراج الحق ۳۲۔ میجر سلطان محمود خان ملک
- ۱۲۔ میجر ظہور الحسن ۳۳۔ کیپٹن بشیر احمد بٹ
- ۱۳۔ میجر عبدالحق ملک ۳۴۔ کیپٹن سید الدین آئی۔ اے۔ ایم۔ سی
- ۱۴۔ میجر غلام احمد آئی۔ ایم۔ ایس ۳۵۔ کیپٹن بشیر احمد
- ۱۵۔ میجر فیروز الدین ۳۶۔ کیپٹن بشیر احمد چوہدری
- ۱۶۔ میجر قاضی محمد احمد آئی۔ ایس ۳۷۔ کیپٹن بشیر احمد
- ۱۷۔ میجر محمد اشرف ۳۸۔ کیپٹن بشیر احمد شیخ آف بھیرہ
- ۱۸۔ میجر محمد رمضان ۳۹۔ کیپٹن حبیب احمد
- ۱۹۔ میجر عطاء اللہ آئی۔ ایم۔ ایس ۴۰۔ کیپٹن ظفر اللہ خان
- ۲۰۔ کیپٹن اقبال احمد شمیم ۴۱۔ کیپٹن محمد طفیل
- ۲۱۔ کیپٹن افتخار احمد خوجہ ۴۲۔ کیپٹن محمد مسعود احمد
- ۴۳۔ کیپٹن شہیر محمد خان او بی ڈی ۴۴۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد شریف
- ۴۵۔ کیپٹن ظہیر الحق
- ۴۶۔ کیپٹن سید ضیاء الحسن
- ۴۷۔ کیپٹن غلام احمد چوہدری
- ۴۸۔ کیپٹن عزیز احمد چوہدری
- ۴۹۔ کیپٹن عطاء اللہ چوہدری
- ۵۰۔ کیپٹن عمر حیات خان
- ۵۱۔ کیپٹن غلام محمد کھوکھر
- ۵۲۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد آئی۔ ایم۔ ایس
- ۵۳۔ کیپٹن ڈاکٹر عبدالعزیز بشیری
- ۵۴۔ ڈاکٹر عمر دین
- ۵۵۔ کیپٹن عطاء اللہ
- ۵۶۔ کیپٹن عنایت اللہ
- ۵۷۔ کیپٹن گل اکبر شاہ
- ۵۸۔ کیپٹن ایف۔ یو خان
- ۵۹۔ کیپٹن محمد یوسف
- ۶۰۔ کیپٹن ظفر اللہ خان
- ۶۱۔ کیپٹن محمد طفیل
- ۶۲۔ کیپٹن محمد مسعود احمد
- ۶۳۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد شریف

- ۶۳۔ کیپٹن محمد عبداللہ باجوہ
۶۴۔ کیپٹن محمد حیات کسرائی
۶۵۔ کیپٹن محمود احمد بہاول پور
۶۶۔ کیپٹن محمد صادق ملک
۶۷۔ کیپٹن محمد اسماعیل
۶۸۔ کیپٹن محمد عمر مہر
۶۹۔ کیپٹن مرزا محمد شفیع
۷۰۔ کیپٹن محمود احمد
۷۱۔ کیپٹن محمد عبدالرحمن
۷۲۔ کیپٹن محمد شریف احمد
۷۳۔ کیپٹن منظور احمد
۷۴۔ کیپٹن محمد اسلم
۷۵۔ کیپٹن چوہدری نصر اللہ خان
۷۶۔ کیپٹن نور الدین آئی۔ ایم۔ ایس
۷۷۔ کیپٹن غیاث الدخان
۷۸۔ کیپٹن نظام الدین
۷۹۔ کیپٹن نذیر احمد
۸۰۔ کیپٹن شیخ نواب دین
۸۱۔ کیپٹن محمد اقبال
۸۲۔ کیپٹن محمد نذیر
۸۳۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد شاہ
۸۴۔ کیپٹن منیر احمد خالد
۸۵۔ کیپٹن محمد علی ملک
- ۸۶۔ کیپٹن محمد محسن
۸۷۔ کیپٹن محمد خان آئی۔ ایس۔ ایس
۸۸۔ کیپٹن محمد محسن
۸۹۔ کیپٹن ایس۔ ایم۔ احمد، ممتاز احمد سید
۹۰۔ کیپٹن محمد ابراہیم
۹۱۔ کیپٹن محمد امین درانی
۹۲۔ کیپٹن وقیع الزمان
۹۳۔ کیپٹن وہاب الدین
۹۴۔ کیپٹن خورشید احمد چشتی
۹۵۔ کیپٹن اقبال احمد
۹۶۔ کیپٹن ابوالخیر باجوہ
۹۷۔ کیپٹن آفتاب احمد
۹۸۔ کیپٹن انور احمد
۹۹۔ کیپٹن اکرام اللہ
۱۰۰۔ کیپٹن بشیر احمد طلب پوری
۱۰۱۔ کیپٹن او۔ بی۔ آر کرد
۱۰۲۔ کیپٹن سید بشیر احمد
۱۰۳۔ کیپٹن حمید اللہ چوہدری
۱۰۴۔ کیپٹن رحمت اللہ باجوہ
۱۰۵۔ کیپٹن سید سعید حسن
۱۰۶۔ کیپٹن ستار بخش ملک
۱۰۷۔ کیپٹن مرزا شریف احمد
۱۰۸۔ کیپٹن سید احمد آئی۔ ایم۔ ایس
- ۱۰۹۔ لفٹیننٹ صاحب الدین
۱۱۰۔ لفٹیننٹ صبح صادق
۱۱۱۔ لفٹیننٹ ڈاکٹر ظفر اقبال
۱۱۲۔ لفٹیننٹ عزیز احمد چوہدری
۱۱۳۔ لفٹیننٹ عارف زمان
۱۱۴۔ لفٹیننٹ عبدالغنی
۱۱۵۔ لفٹیننٹ عزیز الرحمن
۱۱۶۔ لفٹیننٹ عبدالمطیف مرزا
۱۱۷۔ لفٹیننٹ عبدالکریم
۱۱۸۔ لفٹیننٹ قاضی عطاء الرحمن
۱۱۹۔ لفٹیننٹ عبدالحی خان
۱۲۰۔ لفٹیننٹ غلام محمد اقبال
۱۲۱۔ لفٹیننٹ سید عبدالحمید
۱۲۲۔ لفٹیننٹ عبدالمنان
۱۲۳۔ لفٹیننٹ عبدالغنیظ
۱۲۴۔ لفٹیننٹ عبدالرحمن
۱۲۵۔ لفٹیننٹ علی حسن
۱۲۶۔ لفٹیننٹ کمال مصطفیٰ
۱۲۷۔ لفٹیننٹ محمد یوسف خان
۱۲۸۔ لفٹیننٹ محمد نواز
۱۲۹۔ لفٹیننٹ قاضی منظور الحق
۱۳۰۔ میجر کیپٹن سید مقبول احمد
۱۳۱۔ میجر کیپٹن محمد احمد ڈار

- ۱۳۷- میر کیپٹن محمد صفدر باجوہ
 ۱۳۳- میر کیپٹن مبارک احمد
 ۱۳۲- میر کیپٹن سید محمود احمد
 ۱۳۵- لفٹیننٹ مختار احمد
 ۱۳۶- لفٹیننٹ ممتاز احمد
 ۱۳۷- لفٹیننٹ ایم ایس صادق
 ۱۳۸- لفٹیننٹ سید مسعود احمد
 ۱۳۹- لفٹیننٹ منظور حسن
 ۱۴۰- لفٹیننٹ مظفر احمد
 ۱۴۱- لفٹیننٹ محمد عبدالرحمن
 ۱۴۲- سیکنڈ لفٹیننٹ اعجاز احمد
 ۱۴۳- سیکنڈ لفٹیننٹ بشیر احمد
 ۱۴۴- سیکنڈ لفٹیننٹ خان ہمایوں مرزا
 ۱۴۵- سیکنڈ لفٹیننٹ خلیل الرحمن
 ۱۴۶- سیکنڈ لفٹیننٹ طالب حسین
 ۱۴۷- سیکنڈ لفٹیننٹ فیروز خان
 ۱۴۸- لفٹیننٹ عبدالسلام
 ۱۴۹- فلائیٹ لفٹیننٹ ظفر احمد ملک
 ۱۵۰- فلائیٹ لفٹیننٹ عبدالنان خان
 ۱۵۱- فلائیٹ لفٹیننٹ عبدالحی
 ۱۵۲- فلائیٹ لفٹیننٹ ایم ایم لطیف
 ۱۵۳- فلائیٹ لفٹیننٹ ایم این اختر (وٹنگ کمانڈر)
 ۱۵۴- فلائیٹ لفٹیننٹ حمید اللہ بھٹی
 ۱۵۵- انور ملک فلائیٹ آفیسر
 ۱۵۶- صلاح الدین فتح فلائیٹ آفیسر (وٹنگ کمانڈر)
 ۱۵۷- میر کیپٹن ایم اے سید
 ۱۵۸- میر کیپٹن محمد یوسف شاہ
 ۱۶۹- میر کیپٹن نذیر احمد
 ۱۶۰- لفٹیننٹ سید نصر احمد شاہ
 ۱۶۱- لفٹیننٹ چوہدری نصیر احمد
 ۱۶۲- لفٹیننٹ نصر اللہ خان
 ۱۶۳- لفٹیننٹ محمد یعقوب
 ۱۶۴- لفٹیننٹ محمد اسلم چوہدری
 ۱۶۵- لفٹیننٹ محمد اسحق
 ۱۶۶- لفٹیننٹ نواز زادہ محمد ہاشم
 ۱۶۷- لفٹیننٹ منصور احمد
 ۱۶۸- لفٹیننٹ ممتاز احمد آف گجرات
 ۱۶۹- محمد سید فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۰- غلام علی فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۱- ظفر احمد چوہدری فلائیٹ آفیسر (وٹنگ کمانڈر)
 ۱۷۲- ایم ایم احمد فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۳- منصور احمد فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۴- سید اللہ خان فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۵- لفٹیننٹ نواب علی فلائیٹ آفیسر
 ۱۷۶- محمود شفقیت کیپٹن
 ۱۷۷- عصمت اللہ خان کیپٹن

ان میں قادیانی افسروں کے متعلق کچھ مفصل لکھا جائے۔ چونکہ یہ خالص فوجی معاملہ ہے اس لیے ہم اس پر اپنی رائے کا حق محفوظ رکھتے ہوئے صرف اثباتنا چاہتے ہیں کہ یہ وہ فہرست ہے جو کہ ۱۹۴۷ء میں مرزاٹیوں نے شائع کر کے خود یاد دہندگی کی کمیشن کے سامنے پیش کی تھی۔

یہ تعداد اُس زمانے کی ہے جب انگریز فوج میں کسی گروہ کو مجتمع ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُس زمانے میں جب قادیانی افسروں کا یہ عالم تھا تو اس کے بعد حالات کی برہمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے اس فہرست کو جس قدر بڑھایا ہوگا۔ قارئین اب اس کا اندازہ خود ہی کر سکتے ہیں۔

(اخبار آزاد لاہور۔ ۹ مئی ۱۹۵۰ء)

قارئین زنجیر کی تمام کڑیوں کو ایک ساتھ جوڑ کر دیکھیں کہیں مملکت خدا واد پاکستان کفر کے گھراؤ میں تو نہیں؟

دفاع وطن، تحفظ ختم نبوت اور احترام

اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک کے اندر غیر مسلم ریاست کی نواٹھائی جا رہی تھی۔ دشمن پوری طرح لیس ہو کر سامنے آ رہا تھا۔ بھارت اور انگریز کی جاسوسی کے تمام ذرائع متحرک ہو چکے تھے۔ یہ سب کچھ مذہب باطلہ کے نام پر ہو رہا تھا۔ مگر قوتِ حاکمہ جس کی طنائیں اُس وقت مسلم لیگ کے ہاتھ میں تھیں۔ باہم اقتدار کے جھگڑوں میں الجھی ہوئی تھی۔ بانی پاکستان کی موت کے بعد اُن کے گریبانوں کی دھجیاں خزاں کے پتوں کی طرح اڑ رہی تھیں۔ احساسِ وطن اور مستقبل کی ذمہ داریوں سے بے نیاز یہ لوگ ایسے رستے پر گامزن تھے۔ جو فوزِ آئیدہ مملکت کے لیے سراسر تباہی کا راستہ تھا۔ ہندو، انگریز اور مرزائی منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

پاکستان جو کہ ان قدر قربانیوں کے مول حاصل ہوا تھا۔ کوریوں کے بھاؤ جا رہا تھا۔ یہ حالات تھے کہ احرار رہنماؤں نے اپنی تاریخ کے آئینے میں اپنے کو دیکھا۔ حضرت

شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز سے جنگ پلاسی تک۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے تحریک ریشمی رومال تک۔ تحریک خلافت سے جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی پشاور تک۔ پھر بنگال کے انقلاب پسندوں اور اشفاق اللہ جیسے شہیدوں کی لاشوں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتے دیکھا تو شہیدان وطن کی ان گنت بے گور و کفن لاشیں آزادی وطن کی راہ میں بکھری پڑی تھیں۔ لیکن تن آسان لوگ اس ساری داستان کو صرف سات سال کے دامن میں گمراہ دے کر مسلمان شہیدان حریت کے پاک اور صاف لہو کو گنگا و جمنہ کے پانیوں میں بہا کر ان کے رنگ و روغن ضائع کر رہے تھے۔

بے شک ان اوراق پارینہ کو پھاڑ کر پھینک دو مگر ان دس لاکھ مسلمانوں کی لاشیں تو برباد نہ کرو جو حصول پاکستان کے راستے میں شہید ہو چکے ہیں۔ ان پچاس ہزار معصوم عصمتوں کا خیال کرو جو تمہارے جذباتی نورے پر سب کچھ قربان کر چکی ہیں۔ مسلم لیگ کے جاگیردار، حکمران تو بن گئے مگر ٹھیکر کے بادشاہ کی طرح حقیقت سے ان کا دامن تہی رہا۔ اگر صحیح معنوں میں یہ اپنا منصب سنبھال سکتے تو پچاس برس تک ان کا سنگھاسن قائم رہتا۔ مگر خمیر کے غبار سے ہوا نکل جائے تو آدمی کو اپنی پہچان بھی نہیں رہتی۔

رواں حالات میں احرار کے سامنے وطن عزیز کی بقا و عظمت مقصود تھی۔ ملک کو آزاد کرانے میں ان کے آباؤ اجداد نیز اولاد تک کی ہڈیاں اس عمارت کے استوار کرنے میں صرف ہو چکی تھیں۔ مگر افتداری پسندوں کے یل و نہار میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ڈوبنے والا بعض اوقات بچانے والے کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

ع۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

جناح ۱۲، ۱۳، ۱۴ جنوری ۱۹۴۹ء کو لاہور دہلی دروازہ کے اجتماع میں احرار رہنماؤں نے اعلان کر دیا کہ:

”مجلس احرار اب مذہبی اور اخلاقی کاموں میں سرگرم عمل رہے گی۔ مسئلہ

ختم نبوت اس کا بنیادی مسئلہ ہے۔ سیاست اب ہماری منزل نہیں۔

مسلم لیگ جانے اور اس کا کام۔“

سہ مبل نے آشیاں چمن سے اٹھالیا

اپنی بلا سے بھوم رہے یا ہما بسے

احرار کا فیصلہ | سرفراز اللہ کا وجود جسے بانی پاکستان نے وزیر خارجہ مقرر کیا۔ بذاتِ خود متنازعہ فی تھا۔ باؤنڈری کش کے مقدمہ میں جو زخم ظفر اللہ کی وجہ سے پاکستان کو لگ چکا تھا اُس کا مرہم بھی ملنا دشوار تھا۔ اس کے باوجود اُسے پاکستان کی بیرونی ذمہ داری سونپ دینا ملک سے وفا کے منافی تھا۔

یہی موڑ ہے جہاں احرار رہنماؤں نے مسئلہ ختم نبوت کے ساتھ پاکستان کی سالمیت اور بقا کے لیے سوچنا شروع کیا۔

جس ماں کی کوکھ سے بچے نے جنم لیا ہو اُس کے دکھ سکھ کا احساس بھی اُسی کو ہو سکتا ہے۔ درخت کے ثمر آور ہونے تک باغبان جن موسموں کے سرد گرم جھوٹوں سے گذرتا ہے۔ اُس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے۔ بہار کے دنوں تو زراعت و زمین بھی شاخ گل پر گھونسلے بنا لیتے ہیں۔

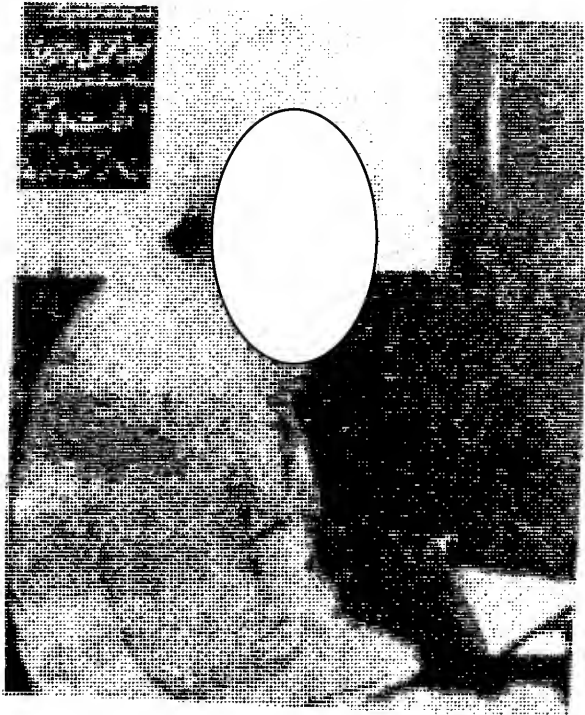
احرار رہنما اُسی مہم غاءِ حریت کے رسیا تھے جن کی دیوارِ بنِ خونِ شہدائے وطن سے استوار ہوئی تھیں۔ وہ ان دیواروں کو گرتے یا ان میں دراڑ آتے دیکھ کر کیونکر خاموش رہ سکتے تھے۔ پھر پاکستان کے حصول میں مصائب و آلام کی داستان تو اس قدر المناک ہے کہ وہ رائی نہیں جا سکتی۔ اسے وہی لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں۔ جو خون کے دریاؤں میں تیر کر اس پار پہنچے۔ جسے بنا بنا یا گھر مل گیا ہو وہ ہمارا کی محنت اور مزدور کے خون پینے کا اندازہ کیسے کرے گا۔ جو اس عمارت کو آخری منزل تک پہنچانے میں صرف ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان کے وارث بننے والے تن آسان لوگ گھر میں داخل ہوتے ہی باہم دست و گریبان ہونے لگے۔ پرائے مال پر وہ لگسوں کی طرح جھپٹے اور ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے لگے۔ ایسے میں چوروں کو موقع مل گیا کہ وہ اندر خانے اس گھر کو ویران کر دیں۔

احرار رہنماؤں کی دور رس نگاہوں نے بھانپا کہ مسلمان کا فتنی اور آخری اثنا عشر جلیات جس پر اسلام کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ قذاق لوٹ کر نہ لے جائیں۔ مندرجہ بالا فیصلہ کیا۔

احرار رہنما عزم میں ناقابل شکست تھے۔ دفاع ختم نبوت اگر ایمان کا جزو ہے تو دفاع وطن بھی ایمان کا حصہ ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام | احرار قیام پاکستان کے قریباً دو برس بعد تک حکمرانوں کا منہ تنگتے رہے۔ جس ذات گرامی کے نام پر ملک حاصل کیا گیا ہے۔ اُس کی نبوت کے تحفظ کا کوئی قانون نہیں بنا۔ الٹا مزائیت کو فروغ دینے کے طریق وضع کئے گئے۔ اگر مزائیت پنجاب تک محدود تھی تو وزارت خارجہ ظفر اللہ کے حوالے ہونے پر اُسے بیرون ملک کے تمام سفارت خانوں تک پہنچا دیا گیا۔ اس کی وساطت سے کفریہ لٹریچر یورپ، ایشیا اور افریقہ تک پہنچا۔ ہزار حج و پیکار کی مگر :

عہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی



مولانا محمد علی جالندھری

بالآخر مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے پہلے صدر حضرت امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری مقرر ہوئے اور ناظم اعلیٰ مولانا محمد علی جالندھری۔
دجالی گروہ کی بیخ کنی کے لیے شعبہ تبلیغ قائم کر دیا گیا جس کے انچارج مولانا محمد حیات
مقرر ہوئے۔



مولانا محمد حیات

محاذ آرائی | احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ، شہر، قصبات اور دیہاتوں میں
دفاع ختم نبوت کے محاذ پر عوام کو دجالی گروہ کی وطن دشمن سرگرمیوں سے
شب و روز آگاہ کرنے لگے۔ کانفرنسیں، جلسے، عوامی جلوسوں نے سارے پنجاب کو
محیط کر لیا۔ مسئلہ ختم نبوت کوئی جلاڑی۔ مرزائیت کے خلاف چاروں طرف سے طوفان
اٹھ کھڑا ہوا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی الہ مرزائیت کا گندہ اور خلاف اسلام
لٹریچر کا ٹنک اٹھائے سرکادی دفان میں پہنچ کر افسران کو اس گروہ کی اندرونی کیفیت
بہم پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ان دنوں کی تقریروں میں خاص قسم
کے جذبات تھے۔ کلمہ طیبہ کے ساتھ شاہ جی نے علماء اور عوام کو ناکید کیا کہ:
”وہ آئندہ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ لابی بجدی ضروری

کہا کریں“

چنانچہ یہ قول زبان زد عوام ہو کر محراب و منبر تک آن پہنچا۔ مساجد کے خطباء حضرات

نے شاہجی کے اس ارشاد کی پوری تعمیل کی۔

ع۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پنجاب کی یہ آواز شمال مغربی صوبہ سرحد اور ہری پور ہزارہ کے پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی صحراؤں تک پہنچی۔ مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلپڑی (ریشا پور) مولانا غلام غوث ہزاروی اور حکیم عبدالسلام ہزاروی نیز ان کے رفقاء قافلہ ختم نبوت کا ہراول دستہ بن کر سامنے آ گئے یہی آگ صوبہ یوپی میں سلگنے لگی۔ جمیعتہ علمائے ہند نے اس آگ کی تہمت کو محسوس کرتے ہوئے مذہبی نقطہ نظر سے تحریک کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

قادیان کانفرنس ۱۹۳۴ء میں جو مطالبہ کیا کہ:

”مرزا یوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دیا جائے“

نیز اس کے سربراہ سرفراز اللہ کو بھی وراثت خارجہ سے فوراً الگ کیا جائے۔

ان عوامی اجتماعات میں دہرایا جانے لگا۔ یہ مطالبات مسلمانان ہند کی آواز بن کر ابھرے۔ عرض اک آگ مٹی چاروں طرف لگی ہوئی۔

دجالی گروہ احرار کی سرگرمیوں سے کیونکہ غافل اور بے خبر رہ سکتا تھا۔ اندرون اور بیرون ملک کے ہر محکمے میں اس کی سی آئی ڈی پوری طرح مستطقی۔ دشمن کے کئے احرار کے قدموں کی بوسہ تھتھتے پھرتے۔

دشمن چاہے کمزور کیوں نہ ہو اُسے کمزور سمجھنا بڑی حماقت ہے۔

مرزائی تنہا کوئی شے نہیں تھے۔ نہ گنتی کے حساب سے نہ قومیت کے اعتبار سے۔ فقط غیر ملکی ہوائیں ان تنکوں کو اڑائے پھرتی تھیں۔ یقین تھا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد اسلام کے بحر بیکراں میں یخس و خاشاک بہہ جائیں گے۔ لیکن

ع۔ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

انگریز کے لیے تو بہر طور لازم تھا کہ وہ اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت کرے۔

مگر پاکستان کی قوتِ حاکمہ فوج سمیت دجالی سروں میں راگ الاپنے لگی۔

امورِ سلطنت سے نا آشنا حاکمانِ وقت کی موجودگی میں ابنِ دجال بشیر الدین محمود نے

۳ جنوری ۱۹۵۲ء کو ریلوے میں اپنی تقریر میں مرزائی فوجی افسران کو تلقین کرنے ہوئے کہا۔
 ”احمدیت کے مخالف عنقریب مرزا صاحب (غلام احمد) یا ان کے کسی
 باغیوں کے سامنے مجرم کی طرح کھڑے ہوں گے۔“
 ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء کے ہفت روزہ ”الفضل“ نے بنیر الدین محمود کا ایک بیان شائع کیا کہ،
 ”فوجی محکموں کی طرح گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں بھی احمدی حضرات
 بھرتی ہونے کی کوشش کریں تاکہ تبلیغی سرگرمیوں کو تقویت ملے۔“
 ۱۷ جنوری کو ایک اور بیان شائع ہوا جس میں تمام مرزائی افسران و دیگر مرزائیوں کو حکم
 دیا گیا کہ :

”ایسے حالات پیدا کر دیں کہ ۱۹۵۲ء گزرنے سے پہلے پہلے دشمن احمدیت
 کی آغوش میں گرنے پر مجبور ہو جائیں۔“

اہم انکشاف مسلمان اور مرزائیوں کے درمیان کئی برس سے آئینی لڑائی شروع تھی
 اس دوران کوئی موڑ ایسا نہیں آیا کہ اس لڑائی کا رخ کسی دوسری
 طرف ہو۔ لیکن شیطانی قوتیں گلاب کے پھولوں میں زہر بھرنے سے باز نہیں رہیں۔
 ۲۴ مارچ ۱۹۵۲ء کو سرگودھا میں احرار کا نفرنس تھی۔ اس میں شرکت کے لیے حضرت
 امیر شریعت یہاں پہنچے۔ ۲۴ اور ۲۵ مارچ کی درمیانی شب ایک شخص اور کوٹ پہنچے
 سیاہ چشمہ لگائے، ہرے کے باقی خدو حال کوٹ کے کالرمیں چھپائے شاہ جی سے ملنے
 آیا۔ اس پر اس شخص کا تقاضا تھا کہ وہ صرف شاہ جی سے تنہا ملنا چاہتا ہے۔ نگہداروں
 نے شاہ جی کی اجازت سے اُسے اندر جانے دیا۔ نووارد نے شاہ جی کے سامنے باادب
 بیٹھنے ہی احتیاطاً خفیہ انداز میں دائیں یاہیں دیکھ کر کہا۔

”شاہ جی! آپ میرا نام اور پتہ نہ بولجیے۔ میں آپ کو ایک عظیم خطرہ سے
 آگاہ کرنے آیا ہوں۔“

کل کراچی میں سر ظفر اللہ اور راجہ غضنفر علی (شیبہ) کے درمیان یہ طے پایا کہ
 پاکستان قومی اسمبلی میں ایک مسودہ قانون مشترک طور پر پیش کریں کہ پاکستان میں

مسلمانوں کے کسی فرقے کو کافر نہ کہا جائے۔

اتنا کہہ کر وہ جلدی سے اٹھ کر چلا گیا۔ یہ اطلاع پاکر شاہ جی نے باقی رات کروٹوں میں گزاری۔ صبح بغیر جماعتی مشورہ کے احرار رضا کاروں کو حکم دیا کہ آج دوپہر سر ظفر اللہ کا جنازہ نکال دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس عمل سے مرزائیت کے خلاف تحریک بھڑک اٹھی۔ پنجاب کے تمام شہروں میں ظفر اللہ کا جنازہ نکالا گیا۔

یہ اجنبی کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ اس کے مقاصد کیا تھے؟ راجہ غضنفر علی اور ظفر اللہ کے مابین واقعی ایسی کوئی نحویر بھتی یا نہیں؟ مگر شکاری نے ایسا خوبصورت ہم رنگ زمین جال بچھایا۔ اگر احرار جذبات ہیں اگر اس میں پھنس جاتے تو مرزائی بازی جیت گیا تھا۔ مگر شاہ جی کی سیاسی بصیرت نے یہ جال تار تار کر دیا۔

سیاست اور شرافت ایک جگہ اکٹھے نہیں
پنجاب اسمبلی کا انتخاب اور مسلم لیگ

ذمہ داری مسلم لیگ کی قوتِ حاکمہ برطانوی سیاستی شخص اُس کے سپرد کر دیا۔ احرار کا یہ اقدام کسی خوف یا دباؤ کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ملکی حالات کا تقاضا ہی تھا۔ ہنوز ملک کی دیواریں کوتاہ ہونے کے ساتھ کمزور بھی تھیں۔ جبکہ دشمن کے ارادے نیک نہیں تھے۔ احرار کے اس مخلصانہ فیصلے کو مسلم لیگی حکمرانوں نے احرار کی کمزوری جان کر ۱۹۵۱ء کے پنجاب اسمبلی کے جنرل الیکشن میں چھ مرزائیوں کو مسلم لیگ کے ٹکٹ دے دیے۔ جبکہ چار مرزائی اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے الیکشن لڑ رہے تھے۔ اس طرح دس مرزائی الیکشن میں شامل ہو گئے۔ احرار رہنماؤں کو جیسے ہی مسلم لیگ کی اس حرکت کا پتہ چلا انہوں نے حسبِ ذیل بیان پڑیں کو دیا۔

”مجلس احرار براہِ راست سیاسیات میں ذخیل نہیں۔ بنا بریں وہ الیکشن میں حصہ لینا پسند نہیں کرتی ہے۔ لیکن مسلم لیگ نے تو مرزائیوں کو ٹکٹ دے دیے ہیں

اب مجلس احرار ان کا مقابلہ کرنا اپنا دینی فرض سمجھتی ہے۔“

اس بیان کے ساتھ ہی مسلم لیگ پاکستان کے صدر اور وزیرِ اعظم یاقوت علی خان

کو برقی پیغام کے ذریعے پنجاب مسلم لیگ کی اس حمایت سے مطلع کیا۔ جس کے جواب میں انہوں نے کہا۔

”میں اُن حلقوں میں نہیں جاؤں گا۔ جہاں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرزاٹا لکیشن

لڑ رہے ہیں۔“

اُن دنوں پنجاب مسلم لیگ میں نواب افتخار حسین ممدوٹ اور میاں ممتاز محمد خانی قند کے درمیان اقتدار کی کشمکش جاری تھی۔ دونوں جاگیردار دھڑے اندر خانے مرزاٹیوں کی حمایت پر تھے۔ یہ دونوں مسلم لیگی کم اور جاگیردار زیادہ تھے (راکی کشمکش کے نتیجے میں نواب ممدوٹ مسلم لیگ چھوڑ کر حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ میں چلے گئے تھے)

پنجاب مسلم لیگ کے اس رویے پر احرار رہنماؤں نے ۱۶ فروری ۱۹۵۱ء احرار کا بیان کو اپنے پریس بیان میں کہا:

جہاں تک مجلس احرار اسلام پاکستان کی پالیسی کا تعلق ہے یہ بات اخبارات کے ذریعے عوام اتاس پر پوری طرح عیاں ہو چکی ہے۔ اس کا اعادہ ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم اتنا عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ اس وقت مجلس احرار اسلام نے اپنی تمام تر مساعی ملی اتحاد اور مسئلہ ختم نبوت کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد انہیں مقدس مقاصد کے لیے مجلس احرار نے ملی انتخابات سے دست برداری کا اعلان کر دیا تھا۔ جب اس نوزائیدہ مملکت میں حزب مخالف برداشت نہیں کی جاسکتی تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ایکشن کی سرگرمیوں سے قطع نعلق کر لیں اور اُمت مرزائیہ کے کفر و ارتداد کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی پاکستان دشمنی کو پوری طرح بے نقاب کریں۔ ملک و ملت کو اس فتنہ مرتد سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ یہ نام نہاد ٹولی پاکستان

از زندگی اور صحت رہی تو اس کی تفصیل آئندہ جب پاکستان بن گیا کے عنوان سے عرض کروں گا۔

جیسی اسلامی مملکت میں کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے۔
جیسے کہ ابن دجال بشیر الدین محمود کہتا ہے۔

”قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اگر قوموں کی غیر معمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑا تو یہ اور بات ہے۔ بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا بھی مشورہ دیتے ہیں، لیکن یہ خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں۔ اور صرف اُسی وقت جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو، اور پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لیے کوشش نہ کرے گا۔ اس طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رونا مندا ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔“

(الفضل مؤرخہ ۱۶ مئی جلد ۳۵ نمبر ۱۱۶)

مرزائی لیڈر کے مذکورہ بیان کے باوجود ہم نہیں سمجھ سکے کہ مسلم لیگ پالیمرٹری بورڈ نے کن مصلحتوں کی بنا پر مجلس احرار اسلام کے مطالبے کو ٹھکرا کر مرزائیوں کو ٹکٹ دینا ضروری سمجھا۔ بہر حال احرار نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہو جائے مرزائیوں کو انتخاب نہیں جیتنے دے جائیں گے۔ اس پالیسی کے اختیار کرنے میں کسی کی ناراضگی کو کوئی وقعت نہیں دی جائے گی کیونکہ ایمان کا سودا نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں آیام میں احرار کے ترجمان روزنامہ ”آزاد“ لاہور نے اپنی اشاعت ۲۴ فروری ۱۹۵۱ء میں ”احرار، مسلم لیگ اور مرزائی“ کے عنوان سے درج ذیل ایڈیٹوریل پر دم کیا۔

احرار، مسلم لیگ اور مرزائی

اے اہل نظر، اے دل والو! کس بندش کو میں نرم کروں
اک ہاتھ میں سارا عالم ہے، اک ہاتھ میں ان کا دامن ہے

مجلس احرار نے سیاسیات میں مسلم لیگ سے تعاون کا اعلان کرتے ہوئے ”لاہور ریزولوشن“ کے ذریعہ اپنی پالیسی کی وضاحت کر دی تھی۔ مجلس کی یہ پوزیشن علیٰ حالہ قائم ہے۔ سیاسیات سے الگ ہوتے ہی احرار کی تبلیغی سرگرمیاں ردِ مرزائیت پر مرکوز ہو گئیں۔ کنفرا سلام کی یہ آویزش جسے احرار اور مرزائیوں کی نبرد آزمائی پر محمول کیا گیا تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ تا آنکہ انتخابات کا دور شروع ہوا۔ احرار اپنی مولہ بالا پالیسی کے پیشِ نظر مسلم لیگ کی مخالفت جماعتوں سے تعاون نہ کر سکتے تھے، بلکہ اس کے برعکس احرار مجبور تھے کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ یہاں تک معاملہ بالکل صاف تھا اور کسی الجھن کی گنجائش نہ تھی۔ مگر انتخابات کی ہماہمی اور مرزائیوں کی ریشہ دوانیوں کے پیشِ نظر احرار نے ملتان کی سالانہ تبلیغ کانفرنس میں ایک تجویز منظور کی اور بروقت مسلم لیگ اور عوام پر ظاہر کر دیا کہ لاہور ریزولوشن اور طے شدہ پالیسی کے باوجود احرار مجبور نہیں کہ مسلم لیگ کے مرزائی امیدواروں کی امداد کریں۔ بلکہ بالاتفاق طے ہوا کہ اگر مسلم لیگ نے مرزائیوں کو ٹکٹ دیا تو احرار ان مرزائیوں کی لیگ ٹکٹ کے باوجود سخت مخالفت کریں گے اور مسلم لیگ کی خفگی اور برتری کی قطعاً پرواہ نہ کریں گے۔ یہ اعلان احرار نے قبل از وقت اس لیے کیا کہ مبادا مرزائی مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو احرار کی بجائے اس انتخابی نعرش اور باہمی کشمکش کی تمام تر ذمہ داری مسلم لیگ پر ہو۔ احرار اب بھی طے شدہ پالیسی کے مطابق مسلم لیگ کے مخالفوں کی صف میں نہیں بلکہ مرزائی نشستوں کے علاوہ ہر نشست پر مسلم لیگ کے ساتھی اور معاون ہیں۔

احرار نے مسلم لیگ کے رہنماؤں کو بروقت
مسلم لیگ کی نعرش | خبردار کیا کہ مسلمانوں کے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمانوں کے نام پر نمائندگی کا حق نہ دیں۔ مرزائیوں

کوٹھٹ دینے کے بعد مسلم لیگ رہنماؤں نے مختلف زاویوں سے اس مسئلہ پر تبادلوں خیال کیا۔ بعض نے قانونی صورت کو ملحوظ رکھا اور یہ کہا کہ جب تک رائے دہندگان کی فہرست میں مرزائیوں کے ووٹ درج ہیں اور مرزائیوں کو علیحدہ اقلیت قرار نہیں دیا جاتا مسلم لیگ کس طرح مرزائیوں پر مسلم لیگ کے دروازے بند کر سکتی ہے۔

بعض نے کہا کہ لیگ کی مجبوریوں کے پیش نظر آپ لیگ کو معذور سمجھیں۔ اور عوام کو صحیح عقیدہ کے مطابق ووٹ استعمال کرتے کی اپیل کریں تاکہ لاکھ بھی نہ ٹوٹے اور سانپ بھی مر جائے۔

لیگ کے بعض ذمہ داروں نے مرزائی امیدواروں سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بہر حال مجلس احرار کی یوزریشن بالکل صاف ہے۔ یہیں اپنی واضح پالیسی کی موجودگی میں کام کرنا ہے۔ مسلم لیگ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان مرزائی سیٹوں پر مجلس احرار کے منہ آئے۔ اگر مسلم لیگ نے دھوکہ کھایا ہے یا مسلم لیگ مرزائیوں کوٹھٹ دینے پر مجبور تھی تو اسے اب مسلمانوں سے نبرہ آزما ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارا راستہ نہ روکے اور مرزائی نشستوں پر انتخابی جنگ میں مسلمانوں اور مرزائیوں کو نیپٹ لینے دے تاکہ مسلم لیگ کے دامن کی آلودگی مٹ جائے اور مجلس احرار خندہ پیشانی سے مسلم لیگ کی ہر ممکن امداد کر سکے۔ مجلس احرار اپنے موقف پر علیٰ حالہ قائم ہے۔ مگر افسوس کہ مسلم لیگ دوراہے پر کھڑی ہے۔

غالباً ہاگست میں جب حکومت نے ضمنی انتخابات کا پہلا اعلان کیا

مرزائی | تو مرزا محمود نے اپنے باوا کی اُمت کے نام انتخابات کے متعلق

ہدایت نامہ شائع کیا جس میں بتایا کہ انہیں کس طریقے پر اور کن امیدواروں کو ووٹ دینا ہے۔ اس پر صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کے ایک رکن نے احتجاج کیا اور صوبہ مسلم لیگ کو مرزا محمود کے اس ڈکٹیٹڈ مشورہ پر مرزائی اراکین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا مشورہ دیا مگر صوبہ مسلم لیگ کے غلط کار رہنماؤں

نے خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر اس جائز مطالبہ کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔
 مرزا محمود نے اسی روز مسلم لیگ سے غداری اور بغاوت کی ٹھان لی تھی۔
 صوبہ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے یا تو مرزائیوں کی جیالازیوں کو سمجھنے کی کوشش
 نہیں کی یا شاید سمجھ لینے کے باوجود نظر انداز کیا۔ نتیجہ کے طور پر آج مرزا محمود
 نے نہایت جالاکئی سے مسلم لیگ کو مضحکہ خیز پوزیشن میں لاکھڑا کیا۔ اب صورت
 یہ ہے کہ چھ مرزائی مسلم لیگ کا ٹکٹ لیکھڑے ہیں اور چار نے مسلم لیگ کے
 خلاف علم بغاوت بلند کر کے مرزا محمود کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کا اعلان کر
 دیا ہے۔ اُمت مرزائیہ یا تو خود احمق ترین مخلوق ہے یا ان مرزیدین نے مسلمانوں
 کو احمق سمجھ رکھا ہے۔ ہم آج پھر مسلم لیگ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مرزا محمود
 سے دریافت تو کرے کہ اُس کی پوزیشن کیا ہے؟ جب تک مرزا محمود اپنی
 پوزیشن واضح نہ کریں، مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ مرزائیوں کو درخور اعتناء
 نہ سمجھیں۔“

(روزنامہ ”آزاد“ لاہور ۳۲ فروری ۱۹۵۱ء)

مرزائیوں کو شکست فاش | تمام کوششوں اور درخواستوں کے باوجود جب اقتدار
 کی طنائیں ڈھیلی نہ ہوئیں اور پنجاب مسلم لیگ اپنے فیصلے
 پر بند رہی تو احرار نے اپنی مذہبی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے لشکرِ منگوت کس لیے۔
 رضا کارانِ احرار اور رہنماؤں نے انتخابی حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شب و روز کی دوڑ
 دھوپ کے نتیجے میں حکومت جاگیر دار اور دوسرے حکومتی حکام کی کوششوں کے باوجود مرزائی اپنی
 نشستوں پر اس بُری طرح ہارسے کہ اکثر کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔

لیاقت علی خان سے ملاقات | اس سال پاکستان کی عمر قریباً پانچ سال تھی۔ مرزائی
 لیڈر اپنے مننے والوں کو تاکید کر رہا تھا کہ تمام
 سرکاری محکموں پر قبضہ کر لو۔ جبکہ علی فوج میں بھی اسی خیال اور طبقہ کے لوگ شریک تھے۔
 جبکہ دجالی گروہ اندر خانے بھارت سے تعلقات استوار کر رہا تھا۔ اس طرح اس گروہ کو

کھلا چھوڑ دینے کو نہ تو رواداری کہا جاسکتا ہے نہ مصلحت۔ احرار رہنماؤں کے نزدیک ایمان اور وطن عزیز کے معاملات میں کوئی مصلحت یا رواداری ایمان کی موت کے برابر تھی۔ دوسری طرف حکومت کی عنان اقتدار اجاگیر دار کے ہاتھوں میں تھی یا انگریز کے خطاب یافتہ لوگوں کے قبضہ میں۔ ان کی سوچ و فکر میں خلوص ہوتا تو اپنے اقتدار کی پرواہ کئے بغیر دجالی ٹٹے کی حرکات پر توجہ دیتے۔

انہیں حالات کے پیش نظر ۱۹۵۱ء کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے پاکستان کے حکمرانوں سے کہا:

”پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی“

مگر انہیں تو ملک منہمت میں بلا تھا۔ سارا کچھ دیکھتے اور جانتے پر بھی چشم پوشی کر رہے تھے۔ جبکہ اندر کا دشمن بار بار کہہ رہا تھا:

”اب سر دھڑکی بازی لگانے کا سوال ہے یا کفر جیتے گا یا ہم مر جائیں گے۔ یا کفر مرے گا یا ہم جیتیں گے۔ درمیان میں اب بات نہیں رہ سکتی“

(خطبہ برائے تحریک جدید۔ مرزا محمود اور وزیر نامہ انجمن اہل حق)

اس کے ساتھ ہی پاکستان کی فوج اور تمام سرکاری محکموں پر قبضہ کی ہدایت کی جا رہی تھی۔ ان ممکنات کے پیش نظر احرار رہنماؤں نے پاکستانی حاکموں کو بار بار مطلع کیا مگر ”زمین جہنم نہ جہنم گل محمد“

حالانکہ حالیہ انتخاب (۱۹۵۱ء) میں دس مرزا بیٹوں کی شکست نے بھی ان کی آنکھیں نہ کھولیں مگر اقتدار کے نشے میں بے خبر جب کچھ نہ سمجھے تو پھر اہتمام حجت کے طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری سمجھا گیا۔

۱۹۵۱ء کے انتخابات کے دنوں پاکستان کے وزیر اعظم لیفٹننٹ علی خان سیالکوٹ کے دورے پر تھے۔ دوسری طرف احرار رہنما قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی اسی علاقہ میں تھے۔ اس موقع پر قاضی صاحب حفیظ رضا پسروری کے ساتھ سیالکوٹ ریلوے اسٹیشن پر لیفٹنٹ علی خان سے اُن کے سیلون میں ملے۔



قاضی احسان احمد شجاع آباد

قاضی صاحب نے تفصیل کے ساتھ وزیراعظم سے گزارش کی کہ یہ شہستیں جن پر مسلم لیگ نے مرزائیوں کو ٹکٹ دیئے ہیں، مسلمانوں کی ہیں۔ جبکہ مرزائی مسلمان نہیں۔



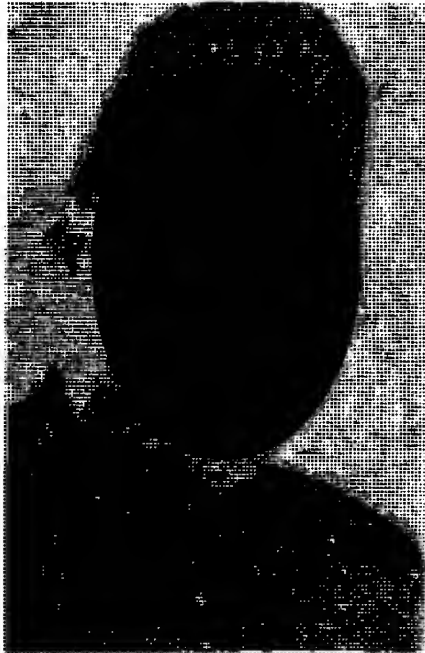
حسین رضا پوری

اس پر وزیراعظم یاقوت علی خان حیران ہوئے۔ اس موقع پر قاضی صاحب نے دجبال اعظم (مرزا غلام احمد) کی تحریر کے چند حوالے پیش کئے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور پہلے سے ہی بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل، غلام احمد کو دیکھے قاریاں میں

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رات کا چاند ہے۔ اور میں (غلام احمد) چودھویں
رات کا چاند ہوں“

یاقوت علی خان نے اس جملے پر پینسل کا نشان لگایا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے غلام احمد



کی وہ تمام تصانیف دکھائیں۔ جس میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرات حبیبی رضوان اللہ اجمعین اور دیگر اہل بیت کے خلاف توہین آمیز کلمات درج تھے۔
 لیاقت علی خان ان تمام عبارات کو انڈر لائن کرتے گئے۔ اور کتب اپنی میز پر رکھوا لیں۔
 قاضی صاحب غلام احمد کی عبارتیں پڑھتے اور روتے رہے۔ لیاقت علی خان کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔

تمام عبارتیں سن کر لیاقت علی خان نے کہا:

”قاضی صاحب بہ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب دعا کریں اللہ تعالیٰ

مجھے اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

لیکن وقت اور موت نے فرصت عودی کہ وہ اپنے وعدے کی وفا کر سکتے۔ ایسا لگتا ہے کہ لیاقت علی خان کے آخری الفاظ مزرائیوں تک پہنچ گئے تھے اور لگتا ہے کہ ان کی شہادت کی سازش میں دجالی گروہ کا ہاتھ ہو؟
 اس موقع پر روزنامہ جنگ ۹ مارچ ۱۹۶۶ء کا یہ تراشہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

لیاقت علی خان کو جرمن قادیانی نے قتل کیا تھا

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو سید اکبر نے نہیں بلکہ ایک جرمن قادیانی کنزے نے قتل کیا تھا اور کنزے کی پرورش قادیانی لیڈر سرفظر اللہ نے کی تھی۔ یہ انکشاف کراچی سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں پاکستان کے سرائیو جیمز سالومن و سنڈ کی یادوں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جیمز سالومن نے لکھا ہے کہ اس جرمن شخص نے عیسائیت ترک کر کے قادیانی مذہب اختیار کیا تھا اور قادیانی گھرانے میں شادی کے بعد وہ پاکستان میں مقیم ہو گیا تھا۔
 جیمز سالومن کے مطابق کنزے آج کل مشرقی برلن میں قیام پذیر ہے کنزے سرفظر اللہ کے بھائی چودھری عبداللہ کے پاس باقاعدگی سے آیا کرتا تھا۔ جو اُس وقت کراچی میں ایڈیشنل سٹوڈین تھے انہوں نے اسے گرفتاری سے پہلے ملک

سے باہر بھیج دیا تھا۔ جب کمپنی باغ راولپنڈی میں کنزے نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو گولی ماری تو پولیس نے جوپوری طرح ملوث تھی اس وقت کے سازشی سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی ہدایت پر سید اکبر کو گولی مار دی۔ اور پھر سید اکبر ہی قاتل کی حیثیت سے مشہور کر دیا گیا۔ حالانکہ سید اکبر تو کیمو فلاج تھا۔ کنزے نے اس وقت پھٹانوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ اور ہماری اطلاعات کے مطابق وہ وزیراعظم لیاقت علی خان کو قتل کرنے کے بعد سید ہار بواہ پہنچا جہاں سے اسے باہر بھیج دیا گیا۔

(بحوالہ روزنامہ جنگ ۹ مارچ ۱۹۸۷ء)

انہی دنوں دیگر پاکستانی حکمرانوں سے بھی قاضی صاحب کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہیں بھی مرزائی لٹریچر اور اندرونی سازش سے آگاہ کیا گیا۔ چودھری محمد علی جو ان دنوں پاکستان کے سیکریٹری جنرل تھے۔ انہیں بھی قادیانیوں کی سازشوں سے آگاہ کیا گیا اور اکھنڈ بھارت کے سلسلے میں بھی مرزائیوں کا نظریہ واضح کیا۔ چودھری صاحب سے یہ ملاقات رات دو بجے تک رہی۔

۱۹۵۲ء

مسلمان اور مرزائی آمنے سامنے سیاست کی لڑائی فریقین دہل اور قریب سے لڑتے ہیں۔ جبکہ مذہب کی جنگ صاف اور واضح عنوان سے لڑی جاتی ہے۔

مرزائیوں سے مسلمانوں کا قضیہ کسی فریب پر مبنی نہیں تھا۔ اول ایمان اور مسئلہ ختم نبوت، دوسرے درجے پر وطن عزیز کا دفاع۔ احرار رہنماؤں نے ماکان وقت کو ۱۹۴۷ء سے تا آن رات کے ہر موڑ پر صاف ستھرے طریق سے سمجھایا کہ تم آستین مار کودو دھپلا رہے ہو۔ یہ کسی نہ کسی وقت تمہیں ڈیس گے۔ مگر انگریز کی سیاست کے پروردہ نے سمجھانے والوں کو اٹا اپنا دشمن سمجھا۔

خواجہ ناظم الدین سے ملاقات | بہ طور وقت کے ساتھ مسلمانوں اور مرزائیوں کے

درمیان کھپاؤ بڑھتا گیا۔ حاکمان وقت دیکھتے اور سنتے ہوئے صرف اپنے اقتدار کی حفاظت میں مصروف رہے۔ تا آنکہ ۱۹۵۲ء کا سال آگیا۔

روشنی جیسے جیسے بھپاتی گئی، دلوں کے اندھیرے دور ہونے لگے۔ وطن عزیز کے لیے دجالی گروہ کے اندر کی میل مزید بکھر کر ابھری۔

بیات علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزیر اعظم کی کرسی سنبھالی۔

بیات علی خان اپنی نجی زندگی میں ایک جاگیر دار تھے، ان کے دامن پر غداری کا کوئی دغ نہیں، نہ وطن عزیز کے خلاف نہ اسلام کے خلاف، لیکن نئے وزیر اعظم کے شجرہ نسب میں ہمیشہ غیر ملکی حکومت کے قلم نے رنگ بھرا۔

۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو حسب دستور قاضی احسان احمد مولانا احتشام الحق تھانوی کی ہمراہی میں خواجہ ناظم الدین سے ملے انہیں دجالی گروہ کا اسلام اور وطن عزیز کے خلاف لٹریچر دکھایا امید تھی کہ خواجہ صاحب کوئی بہتر فیصلہ کریں گے۔ مگر ۱۹ مارچ کو پارلیمنٹ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فقط اتنا کہا کہ:

”مختلف اداروں کے علماء دین نے احمدی فرقے سے متعلق بہت کچھ کہا ہے

اور مطالبات کئے ہیں“ (اور بس)

جولائی ۱۹۵۲ء کے وسط میں روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر اختر علی خان نے خواجہ ناظم الدین سے کلچر میں ملاقات کی (بقول اختر علی خان) خواجہ صاحب سے مرزائیوں کے خلاف علمائے دین کی تحریک کا ذکر کیا تو جواب میں خواجہ صاحب نے جو کچھ کہا انہوں نے ۴ اگست ۱۹۵۲ء کے روزنامہ زمیندار میں اس طرح شائع کیا۔ ملاحظہ ہو:

”خواجہ ناظم الدین سے مطالبات کا ذکر کیا تو میں ان کے منہ کی طرف دیکھنے لگا کہ ان پر اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ جواب میں خواجہ صاحب نے کہا۔

مجھے ملک کے جذبات اور احساسات کا پورا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں لیکن میں انہیں کہوں گا کہ حکومت ان کے جذبات کا پورا پورا احترام کرتی ہے لیکن ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے راستے میں

کچھ آئینی دشواریاں ہیں۔ اُن دشواریوں کو دور کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔
 نیز آپ نے کہا کہ یہ فیصلہ علمائے کرام کی عین مرضی کے مطابق ہوگا۔ میری
 حکومت ۱۴ اگست کو بنیادی حکمت عملی کا اعلان کر دے گی۔ مجھے امید ہے کہ
 یہ وضاحت ملک کی رائے عامہ کو مطمئن کر دے گی۔

مندرجہ بالا بیان کی تردید کرتے ہوئے خواجہ ناظم الدین نے
 مولانا اختر علی خان سے صرف اتنا کہا کہ میں اس مسئلے کے متعلق یوم پاکستان
 مورخہ ۱۴ اگست کو اپنی تقریر میں کچھ بیان کروں گا۔

مولانا اختر علی خان نے کراچی سے واپس آکر، زمیندار مورخہ ۱۴ اگست میں
 جلی قلم سے اعلان شائع کیا کہ قادیانیوں کے متعلق مرکزی پالیسی کا اعلان وزیر اعظم
 صاحب یوم پاکستان پر اپنی تقریر میں کر دیں گے۔ اور یہ اعلان شریعت اور علماء
 کی خواہش کے مطابق ہوگا۔ مولانا نے اس خبر میں یہ غلط بیانی کی کہ انہوں نے
 وزیر اعظم کی خدمت میں تحریک ختم نبوت کے ایک وفد کی قیادت کی تھی۔
 حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ مولانا کسی پریس کانفرنس کے ممبر کی حیثیت سے
 کراچی گئے تھے اور اسی سلسلے میں کانفرنس کے بعض دیگر ممبروں کی معیت میں وزیر اعظم
 سے ملے تھے۔ احمدیوں کے مسئلے کا ذکر صرف ضمنی حیثیت سے ہوا ہے۔

وزیر اعظم سے ملاقات | ۱۳ اگست ۱۹۵۲ء کو ایک وفد وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر
 ہوا جس کے ارکان یہ تھے؛

ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا ابوالحسنات محمد احمد، مولانا فرضی احمد کیش،
 شیخ حسام الدین، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبدالحامد بدایونی۔ اس
 وفد نے ایک تحریری یادداشت پیش کی جس میں احمدیوں کے خلاف شکایات
 درج تھیں اور اُن کے متعلق مندرجہ ذیل مطالبات کئے گئے تھے۔

- ۱۔ احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے۔
- ۲۔ چودھری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں۔

۳۔ احمدیوں کو مملکت کے کلیدی عہدوں سے موقوف کر دیا جائے۔

خواجہ ناظم الدین نے جواب میں کہا کہ وہ اس وقت دوسرے دن کے لیے (جو یوم پاکستان تھا) بعض مصروفیتوں میں الجھے ہوئے ہیں اس لیے اس مسئلے پر گفتگو کے لیے وقت نہیں رکھا جاسکتا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ ارکان وفد اُن سے اُس وقت ملیں جب یوم پاکستان کی مصروفیتوں سے فراغت ہو جائے۔ یوم پاکستان کی تقریریں وزیراعظم نے احمدیوں کے متعلق یا اُن کے خلاف مطالبات کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بلکہ اس کے برعکس اس تقریر میں اختلافاً کی غلط افواہوں کا اشارہ نہ کر کے اُن کی مذمت کی گئی۔ اور اُن اندرونی افتراق انگیز عناصر کا تذکرہ بھی کیا گیا جن کو اگر روکا نہ گیا تو ملک پارہ پارہ ہو جائے گا۔

تاہم اسی دن حکومت نے یہ سرکاری اعلان شائع کیا کہ:

”حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ صوبائی یا مرکزی وزارتوں کا کوئی ممبر اُن اشخاص میں جن کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ کسی فرقہ وارانہ عقیدے کی تبلیغ کے لیے اپنی سرکاری پوزیشن کو استعمال نہ کرے گا۔ ہر گورنر کو ہدایت کی گئی کہ یہ فیصلہ تمام وزیروں تک پہنچا دیں۔ اور حکومت توقع رکھتی ہے کہ آئندہ کوئی وزیر اس قاعدے کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔“

حکومت پاکستان کو اکثر اس امر کی شکایات موصول ہوئی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض افسر جو ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں اور ان دوسرے اشخاص کے درمیان جن کے ساتھ سرکاری حیثیت میں اُن کا واسطہ پڑتا ہے۔ اپنے فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ کے لیے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ حکومت اس معاملے کو سخت نامناسب خیال کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپسندیدہ سرگرمی کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور آئندہ کے لیے اس قابل اعتراض طریقے سے فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ کو

ممنوع قرار دیا جائے۔

گورنمنٹ سروس کا ہڈکٹ رولز (قواعد کردار ملازمان سرکاری) میں اس منشا کے مطابق ترمیم کر دی گئی ہے۔

حکومت اعلان عام کرنا چاہتی ہے کہ جو شخص خواہ وہ کسی بھی فرقے سے متعلق رکھتا ہو اس قاعدے کی خلاف ورزی کرے گا۔ اُس کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔ پاکستان کی صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو بھی اسی قسم کے اقدام کی ہدایت کی گئی ہے۔

چور کی داڑھی میں تنکا (مجرم آپ بول پڑا) | چونکہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ اس اعلان کا روئے سخن چودھری ظفر اللہ خان اور دوسرے احمدی افسروں کی طرف ہے اس لیے چودھری ظفر اللہ خان نے فوراً مندرجہ ذیل بیان اخبارات میں شائع کرایا:

”میں ان تعلیمات اسلامی کے مطابق جو قرآن مجید میں مندرج ہیں اور جن کا نمونہ رسول پاکؐ کی حیات طیبہ میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادی ضمیر پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں میرے خیال میں سرکاری اثر و نفوذ کا استعمال بھی براہ راست و باؤیات شدہ ہی کی مانند آزادی ضمیر میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اسلام نے تو ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قول و فعل سے احکام اسلامی کی تعمیل کا ثبوت دے۔ یہ وہ فرض ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنے دورِ زوال میں افسوسناک غفلت برتی۔ جس کے نتائج ان کی انفرادی اور قومی زندگیوں پر بالکل واضح ہیں۔

خود میرے عقائد میرے جاننے والوں سے (خواہ وہ مجھے شخصاً جانتے ہوں یا میری شہرت کی وجہ سے واقف ہوں) کبھی پوشیدہ نہیں رہے۔ گو پچھلے دنوں بعض حلقوں میں ان کو بگاڑ کر پیش کرنے اور ان کے متعلق غلط بیانی کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئی ہیں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اس امر کو خلافِ دیانت

اور خلاف تعلیمات اسلامی سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ و اختیار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کر کے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے یا اسی قسم کے اثر و رسوخ سے کام لے کر کسی شخص کو اس کے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اس اصول کی وسیع تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس کو مسلمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو مجھے یقیناً بے حد حیرت اور انتہائی اذیت ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک ہمارے محدود وسائل اجازت دیتے ہیں ہمارے خیالات و عقائد کی وسیع تبلیغ کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس فریضے کی بجا آوری میں کیا جاتا ہے جو سب صحیح انخیال لوگوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ جن عقائد کو تہ دل سے صحیح سمجھیں ان کی مسلسل اور مخلصانہ نشر و اشاعت اپنے قول و فعل سے کرتے رہیں تاکہ راستبازی پھیل جائے اور نیکیاں قائم ہو جائیں۔ اگر اس مقصد کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا جس سے جبر اور دباؤ اور ناواقفیت و مسائل کے استعمال کی بوائی ہو تو خود یہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ جس شخص کے منطبق ایسا طریقہ استعمال کیا جائے گا اس کا رد عمل لازماً مخالفانہ ہوگا اور وہ محسوس کرے گا کہ اس کو آزادی اور خوشدلی سے بنیادی صداقتوں کے مطالعہ اور ان پر غور و فحوض کرنے کی دعوت نہیں دی جا رہی ہے بلکہ ایک ایسے عقیدے کے ظاہری قبول پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کو اس کا ضمیر تسلیم نہیں کرتا۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس جماعت کے خلاف بعض حلقے جو عظیم اکثریت ہونے کے دعوے دار ہیں۔ برابر غلط بیانی اور جبر و ظلم میں مصروف ہیں۔ اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیار نہیں کر سکتے۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لیے اتمام، استنزا اور نفرت کا نشانہ بنایا جا

رہا ہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں اور جن پر انہوں نے کبھی عمل بھی نہیں کیا۔
تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے طور طریقوں کو اختیار اور استعمال کرنا شروع
کر دیں گے جو نہ صرف اسلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن سے
ان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ پھر ایسی حالت میں وہ شدید سزا اور شدید
ندامت سے بچنے کی کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔
مجھے امید ہے کہ باشندگان پاکستان کے تمام طبقے اس اعلان کو ہر دم
پیش نظر رکھیں گے اور دین و ایمان کے متعلقہ امور میں سکون و متانت اور
سنجیدگی و رواداری کی فضا قائم کرنے میں معاون ہوں گے۔

جن موضوعات سے انسانی ذہن کا تعلق ہے اور جن کا اثر ذہن قبول کرتا
ہے ان میں بلند ترین موضوعات ایمان و اعتقاد ہیں۔ اس دائرے میں انتہائی
حزم و احتیاط لازمی ہے مبادا اللہ کی نظروں میں ہم اس گناہ کے مرتجب قرار پائیں
کہ ہم نے کسی شخص کو ایسے عقیدے کے اعلان پر مجبور کیا جسے اس کا تمغہ قبول نہیں کرتا
تھا کوئی شخص جو اس قسم کے فعل کا مرتجب ہے وہ وزیر ہو حاکم ہو۔ یا کوئی غیرکاری
فرد ہو حقیقت میں مومنین مخلصین کی نہیں بلکہ منافقین کی جماعت پیدا کرنے کا
خواہاں ہے۔

مجلس عمل کے ارکان جو ۱۳ اگست کو خواجہ ناظم الدین سے
دفتر کی دوبارہ ملاقات

۱۶ اگست کو پھر ملے۔ اس موقع پر سردار
عبدالرب نشتر، مسٹر گورمانی بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ ارکان وفد کے لیے واضح
طور پر دشمن تھا۔ خواجہ ناظم الدین نے کہا:

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ دستور ساز اسمبلی کے دائرہ
اختیار میں نہیں ہے۔ اور میں اس معاملہ میں کسی اقدام پر آمادہ نہیں ہوں۔

خواجہ صاحب نے مزید کہا:

چودھری ظفر اللہ خاں کو خود قائد اعظم نے مقرر کیا تھا۔ اس لیے میں انہیں برطون کرنے کا مجاز نہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ احمدی افسران کو کلیدی عہدوں سے الگ کیا جائے تو اس کے متعلق ارکان وفد کو دلائل و براہین کی مدد سے کہیں تیار کرنا چاہیے۔ اور ربوہ کے متعلق جو شکایات ہیں وہ صوبائی حکومت کے سامنے پیش کرنی چاہئیں۔

جما غیر پارک میں ظفر اللہ کی تقریر | کراچی میں اشتہار لگائے گئے کہ انجمن احمدیہ کراچی کا ایک جلسہ ۱۷، ۱۸، ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء کو جما غیر پارک میں منعقد ہوگا اور اس میں دوسرے مقررین کے علاوہ چودھری ظفر اللہ خاں بھی تقریر کریں گے۔ اگرچہ یہ جلسہ انجمن احمدیہ کے زیر اہتمام ہو رہا تھا۔ لیکن یہ جلسہ عام تھا جس میں جمہور کا کوئی فرد بھی تقریریں سننے کے لیے شریک ہو سکتا تھا۔

اس جلسہ سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم نے اس جلسے کے خلاف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کہ چودھری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ وارانہ جلسہ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چودھری ظفر اللہ خاں نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا۔ لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسے میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیر اعظم اس بات پر مقرر ہوں کہ مجھے جلسہ میں شامل نہ ہونا چاہئے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اس جلسے کے پہلے اجلاس میں عوام کی طرف سے ناراضگی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کارروائی میں مداخلت کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن ۱۸ مئی کو قیام امن کے لیے خاص انتظامات کئے گئے اور چودھری ظفر اللہ خاں نے اس عنوان پر تقریر کی کہ ”اسلام زندہ مذہب ہے“ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور حتمیت کے مسئلے پر یہ ایک فاضلانہ تقریر بھی مقرر نے واضح کیا کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالم انسانیت کے لیے آخری ضابطہ حیات مہیا کیا گیا ہے۔ کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو موقوف نہیں

کر سکتا۔ پیغمبر اسلام صلعم خاتم النبیین ہیں جنہوں نے عالم انسانی کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچایا ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا جو نئی شریعت کا حامل ہو یا فرائض شریعت کے کسی قانون کو منسوخ کر سکے۔ احمدیوں کے مسلک کے متعلق پوری تقریر میں صرف اتنا اشارہ کیا گیا تھا کہ (رسول اللہ کے) وعدے کے مطابق ایسے اشخاص آتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجدید دین پر مامور ہوں گے تاکہ اصل دین اسلام کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح و تجدید کریں اور اگر اس میں کوئی غلطی فروگزاشت یا بدعت راہ پائی ہو تو اس کو دور کر دیں۔ مقرر نے دعویٰ کیا کہ غلام احمد اسی قسم کے مجدد تھے۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اور اب جڑھ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے وعدے کی تعمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو۔ اور اگر یہ پودا اکھیر دیا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا بلکہ ایک سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ اور دوسرے مذاہب پر برتری کے ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔

انجمن احمدیہ کے اس جلسے نے کراچی میں فسادات کو بھوٹ پڑنے کا موقع دیا۔ حکام کو بیشتر اطلاع مل چکی تھی کہ جلسے میں ابتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انتظام قائم رکھنے کی ضروری تدابیر کی جا چکی تھیں۔ ۷ ارمی کو بعض اشخاص نے جلسے میں گڑبڑ پیدا کرنے کی غرض سے حاضری پر پتھر پھینکنے شروع کئے پولیس کے پندرہ کانٹیلوں کو چوڑیں آئیں۔ لیکن صورت حالات پر قابو پایا گیا۔ بلوائی گرفتار کر لیے گئے اور جلسے کی کارروائی شروع رہی۔ بلوائیوں کا ایک گروہ شیران ہوٹل (جس کے مالک احمدی ہیں) پہنچا اس کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور عمارت کو آگ لگا دینے کی کوشش کی۔ شاہنواز موٹرز (جس کے مالک احمدی ہیں) کے شوروم میں اینٹیں برساتی گیٹس جن سے ایک نئی موٹر کو نقصان پہنچا۔ بندر روڈ پر احمدیہ لائبریری اور ایک احمدی کی فرنیچر کی دکان کو آگ لگانے کی کوشش بھی کی گئی۔ اس دن ساٹھ آدمی گرفتار کئے گئے۔

ارکان وفد کے جواب میں خواجہ ناظم الدین کا کہنا کہ ظفر اللہ کو خود قائد اعظم نے مقرر

کیا تھا اس لیے میں انہیں برطرف کرنے کا مجاز نہیں۔ وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے اُن کی یہ بات اصول حکومت کے منافی تھی۔ حکومت شخصیت پرستی پر نہیں اصول پرستی پر ہوتی ہے۔ اگر خواجہ صاحب امور سلطنت سے آشنا ہوتے تو اُن کا یہ جواب مناسب نہیں تھا۔ منابطہ حکمرانی میں اصول کار فرما ہوتے ہیں، شخصیتیں نہیں۔

قائد اعظم نوظفر اللہ کے کفریہ عقائد سے آشنا نہیں تھے۔

عمر گرمی نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا

خواجہ صاحب کو ارکانِ وفد نے دو دفعہ کی ملاقات میں مزائیت کے تمام کفریہ عقائد سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس سے پیشتر ظفر اللہ نے اپنے مذہبی عقائد کی پاسداری کو ملحوظ رکھا۔ یہاں تک کہ بانی پاکستان کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ:

”آپ قائد اعظم کی نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے اور غیر مسلموں

کے ساتھ الگ بیٹھے رہے؟“

جواب میں ظفر اللہ نے کہا:

”آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا

کافر وزیر۔“

علاوہ ازیں سرکاری اعلان کے جواب میں ظفر اللہ نے جس جرأت سے اپنے کفر کا اقرار کیا، قابلِ داد ہے۔ ۱۸، ۱۷ مئی کو جہانگیر پارک (کراچی) میں ظفر اللہ کی تقریر ناظم الدین حکومت کے لیے ایک چیلنج تھا۔ اس کے باوجود خواجہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ قائد اعظم نے ظفر اللہ کو نامزد کیا تھا۔ جبکہ ظفر اللہ کا پیر و مرشد ابنِ دجال نہایت دید دلیری سے اعلان کر رہا ہے:

جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں۔ اُن سے جماعت

پوری طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں میں فوج ہے، پولیس ہے،

ایڈمنسٹریشن، اکاؤنٹس ہے، کسٹمز ہے، انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے

محکمے جن کے ذریعے جماعت اپنے حقوق محفوظ کر سکتی ہے۔ پہلے ہی اس طرح کہا تھا

کہ ہر منٹے میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر طرف ہماری آواز پہنچ سکے۔
(روزنامہ افضل خطبہ مرزا محمود از جنوری ۱۹۵۲ء)
خواجہ صاحب سے مرزا محمود کی یہ باتیں سلطنت کے سنگھاسن پر میٹھے ہوئے کیسے غنی
رہیں؟ (مصنف)

لڑائی میں فریقین اپنے لیے ہر حربہ بھلا کر سمجھتے ہیں۔ تجربہ کار جاسوس
اترار کا جاسوس رتبہ میں | بھی اس میدان کے اہم رکن سمجھے جاتے ہیں۔

مسلمان اور دجالی گروہ کی جنگ گواہی جنگ تھی۔ تاہم اپنی جگہ دونوں ایک دوسرے کو
مات دینے میں مصروف رہتے۔ اترار جو اس لڑائی میں اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے
تھے۔ انہیں فقط تائید ایزدی حاصل تھی۔ دوسری طرف فوج سے انتظامیہ تک، مرزائیوں
کے سانچی اور نگہدار تھے۔ ربوہ دشمنانِ دین کی اہم خفیہ پناہ گاہ تھی۔ سامانِ حرب سمیت
غارتِ ایمانی کا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ اترار تھے کہ اُن کے پاس اپنے دفتر کے سوا کوئی ٹھکانہ
نہیں تھا۔ دشمن بے دھڑک آتا اور اپنی مرضی کے راز معلوم کر کے چلا جاتا۔
عمرِ ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے

گوجرانوالہ سے ایک بڑھئی کے لڑکے مرزا عبد الغنی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ
اترار کا جاسوس بن کر مرزائیوں میں شامل ہو گیا۔ دجالی اس کے مرزائی ہونے پر بے حد خوش
ہوئے۔ قبل ازیں مرزا عبد الغنی گوجرانوالہ اترار کارکنوں میں شامل تھے۔ جب انہوں نے مرزائی
ہونے کا اعلان کیا تو مقامی مرزائی بہت خوش ہوئے۔ ادھر مقامی مرزائیوں کی ہر روز کی کارروائی
اترار کے پاس پہنچنے لگی۔

اُن دنوں دونوں طرف سے اشتہار بازی زوروں پر تھی۔ اترار کارکنوں کو اطلاع مل
جاتی کہ آج رات مرزائی فلاں محلہ یا علاقہ میں اپنے اشتہار لگائیں گے۔ اترار رضا کار پہلے
سے وہاں جا کر چھپ جاتے۔ جیسے ہی مرزائی اشتہار لگانے آتے اُن کے اشتہار پھاڑ دیتے
اور خوب پٹائی کرتے۔ اس میں خصوصیت سے مرزا عبد الغنی کی خوب پٹائی کی جاتی۔ اور
وہ خاصے زخمی ہوتے یہ سلسلہ ہفتوں جاری رہا۔

اس پر مرزائیوں کو احرار کے جاسوس پر رتی بھر شبہ نہ رہا۔ وہ اس پر مکمل اعتماد کرنے لگے۔ دشمن کی ہر روز کی خبریں احرار تک پہنچتی۔ مرزائی خود پریشان تھے کہ ایسا کیسے ہو رہا ہے۔ جو منصوبے ہم سوچتے ہیں وہ عمل سے پیشتر احرار تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے اشتہار پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ آدمی لہو لہان ہوتے ہیں۔ اٹلی یہ ماجرا کیا ہے؟

اس پر مرزا عبدالغنی نے مقامی مرزائیوں سے درخواست کی کہ:

”احرار کا رکن بُری طرح میرے دشمن ہو رہے ہیں۔ ڈر ہے کہیں مجھے قتل نہ کر دیں۔ اس لیے آپ مجھے ربوہ بھیج دیں۔“

چونکہ دجالی گروہ احرار کے جاسوس سے اپنے طور پر پوری طرح مطمئن تھا انہوں نے ربوہ کی دجالی انتظامیہ سے درخواست کی کہ مرزا عبدالغنی کو ربوہ آنے کی اجازت دی جائے۔ ہم اس سے مطمئن ہیں۔ اس پر احرار کا جاسوس ربوہ پہنچ گیا۔ بڑے اہتمام سے انہیں جمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔

مرزائیوں کو شبہ تھا کہ احرار مرزائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرانے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔ مرزا عبدالغنی سے وہ اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ اس کے جواب میں مرزا عبدالغنی نے کہا۔

”سنا تو ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ فوجانوں کو اس کے لیے تیار کر

رہے ہیں اور ربوہ پر بھی حملہ کی تیاریوں کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

اس پر دجالی گروہ کی مزید ہواسر کی۔ حالانکہ احرار کا ایسا کوئی پروگرام یا ارادہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی احرار لاقرائی الدین کے مطابق تشدد کے قائل تھے۔ مگر ایک دفعہ تو دشمن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہوں نے احرار کے جاسوس سے یہ اہم راز معلوم کر لیا۔ اس پر احرار کے جاسوس کو بہت احترام ملا اور وہ ان کے نزدیک تر ہو گئے۔

تحریک ختم نبوت اور احرار ایجنیشن کا سامنا کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ دجالی مجلس شوریٰ میں ہر روز اس پر بحث رہتی۔ ابن دجالی کی کسی نہ کسی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا جاتا۔ مرزا عبدالغنی شوریٰ کا ممبر نہ ہونے پر بھی یہ فیصلہ بطور حاصل کر لیتا اور رات بارہ بجے کے بعد چپکے سے

دریائے چناب کا پل عبور کر کے سرگودھا سے لاہور جانے والی بس میں بیٹھ کر لاہور دفتر احرام میں پہنچ جاتا۔

ماسٹر تاج الدین انصاری روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر اور تحریک کے نگران تھے۔ مرزا عبدالغنی تمام کارروائی اُن کے حوالے کر کے فوراً واپس سرگودھا جانے والی لاری کے ذریعے طلوع آفتاب سے پہلے ربوہ پہنچ جاتا۔ ربوہ کی شوروی کی تمام کارروائی دوسرے دن کے آزاد میں من و عن شائع ہو جاتی۔

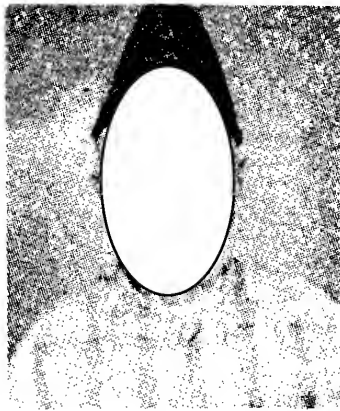
اس پر دجالی ٹولہ کے ساتھ حکومت پنجاب کی سی آئی ڈی بھی پریشان تھی کہ یہ سب کیا ہے۔ یہاں تک کہ پنجاب پولیس کے ایس پی میاں انور علی نے ایک دن ماسٹر تاج الدین کو اپنے دفتر میں طلب کر کے یہ معلومات حاصل کرنا چاہیں۔

ماسٹر جی! آپ تک یہ خبریں کیسے پہنچ رہی ہیں۔

ماسٹر جی! میاں صاحب! اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔ خود مجھے بھی علم نہیں۔ البتہ انشا معلوم ہے کہ میری میز پر یہ تمام رپورٹ میرے پہنچنے سے پہلے موجود ہوتی ہے۔



مرزا عبدالغنی



مرزا عبدالغنی - آج کل

ایس پی : ایسے شخص کو تو ہمارے حکم میں ہونا چاہئے۔ حالانکہ ربوہ میں ہماری سی آئی ڈی بھی موجود ہے لیکن انہیں یہ خبر نہیں۔ آپ کا نامہ نگار تو وہاں ہوگا۔
ماسٹر جی : جماعت نے اخبار آزاد کی طرف سے ربوہ میں قی الحال کوئی تائیدہ مقرر نہیں کیا۔
اگر ہوتا بھی تو یہ صحافتی دیانت کے خلاف ہے کہ میں اُس کی نشاندہی کروں۔
ماسٹر جی کے آخری فقرے سے پولیس آفیسر کو یقین ہو گیا کہ کوئی مقصد ہے۔ بہر حال تحقیقات میں وہ ناکام رہا۔

ہوایوں کہ ایک روز ظفر اللہ کی طرف سے کوئی خفیہ چٹھی ربوہ پہنچی۔
ربوہ سے فرار | اسے دجالی گروہ کی طرف سے مرزائی گروہ میں بطور سرکلر تقسیم ہونا تھا۔
اس کی مزید کاپیاں کرنے کے لیے یہ چٹھی مہمان خلیفہ پہنچی۔ جہاں سے یہ چٹھی مرزا عبدالغنی کے ہاتھ آگئی۔ یہ اسے لے اڑے۔ ان کے بعد چٹھی کی تلاش شروع ہوئی۔ چونکہ عبدالغنی کی رہائش مہمان خانہ میں تھی اور وہ یہاں سے غائب تھا۔ دجالیوں کو یقین ہو گیا کہ چٹھی کا چور اہلکار کا وہی جاسوس مرزا عبدالغنی ہی ہو سکتا ہے جو مرزائی بن کر ہمارے درمیان چھپا رہا۔

مرزا عبدالغنی کا بیان ہے کہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ چٹھی گم ہو جانے پر مرزائی میرا تعاقب کریں گے لہذا چٹھی پھاڑ کر دریا میں پھینک دی کہ پکڑے جانے پر چٹھی برآمد نہ ہو اور اس جرم

سے بری ہو جاؤں۔ لہذا میں کسی طرح چھپے چھپائے جیوٹ پہنچ کر وہاں سے لاہور آ گیا۔
شہری اعزاز | وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا
 جو کوئی بھلائی (محنت) کرتا ہے پس ہرگز اُس کی نافرمانی نہیں کی جائے گی گویا
 اُس کی محنت ضائع نہیں کی جائے گی۔

مرزا عبد الغنی کی مذکورہ حرکات یا کفر گڑھ (ربوہ) میں رہ کر دشمنانِ ختم نبوت کے گندے
 ارادوں کی خبر گیری کرنے کا مخصوص حلقے کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ مگر گوجرانوالہ پہنچنے پر
 راز کھلا۔ جس پر دوستوں نے اُن کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ نیز آئندہ میونسپل کمیٹی کے انتخاب
 میں انہیں میونسپل کمنشنر بنا دیا۔

”جب کوئی ایک قدم ہماری طرف آتا ہے۔ ہم سو قدم اُس کی طرف
 بڑھتے ہیں۔“ (ارشاد باری تعالیٰ)

تحریک ختم نبوت کے دوران واقعہ ہذا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خیر۔
 ظفر اللہ کی بات چل رہی تھی۔

فر د جرم | جہانگیر پارک کی تقریر کے بعد وزیر اعظم کے واضح اعلان پر سر ظفر اللہ نے جو بیانیہ
 دیا۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں تھی کہ دجالی گروہ کے اس برطانوی مخبر کو پاکستان
 ایسی اسلامی مملکت کا وزیر خارجہ رہنے دیا جاتا۔ بلکہ اس پر مقدمہ قائم کرنا چاہئے تھا کیونکہ
 پاکستان ہی میں نہیں دُجر اسلامی ممالک میں بھی اس کی اسلام اور وطن دشمنی کی فہرست استعد
 طویل ہے کہ یہ شخص دار کے قابل تھا۔ چند اہم قداروں کی نشاندہی ملاحظہ ہو۔

۱۔ ۱۹۴۷ء میں حکومت پاکستان نے عربوں کی امداد کے لیے اپنے وزیر خارجہ ظفر اللہ کو
 اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھیجا۔ جب یہ وہاں سے فارغ ہوا تو انہیں دنوں ۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو
 امریکہ سے عرب ڈیپلیکیشن نے امام جماعت احمدیہ کو شکریہ کا تار ارسال کیا۔
 نیز درخواست کی کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے لیڈر چودھری ظفر اللہ کو مسئلہ
 فلسطین کے تصفیے تک یہیں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔

”اس سے ہمیں بے حد اطمینان ہوا ہے اور امید ہے کہ اس سے عربوں

کے مطالبے کو بے حد تقویت ہوگی۔“ (اخبار الفضل ۸ نومبر ۱۹۴۷ء)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظفر اللہ حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا۔ اس کی کارکردگی سے اگر مسئلہ فلسطین کو تقویت پہنچتی ہے تو اس کے لیے شکریے کا تار حکومت پاکستان کو آنا چاہئے تھا نہ کہ ابنِ دجال مرزا بشیر الدین محمود کو؟ اگر عرب ڈیلیگیشن کا ارادہ کہ ظفر اللہ مزید کچھ دن اقوام متحدہ میں عربوں کی نمائندگی کرے تو حکومت پاکستان سے اجازت لینی چاہئے تھی نہ کہ بشیر الدین محمود سے۔ ظفر اللہ کی اس حرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظفر اللہ نے عرب ڈیلیگیشن کو یقین دلایا تھا کہ وہ حکومت پاکستان کی طرف سے نہیں بلکہ اپنے لیڈر بشیر الدین محمود کی طرف سے یہاں آیا ہے اور اُس کی اجازت سے ہی یہاں رُک سکتا ہے۔

۲۔ اس واقعہ سے کچھ دنوں بعد اخبار الفضل میں یہ خبر شائع ہوئی کہ چودھری ظفر اللہ نے واشنگٹن سے اطلاع دی ہے کہ:

”ٹرومین صدر امریکہ کے محل کے قریب احمدیہ عمارت کے لیے زمین خرید لی گئی ہے۔“

۳۔ مندرجہ بالا واقعات کے باوجود (سیٹھ ڈالیا) کے اخبار میں جس کا ایڈیٹر مرزائی تھا کے حوالے سے پاکستان پارلیمنٹ میں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”ہندوستان ہمارے وزیر خارجہ کی بڑی تعریف کر رہا ہے۔“

۴۔ لاہور کا ہفت روزہ ”ایشیا“ اپنی ۱۹ اگست ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

”سر ظفر اللہ کی انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تقریباً چالیس لاکھ

میں تادیانیوں کے ایک سو چھتیس^{۳۶} مشن کام کر رہے ہیں۔ ان میں ایک اسرائیل بھی ہے اس کے علاوہ مرزائیوں کے مختلف ممالک سے اس وقت چوبیس اخبارات اور رسائل بھی شائع ہو رہے ہیں اور شاؤن کے قریب مدارس کام کر رہے ہیں۔“

۵۔ نطفہ اللہ نے وزارت خارجہ کے کام کو جس طرح چلایا۔ اس کا اندازہ ذیل کی دو خبروں سے کیجئے۔

۱۔ پاکستان کے وزیر خارجہ کی طرف سے پبلک سروس کمیشن کے صدر مسٹر شاہ سہروردی آج کل انگلستان میں اُن امیدواروں سے انٹرویو لے رہے ہیں جو ہمارے سفارت خانوں میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خبر پاکستان پہنچی تو یہاں کے اخبارات اور عوام نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا، لیکن حکومت پاکستان نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اسی دوران انکشاف ہوا کہ

ہمارے محکمہ خارجہ کے جوائنٹ سیکرٹری یہودی ہیں اور اس وجہ سے محکمہ خارجہ کے اسی فیصد ملازمین غیر ملکی خصوصاً انگریز ہیں، ایک انگریز محاصر کی اطلاع کے مطابق یہودی جوائنٹ سیکرٹری

مکزیک کو مین تعین سے پہلے پنجاب ہائی کورٹ کا رجسٹرار تھا۔ یہ اپنے عہدے کے لحاظ سے ناموزوں تھا لہذا اس کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا تھا، لیکن تعینات ملک کے بعد یہ وزارت خارجہ کا جوائنٹ سیکرٹری بن گیا، چونکہ ماتحت افسران نا تجربہ کار تھے اس لئے وزارت خارجہ کا سب سے زیادہ قابل اعتماد آفیسر ہی خیال کیا جانے لگا۔

جب فلسطین میں یہودی عربوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے اس وقت پاکستان کی وزارت خارجہ کا یہ قابل اعتماد آفیسر

اسرائیل میں چھٹیاں منارہا تھا۔

”مجارہین“ بحوالہ کوثر، ۲ دسمبر ۱۹۴۹ء

اس خبر کے ساتھ یہ انکشاف بھی ملاحظہ ہو۔

”ہمارے مصری سفارت خانے کے سٹاف میں دو نوجوان یہودی لڑکیوں کو ملازم رکھا گیا جس سے مصری عوام اور عربی اخبارات پاکستان سے بہت ناراض ہو گئے، ان سے پہلے مصر میں پاکستانی سفیر کا پرلپٹا بھی یہودی تھا۔“

ہماری وزارت خارجہ کا پہلا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پاکستان کے خارجی معاملات میں یہودی اثر و نفوذ کی بنیاد رکھی جس کے نتیجے میں عرب ممالک کو پاکستان سے ناراض کر دیا۔ اسی طرح سرخضر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے جنرل غرب الہند کا دورہ کیا اور اس دور میں ٹرینداد میں مرزا صاحب کا آخر الزمان نبی کی حیثیت سے تعارف کرایا۔

پندرہ روزہ الخیر ۱۲ جولائی ۱۹۶۷ء

”بلٹز“ اپنے نامہ نگار کے حوالے سے ۱۵ ارمی کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

سرخضر اللہ کا استعفیٰ

”پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سرخضر اللہ نے ۲ جنوری کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا تھا، مگر ابھی تک منظور نہیں ہوا۔ سٹریلیاقت علی اسے منظور کر لینا چاہتے تھے، لیکن خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کی مداخلت پر یہ طے پایا کہ سٹریلیاقت علی کی لندن سے واپسی پر مصالحت کی کوشش کی جائے گی۔“

روزنامہ ”دیر بھارت“ ۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔
 مسٹر لیاقت علی اور چودھری ظفر اللہ میں کشمیر کے سوال پر شدید
 اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔“

انہیں دنوں کے ”زمیندار“ نے اپنے نامہ نگار مقیم کراچی کے حوالہ سے یہ خبر شائع
 کی کہ :

”مسٹر لیاقت علی خان کی لندن سے واپسی پر وزارت خارجہ میں کوئی
 اہم تبدیلی ہونے والی ہے۔“

نوٹ : قارئین کو یاد ہو گا کہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے بیاکوٹ
 ریوے ایٹیشن پر ملاقات کے دوران لیاقت علی نے کہا تھا کہ
 ”قاضی صاحب! آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا میرے لئے
 دعا کریں کہ میں اپنا فرض ادا کر سکوں۔“
 اس کے بعد قارئین ”دیر بھارت“ اور ”زمیندار“ کی خبروں کو دوبارہ
 پڑھیں۔

۱۔ ”مسٹر لیاقت علی خان اور چودھری ظفر اللہ میں کشمیر کے سوال پر
 شدید اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔“

۲۔ ”مسٹر لیاقت علی خان کی لندن سے واپسی پر وزارت خارجہ
 میں کوئی اہم تبدیلی ہونے والی ہے۔“

ممکن ہے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کی شہادت انہیں
 دو خبروں میں پوشیدہ ہو؟

ان دنوں کے اخبارات میں ظفر اللہ خان سے متعلق مختلف کارٹون شائع ہوئے
روزنامہ "آزاد" لاہور کا یہ کارٹون انہیں دنوں کی یادگار ہے۔



شخصیت جس قدر بڑی ہوگی، اس سے غلطی کا
امکان اُسی قدر بڑا ہوگا۔ بات مذہب کی ہو کہ
سیاست کی۔ دونوں کی سوچ و منکر میں تضاد
کا ہونا لازم ہے۔

بانی پاکستان
مگر وہ بُرا نہ مانیں

مجھے تو پسند ہے مجنوں کو سیلے

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

مذہب اپنے تشخص میں نرمی کا قائل نہیں اور نہ وہ اس کی اجازت دیتا
ہے۔ اس کے اصول اس قدر جامد اور غیر متزلزل ہیں کہ پیغمبر کو بھی ترمیم کا حق
نہیں۔

لاریب بانی پاکستان مغربی آئین اور سیاست کی اچھی بھلی بوجھ بوجھ رکھتے تھے
اُن کی ابتدائی زندگی کا اکثر وقت یورپین معاشرے کے درمیان رہن سہن میں
گزارا۔ خانگی زندگی میں وہ آغا خانی مذہب سے متعلق تھے۔ اسلام بنیادی طور پر
اس مذہب کے اصولوں سے اختلاف کرتا ہے۔ بنا بریں مسٹر محمد علی جناح (قائد اعظم)
اگر کسی وقت اسلام کے معاملات میں دخیل ہوں تو اُن پر کوئی الزام نہیں آتا جیسے کہ
روزنامہ پاکستان لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں ایک خبر اس طرح درج
کرتا ہے۔

لندن (انٹرنیشنل ڈیلیک) سنڈے ٹائمز نے بیسویں صدی کی
ایک ہزار بین الاقوامی شخصیات کا مختصر تعارف پیش کرنے کا سلسلہ
شروع کیا ہے۔ ان شخصیات میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح
کا بھی مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے کہ محمد علی جناح نے برصغیر میں ہندوؤں
سے علیحدہ مسلمان قوم کو آئینی حیثیت دی وہ اس دور کی ممتاز شخصیت
تھے۔ ان کا طرز زندگی مغربی تھا اور انہوں نے ایک غیر مسلم عورت سے
شادی کی وہ قانون دان تھے اور وہ ۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں

شامل ہوتے۔

۱۸ جولائی ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں روزنامہ مشرق ”قائد اعظم کے ارشاد کے عنوان پر لکھتا ہے۔ قائد اعظم کا کہنا ہے۔

”مستی، شیعہ، یمن، بوہرے سبھی مسلمان ہیں، ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن کو ماننے والے ہیں، اتحاد بین المسلمین کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے“

اگر بانی پاکستان مذہب کے اصولوں سے آشنا ہوتے تو مذکورہ بالا بات کہنے سے اجتناب کرتے۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن | بات دور نکل گئی لیکن منزل پر پہنچنے کے لئے بعض موڑ کاٹنے پڑتے ہیں۔ جہانگیر پارک کے جلسہ میں ظفر اللہ کی تقریر سے تحریک کارنخ بدلتا پڑا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جیسی ملازم کو مجسّم قرار دینے سے پہلے اُسے فردِ مرہم سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ انصاف میں دقت نہ ہو۔

جہانگیر پارک کا اجتماع ہی بنائے فساد ہوا جس نے آگے چل کر تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کو جنم دیا اگر ظفر اللہ وزیر اعظم کے منع کرنے پر انجمن احمدیہ کے جلسہ پر نہ جاتا تو ممکن ہے بات اس حد تک نہ بڑھتی لیکن جب نیتوں میں فتور ہو تو جگنو کی چمک بھی آگ کا آلاؤنہ کھاتی دینے لگتی ہے۔

وزیر خارجہ کی اس جسارت پر علمائے دین کے خدشات بڑھے۔ دوسری طرف حکومت کے تیور بدلے، چنانچہ حکومت پنجاب نے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے نام حسب ذیل حکم جاری کیا۔

”اعمراریوں اور احمدیوں کے جلسوں پر پورا قابو رکھیں، اس سے ممکن ہے کہ حسب منشا نتیجہ نکلے اور بد نظمی کی قوتیں کھلی جائیں۔ لیکن اگر یہ کوشش بھی ناکام رہے تو ضروری ہوگا کہ سرٹوٹ فٹم کے

اقدامات کئے جائیں۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۹)



ہوم سیکرٹری نے بھی امید ظاہر کی کہ،
 ”حکومت نے پچھلے دنوں اپنے جس فیصلے سے ڈسٹرکٹ
 مجسٹریٹوں کو مطلع کیا ہے اس سے صورت حال بہتر ہو جائے گی
 لیکن اگر نہ ہوتی تو زیادہ شدید تدابیر اختیار کرنی ہونگی۔
 (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۷)



مرکزی حکومت نے کراچی کے واقعات پر غور کیا اور انٹیلی جنس بیورو نے اپنی
 چھٹی نمبر ۲۵/۵۲/۵۲ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء میں ڈی آئی جی سی آئی ڈی
 پنجاب لاہور کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ

”واقعات کی رفتار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصراری برابر احمدیوں
 کے خلاف دشمنی اور عداوت کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں اور
 ۱۷، ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو احمدیوں کے سالانہ جلسے میں فساد پیدا کرنے
 والے گروہ پر جو لاٹھی چارج کیا گیا اس سے اصراریوں کے
 احساسات اور بھی زیادہ شدید ہو سکتے ہیں۔ اُس چھٹی میں یہ
 بھی لکھا تھا کہ یہ نئے حالات کسی اعتبار سے بھی تسلی بخش نہیں
 ہیں شعلوں کو ہوا دینے والے اشخاص کی سرگرمیوں کو رد کرنے کیلئے
 خاص تدبیر کی ضرورت ہے اور ایسی سرگرمیاں واضح طور پر دفعہ
 ۱۵۳- ایف تعزیرات پاکستان کے تحت آتی ہیں۔

اس چھٹی کے جواب میں چیف سیکرٹری حکومت پنجاب نے اپنی چھٹی مورخہ
 ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو وزارت داخلہ کو اطلاع دی کہ
 ”حکومت پنجاب نے گشتی مراسلات نمبر ۵۵۵۵/۸۴-۶۴۶۹ مورخہ

۵ جون ۱۹۵۲ء کے ذریعے سے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو ہدایت کر دی ہے کہ ان تمام جلسوں کو ممنوع قرار دیں جو اصراریوں یا احمادیوں کی طرف سے منعقد کئے جائیں۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۷۹)

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے فوراً علیحدہ کر کے گرفتار کر لیا جاتا اور اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جاتا کہ اس نے وزیر اعظم پاکستان کی حکم عدولی کی مٹی مگر اٹا پنجاب اور مرکزی حکومتوں نے علمائے دین کو دھکیا دینا شروع کر دیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے علمائے فیصلہ کیا کہ

۱۔ یا اپنا گریبان چاک یا دامن یزداں چاک

۲۔ جن کو مختلف مکاتب خمالہ کے علمائے اکابر اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں احمادیوں کے خلاف مطالبات مرتب کئے گئے اور علمائے اکابر بورڈ مقرر کیا گیا، ۱۵ اگست کو اس بورڈ کا ایک اجلاس ہوا جس میں خاص دعوت پر شیخ حسام الدین، مولانا ابوالحنات سید محمد احمد، اسد تاج الدین انصاری اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکیش بھی شریک ہوئے۔

بورڈ نے فیصلہ کیا کہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن ۱۵-۱۶ اکتوبر کو منعقد کی جائے، اس اجلاس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے کی اور حسب ذیل مطالبات مرتب کئے۔

۱۔ احمادی غیر مسلم اقلیت قرار دیتے جائیں۔

۲۔ چودھری ظفر اللہ کو وزیر خارجہ کے عہدہ سے الگ کر دیا جائے،

۳۔ احمادیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے فوراً ہٹا دیا جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا جائے۔

مسلم پارٹیز کا اجلاس | حکام پاکستان کی ناعاقبت اندیشی کے باعث واقعات جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے، علمائے دین

اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ کے مواقع پیدا ہوتے چلے گئے۔ دجالی قوتیں دامنِ شیطنت سے اس آگ کو مزید ہوا دیتی رہتی تھیں، اگر اقتدار کے وارث سیاسی سوجھ بوجھ کے مالک ہوتے تو جہانگیر پارک کے افسانوی کردار کو اس قدر اہمیت نہ دیتے لیکن مسلم لیگ کے حکمران طبقہ نے جو محض جاگیرداروں کے زیر اثر تھایا سے نا آشنائی کے باعث اپنے گلے ڈال لیا تھا۔

سیاست دان اگر دور رس نگاہوں سے دیکھیں تو ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں پیش آنے والے واقعات نے پاکستان کو از سر نو مغربی سیاست دانوں کے گھیراؤ میں دے دیا۔ یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی سزا ہے۔ ایک طرف حکمران اگر اپنے ذاتی وقار کو سنبھالا دیتے رہے تھے تو وارث الانبیاء دوسری طرف عقیدہ ختم نبوت کا دفاع کرنے پر غور کر رہے تھے، چنانچہ کراچی کے فیصلے پر ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں مسلم پارٹیز کا اجلاس طلب کر لیا گیا تاکہ حکام کے ردیے کو دیکھتے ہوئے کوئی لائحہ عمل مرتب کیا جائے اس کانفرنس کا دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزار دی کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اس پر حسب ذیل حضرات کے دستخط تھے۔

۱۔ مولانا غلام محمد ترمذی صدر جمعیتہ العلماء پاکستان پنجاب لاہور (۱) مولانا مفتی محمد حسن صدر جمعیتہ العلماء اسلام پنجاب لاہور (۲) مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین لاہور (۴) مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس احرار پنجاب ملتان (۵) مولانا سید محمد داؤد غزنوی



مولانا غلام غوث ہزار دی

صدر جمعیت اہل حدیث پنجاب لاہور (۶) مولانا سید نور الحسن بخاری ناظم اعلیٰ انجمن اہلسنت والجماعت پاکستان لاہور (۷) سید مظفر علی شمسی ایڈیٹر اخبار شمسید سابق جنرل سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور اگرچہ اس دعوت کے دستخط کنندوں میں سے صرف ایک شخص مولوی محمد علی جالندھری نے اپنے آپ کو ناظم اعلیٰ مجلس احرار بتایا ہے۔ لیکن مولانا اختر علی خاں کی شہادت سے ظاہر ہے کہ داعی کمیٹی میں جس نے دعوت نامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا احراریوں کی غالب اکثریت تھی اور غلام غوث ہزار دی جس نے دعوت نامہ جاری کیا وہی شخص معلوم ہوتا ہے جو جماعت احرار کا سرگرم رکن تھا، اور جس کو گورنر پنجاب نے اس کی سرگرمیوں پر تنبیہ کی تھی، احرار اور مجلس عمل دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے تحریری بیانات میں اس طریقے کی تفصیل نہیں بیان کی جس سے داعی کمیٹی مرتب کی گئی نہ یہ بتایا ہے کہ اس کنونشن کے مدعوین کے ناموں کا فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن مسٹر انور علی ڈی آئی جی سی آئی ڈی نے سی آئی ڈی کے کاغذات سے معلومات حاصل کر کے ”مجلس احرار پاکستان“ کے نام سے جو کتابچہ مرتب کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت نامے کوئی ساٹھ علمائے دین کے نام جاری کئے گئے تھے اور کنونشن میں دوسروں کے علاوہ کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید سلیمان ندوی بھی شامل ہوتے تھے۔

محاذ آرائی | بساط کا کھلاڑی ہو یا میدان کارزار کا، سیاسی محاذ آرائی میں دونوں کی سوتھ حریف کو شکست دینے میں برابر ہوتی ہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنما عوام کو اپنی رائے پر اتفاق کیلئے سرگرم تھے، قریب قریب، شہر شہر گھوم پھیر کر اپنا موقف واضح کر رہے تھے، جلسوں جلسے اور اس طرح مسجدوں اور خانقاہوں میں تحفظ ختم نبوت کی تحریک چل نکلی، صحافیوں کے قلم اخبارات کے صفحات پر اس موضوع

کوعوام میں نشر کرنے لگے۔

تحریک جوں جوں زور پکڑتی گئی حکومت کا اندرونی نظام متزلزل ہوتا چلا گیا، اگر انگریز ہوتا تو اپنی حکمت عملی ہے اس طوفان پر قابو پالیتا، مگر پاکستان کے حکمران انگریز کے ملازم تھے، انہیں تو صرف اور صرف سلوٹ مارنا ہی سکھایا گیا تھا اور بس۔ رعایا کے احساسات اور جذبات سمجھنے کی بجائے۔ یہ لوگ اپنے ہی گریبانوں کی دھجیاں اڑانے لگے، یعنی اس موقع کو غنیمت جان کر پنجاب کے ذریعہ اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے اس لڑائی کو مرکزی حکومت کی لڑائی قرار دے کر اپنا بیچا چھڑا لیا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت کے مذکورہ مطالبات کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا مگر صوبائی حکومت اس سے جدا کیسے رہ سکتی تھی۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے عوام کی مرکزی حکومت کے خلاف ہمہ اقسام کی آئینی اور غیر آئینی حرکات سسٹا نکھیں بند کر لیں تاکہ لڑائی وزیراعظم پاکستان کے ذمہ لگے اور وہی اس کی زد میں آئیں۔ اندھا یہ تمام ڈرامہ مرکزی حکومت کے خلاف تھا۔ اس سلسلے میں پنجاب کے ڈی آئی جی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس غرض سے وہ مرکزی حکومت کو اصرار کے خلاف مسلسل اگسا رہے تھے چنانچہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۵۲ء کو مٹرالوہی ڈی آئی جی، سی آئی ڈی نے یہ کیس حکومت کو بغرض اطلاع ارسال کیا اور لکھا کہ چیف فسر صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ کراچی سے واپسی پر اس مسئلے کے متعلق گفتگو کریں گے کہ فرقہ بندی کے متعلق جنگجو یا نہ تقریریں کرنے والوں کے متعلق کیا اقدام کیا جائے جیسے کہ شجاع آباد ضلع ملتان میں ۱۹-۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء کو ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی، اس موقع پر اہم مقررین یہ تھے مولوی محمد علی جالندھری، مرزا غلام نبی جانبار، شیخ حسام الدین، مولوی غلام غوث سرحدی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور سید عطا اللہ شاہ بخاری۔

مولوی غلام غوث نے اپنی تقریر میں کہا کہ

مرزا غلام احمد عورتوں سے ٹانگیں دلوایا کرتے، ان عورتوں میں سے ایک کا نام بھانوتھا۔ مرزا انگی عورتوں کو دیکھنے کے بہت مشتاق اور یہ تو اس کا بیٹا (مرزا البشر الدین محمود احمد) بھی تسلیم کر چکا ہے کہ وہ شراب پیا کرتا تھا۔ مولوی محمد علی جالندھری نے مرزا غلام احمد کو آٹو کا پٹھا بتایا اور کہا کہ خواجه ناظم الدین کی ماں اپنے آپ کو خمس شصت سمجھ سکتی ہے کہ اس کا بیٹا وزیر اعظم بن گیا لیکن ملک بدست ہے کیونکہ وزیر اعظم امور و معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے یہاں پھر ملک و کٹوریہ کے متعلق اشارات کئے۔ یہ کیس مسٹر انور علی کے پاس پہنچا تو انہوں نے ۸ دسمبر ۱۹۵۲ء کو اس پر مندرجہ ذیل یادداشت لکھی۔

(۱) میں ایک دفعہ پہلے بھی حکومت کے علم میں لا چکا ہوں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے ملک و کٹوریہ کے خلاف ناشائستہ اور بدتمیزانہ باتیں کیں، اب شجاع آباد میں بھی اس نے ملک و کٹوریہ کے متعلق فحش اور مکروہ اشارات کئے ہیں۔

(۲) محمد علی جالندھری یہاں تک پہنچ گئے کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے بانی کو آٹو کا پٹھا کہہ دیا۔ اگر احمدی ایسی باتوں پر برہم ہوں اور جوش میں آجائیں تو کیا ہم انہیں الزام دے سکتے ہیں؟ اگر وہ غصے میں جی بھر کر کچھ کہہ بیٹھیں تو احراری احمدیوں کی آزاد رسائی میں اور بھی زیادہ شدت اختیار کر لیں گے۔ اس ایک واقعہ سے مزید تلخی پیدا ہوگی اور یہ چکر کبھی ختم نہ ہوگا۔

(۳) حکومت ایک دفعہ احراری لیڈروں خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور محمد علی جالندھری کو تنبیہ کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ حکومت کو اس قسم کی فتنہ انگیز تقریریں ہرگز برداشت نہ کرنی چاہئیں،

کیونکہ عوام کے خیالات سموم کتے جا رہے ہیں۔ مناسب طرز عمل تو یہی ہے کہ ان دونوں لیڈروں کے خلاف مقدمات چلائے جائیں لیکن چونکہ مرکزی حکومت اصرار یوں کے متعلق اپنے رویے کو متعین کرنے میں فعال نہیں ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ انتخابات کے لئے زمین تیار کریں اُس میں یوگ یا تو لیگ کی مخالف پارٹی کی حیثیت اختیار کر لیں گے یا لیگ کے اندر ایک علیحدہ گروپ بنائیں گے

رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۲۳

اس سے پیشتر کے اجلاس میں علما کا ایک بورڈ قائم کیا گیا تھا، جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

- ۱۔ سید سلیمان ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ (۲) مفتی محمد شفیع ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ (۳) مولانا عبدالحامد بدایونی (۴) علامہ محمد یوسف کلکتوی (۵) علامہ مفتی دادا (۶) علامہ سلطان احمد (۷) علامہ محمد یونس (۸) مولانا لال حسین اختر (۹) الحاج ہاشم گزدر (۱۰) مولانا جعفر حسین مجتہد ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ۔

اس اجلاس میں جماعت اسلامی کے جن نمائندوں کو دعوت دی گئی اس میں حسب ذیل حضرات شامل تھے۔

- (۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲) نعیم صدیقی (۳) چودھری غلام محمد (۴) سلطان احمد (۵) رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۱۲۸

اس تمام کارروائی کا پس منظر یہی تھا کہ ہونہ ہو اس تحریک کا سارا بوجھ مرکزی حکومت پر پڑے۔ اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کو الزام دے کر کہ ”آپ کی حکومت موجودہ معاملات کو سنبھال نہیں سکی لہذا انہیں حکومت سے الگ کر دیا جائے“

پھر قمرہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے نام لکھا آئے اور

وہ پاکستان کے سنگھاسن پر بیٹھ جاتیں۔ دوسری طرف احرار کو حکومت اور عوام کی نظروں میں ملک دشمن ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس موقع پر مورخ اگر مسٹر انور علی ڈی آئی جی پنجاب سی آئی اے سے یہ سوال کر بیٹھے کہ

جناب عالی! جس ملک کی بنیاد ”لالہ“ پر رکھی گئی ہو اور جس کے دستور میں مملکت خدا و پاکستان کا مذہب اسلام قرار پا چکا ہو، اس ملک کے ایک معزز مسلمان شہری نے ملک و کٹوریہ کے خلاف بقول آپ کے کوئی فحش اور ناشائستہ

بدتمیزی کی باتیں کی ہیں تو آپ جناب کو برا کیوں لگا؟ جب کہ پاکستان ایک آزاد ملک ہے، اس کا دستور اپنا ہے، جھنڈا اپنا ہے پھر ملک و کٹوریہ کا آئینی رد سے ہمارے ساتھ کیا رشتہ رہ جاتا ہے؟ وہ ملک ہوں گی تو صرف انگلستان کی نہ کہ پاکستان کی،

پھر جب کہ ملک و کٹوریہ کے متعلق بقول آپ کے فحش اور ناشائستہ باتیں کہنے والا برصغیر کا عظیم مجاہد رہنما حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہے جس کے جوتے کی نوک پر ہزاروں انگلستان اور ملکاتیں قربان کئے جاسکتے ہیں۔

مسٹر انور علی کو ملک و کٹوریہ کو برا بھلا کہنے پر بڑا غصہ آیا ہے اور وہ حضرت امیر شریعت کو مجرم قرار دے رہے ہیں، لیکن (دجال اعظم) غلام احمد قادیانی نے سرکارِ دو عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا بکواس کی ہے کبھی اس پر مسٹر انور علی کو غصہ آیا؟ مسٹر انور علی! آپ رمدگی بھرانگرہ کی ملازمت میں رہے۔ اس بنا پر اپنے آقا کی عزت آپ کا فرض ہے مگر بحیثیت مسلمان (دجال اعظم) مرزا غلام احمد کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

مرزا غلام احمد اپنے کو نبی کہتا ہے اور صرف نبی ہی نہیں بلکہ اس کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللّٰهُ وَالَّذِیْنِ

مَعْنًا اَشَدُّ عَلَى الْكَفَّارِ رَحْمًا بَيْنَهُمْ اس وحی الہی میں خدا تعالیٰ نے
میرا نام محمد رکھا ہے اور رسول بھی۔

ایک غلطی کا ازالہ۔ مصنف مرزا غلام احمد

ایک مجلس میں جس میں خود (دجال اعظم) مرزا غلام احمد موجود تھا، ایک شاعر نے یہ
شعر پڑھے۔

محمد پھر اُتر آتے ہیں ہم میں !!
اور پہلے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکس
غلام احمد کو دیکھے فتادیاں میں

(خبر البدن ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

(دجال بکتا ہے) ایک دن جب میں | **خانوادہ جنت کی توہین**

نہ تو مجھ پر نیند طاری تھی اور نہ ہی میں اُونگھ رہا تھا اور نہ ہی کوئی
بے ہوشی کے آثار تھے بلکہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔ اچانک
سامنے سے ایک آواز آئی، آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھٹکھٹانے
لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے
جلدی جلدی میرے قریب آ رہے ہیں۔ بے شک یہ پنجتن پاک
تھے۔ یعنی علیؑ ساتھ اپنے دو بیٹوں کے اور ساتھ اپنی بیوی فاطمہ
کے اور سردار مرسلین کے۔ اور دیکھتا کیا ہوں کہ فاطمہ الزہراؑ نے
میرا سر اپنی ران پر رکھ لیا اور میری طرف گھور گھور کر دیکھا شروع کیا۔
(آئینہ کمالات ص ۴۳ مصنف مرزا غلام احمد)

چونکہ مندرجہ بالا عبارت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے خاندان کی توہین ہے، لیکن حضرت فاطمہ الزہرا کے متعلق یہ لفظ کہ

”اُس نے میرا سراپنی ران پر رکھ لیا، خاتونِ جنت کی توہین کا کس قدر نمایاں پہلو لیتے ہوتے ہیں۔“

مکر بلا ایست سیر ہر آفم
صد حسین است در گریہ نام

حضرت امام حسینؑ کی توہین

ترجمہ: مکر بلا میری روز کی سیر گاہ ہے، حسین جیسے سینکڑوں میرے گریبان میں ہیں۔

(نزول مسیح ص ۹۹ مصنفہ مرزا غلام احمد)

اور سنو

”اے قومِ شیعہ اس پر اصرار مت کر کہ حسین تمہارا موبنجی ہے۔
(نجات دینے والا) کیونکہ میں سچ مچ کہتا ہوں کہ آج تم میں
ایک ہے جو حسین سے بڑھ کر ہے۔“

(دافع البلاء ص ۱۱۱ مصنفہ مرزا غلام احمد)

کہتے، مسٹر نور علی! اب آپ کی کیا راتے ہے۔؟ آپ کے نزدیک حضرت
فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہتر ہیں یا ملکہ وکٹوریہ؟

مسلم لیگ اور مسئلہ ختم نبوت | - صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
حکومت اور عوام کے مابین اگر آئنا سامنا

ہو جائے تو ارکانِ حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک عوام کے ساتھ
انصاف کے کھڑے میں کھڑے رہیں جب تک قانون اپنا فیصلہ نہ سنا دے۔ اگر
حاکمانِ وقت لایین آرڈر پر اختیار رکھتے ہوئے از خود کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو یہ
فیصلہ انصاف کو مطمئن نہیں کرتا۔

زیر بحث تحریکِ مسلم کے اعتبار سے کسی پارٹی یا گروہ کی تحریک نہیں تھی جب کہ
اس کا تعلق فقط ایمانی جذبہ سے تھا۔ بریلوی، دیوبندی، المحدث اور اثنا عشری کے
لوگ اس میں برابر کے شریک تھے، لیکن وقت کی حکومت نے جس کی طنائیں اُس
وقت مسلم لیگ کے ہاتھوں میں تھیں اس تحریک کو مجلسِ احرار کے دامن سے گروہ
کر ایک جماعت تک محدود کرنے کی کوشش کی، حالانکہ احرار رہنما اس تحریک میں
اُسی قدر شریک تھے جس قدر باقی جماعتوں کے رہنما، لیکن اپنی عینک کے شیشے
میلے ہوں تو ساری دُنیا میلی دکھائی دیتی ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ مرزائیتوں کی اکھنڈ بھارت کی سازش اور سرظفر اللہ
بھٹو وزیر خارجہ اسلامی ممالک میں اسلام دشمن سرگرمیاں دکھا رہے تھے،
جیسے کہ تحریکِ اخوان المسلمین مصر کے رہنما السید علی محمود نے کہا۔

پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سرظفر اللہ خان اینگلو امریکن
بلاک کو مضبوط بنا کر دُنیا سے اسلام کو برطانوی اقتدار کے
بے رحم ہاتھوں میں سوپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چودھری صاحب
نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ دُنیا سے اسلام کی
خود مختاری کو ختم کر کے یہاں برطانوی اثر رسوخ کو زندہ دیکھنا
چاہتے ہیں، چودھری صاحب کی پالیسی نے بعض اہم مواقع پر
اسلامی ممالک کے کاز کو سخت نقصان پہنچایا ہے، مصلوہ برطانیہ

کے مذاکرات کے موقع پر آپ نے دونوں کو قصور وار قرار دے کر ظالم و مظلوم کو ایک ہی رسی میں پروانے کی سچی کی ہے اور یہ پالیسی مصر کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے، اپنی جنگ آزادی کیلئے مصر کو دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک پاکستان سے جس امداد کی توقع تھی، افسوس کہ وہ محض چودھری صاحب کی برطانیہ نواز پالیسی کے باعث پوری نہ ہو سکی ۛ

اخبار آزاد ۳۱ مئی ۱۹۵۲ء

ذریعہ خارجہ اور دجالی گروہ کی انہیں حرکات سے پاکستان کی سالمیت کو نقصان کا اندیشہ تھا، جسے سب سے پہلے اصرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ دشمنانِ ملت نواز تہذیبہ ملک کی بنیادیں اکھاڑ رہے ہیں مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رہی۔ اسی خاموشی اور اور بے بسی کو دیکھ کر ملت اسلامیہ کو آواز دی کہ "مسلمانوں! قادیانی قزاق، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وطن کی سالمیت پر ڈاکہ زن ہیں، دوڑو، اور اپنی جانوں کا تدارک دے کر اس متاعِ عزیز کو بچاؤ ۛ

ۛ آنے پاتے نہ کوئی تختِ نبوت کے قریب

دیکھئے سید کو نیوں کے دربان ہیں ہم (جانباز مرزا)

اس موقع پر مسلم لیگ کی حکومت نے اس طرح جو کردار ادا کیا اور جن حیلے بہانوں سے اپنے مجرم منیر کو چھپایا اس پر تحقیقاتی رپورٹ کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

اب مسلم لیگ بھی علی الاعلان مطالبات کی حمایت کرنے لگی اور بہت سے پوسٹر اور دستی اشتہارات جن پر لیگ کے ممبروں اور عہدہ داروں کے دستخط ثبت تھے۔ لاہور، لاہور، جھنگ اور شیخوپورہ کے اضلاع میں شائع ہوئے۔ اصرار ختم نبوت کے

معلق جو جلد منعقد کرتے تھے ان کی صدارت بھی مسلم لیگیوں نے شروع کر دی تھی۔

پنجاب صوبہ مسلم لیگ کے صدر صاحب کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ لیگ کے ممبر دوسری سیاسی جماعتوں کے جلسوں کی صدارت کر رہے ہیں لہذا انہوں نے اس بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی کو متعین کرنا ضروری سمجھا اور یکم اپریل ۱۹۵۲ء کو ذیل کا بیان جاری کیا۔

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ صوبے کے اندر بعض مقامات پر مسلم لیگ کے ممتاز ارکان نے جن میں بعض ضلعی مسلم لیگوں کے صدر بھی شامل ہیں۔ اصرار کی کانفرنسوں کی صدارت کی ہے، میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوسری انجمنوں کی کانفرنسوں کی صدارت کرنا مسلم لیگ کے نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہے لہذا میں ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کی صدارت نہ کرے بلاشبہ اس میں اُن تقریبات میں شرکت شامل نہیں ہے جن کی نوعیت خالص مجلسی یا غیر سیاسی ہو لیکن ”سیاسی“ کی تعریف ڈھلی ڈھالی نہیں بلکہ کڑی ہونی چاہیے۔ یہ قطعی طور پر ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے ممبر کسی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں جس سے پاکستان کے شہریوں کے بعض خاص طبقوں یا گروہوں کو دشنام و ملامت کا نشانہ بنایا جاتے۔“

اس بیان کی بنیاد پر ۳۱ اپریل ۱۹۵۲ء کو ایک گشتی مراسلہ تمام ضلعی اور شہری مسلم لیگوں کے نام بھیجا گیا جس میں مسلم لیگ کے ممبروں کو غیر مسلم لیگی جلسوں کی صدارت سے منع کیا گیا۔ (مجلسی اور غیر سیاسی جلسے اس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے) اور اس امر پر زور دیا گیا کہ مسلم لیگیوں کو ایسی سرگرمیوں میں کوئی حصہ نہ لینا چاہیے جن سے پاکستانی شہریوں کے مختلف طبقات کے درمیان بے گمانگی یا

— عداوت پیدا ہونے کا احتمال ہو یا جی کا رُخ پاکستانی رعایا کے کسی خاص گروہ یا طبقے کے خلاف ہو۔

لیکن اس ہدایت کے باوجود اضلاع اور شہروں میں مسلم لیگ کی شاخیں اس تحریک کی معاون بننے لگیں جو نہایت سرعت سے پھیل رہی تھیں، اس سے پیشتر بتایا جا چکا ہے کہ سرگودھا اور گوجرانوالہ میں بعض اشخاص کے خلاف احکام زیر دفعہ ۱۲۴ کی خلاف ورزی اور مساجد میں احراریوں کے منعقد کردہ جلسوں میں شرکت کے الزام میں مقدمات دائر تھے، ۱۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ نے ایک جلسہ منعقد کر کے ذیل کی قراردادیں منظور کیں:—

- ۱۔ کہ عقیدہ نعت نبوت مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔
- ۲۔ کہ سٹی مسلم لیگ اس امر کی سخت مذمت کرتی ہے کہ احکام زیر دفعہ ۱۲۴ کا اطلاق مساجد پر کیا گیا اور اس قسم کے احکام کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ حوام کے فرائض مذہبی کی بجائے آوری میں مداخلت خیال کرتی ہے۔ اور پُر زور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت ایسے احکام کو واپس لے لے۔
- ۳۔ کہ سٹی مسلم لیگ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ دفعہ ۱۲۴ کے احکام کی خلاف ورزی کے تمام مقدمات واپس لے لے اور جو لوگ اس خلاف ورزی کی بنا پر گرفتار ہیں ان کو رہا کر دے۔
- ۴۔ کہ سٹی مسلم لیگ اُن کو قانونی امداد دے جو احکام زیر دفعہ ۱۲۴ کی خلاف ورزی میں مساجد کے اندر جمع ہونے کی وجہ سے گرفتار کئے گئے ہیں۔

اس سے تین دن بعد یعنی ۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء کو سٹی مسلم لیگ سرگودھا نے بھی ذیل کی قراردادیں منظور کیں۔

- ۱۔ کہ سٹی مسلم لیگ اتفاق آراء سے اس مطالبہ کی تائید کرتی ہے کہ احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ کہ سٹی مسلم لیگ صوبہ مسلم لیگ اور آل پاکستان مسلم لیگ سے استدعا کرتی ہے کہ وہ احمادیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ ملت میں مزید انتشار پیدا نہ ہو۔

۳۔ کہ ان مطالبات کی اہمیت، ان کے متعلق اتفاق آراء، ان کی نازک نوعیت اور ملک کے عام احساس کے پیش نظر مرکزی اور صوبائی مسلم لیگوں کو اس معاملے میں کچھ عملی قدم اٹھانا چاہیئے۔

سٹی مسلم لیگ کامونکے نے بھی اس مطلب کی ایک قرارداد منظور کی کہ: چونکہ پنجاب کے علمائے اتفاق آراء سے احمادیوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اس لئے اب احمدی مسلم لیگ کے ممبر نہیں بن سکتے لہذا مسلم لیگ کے احمدی ممبروں کو خارج کر دیا جائے اور آئندہ کوئی احمدی مسلم لیگ کی ممبری کا مستحق نہ سمجھا جائے۔

مسٹر دولتانہ صدر پنجاب مسلم لیگ نے ایک بیان دیا جو ”آفاق“ مورخہ ۱۸ جولائی میں شائع ہوا۔

اس بیان میں آپ نے لیگ کے ممبروں سے اپیل کی کہ وہ اُن مذہبی اور سیاسی مسائل کے حل میں لیگ کی امداد کریں جو مسئلہ ختم نبوت کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں آپ نے مسلم لیگیوں کو صبر و سکون کی تلقین کی تاکہ صوبہ لیگ کی مجلس عاملہ اور کونسل ان مسئلوں پر غور کر سکے کیونکہ یہی دو منتظیات ہیں جو صوبہ لیگ کے آئندہ اجلاس میں جمہور کی صحیح رہنمائی کر سکتی ہیں۔ یہ اجلاس ۲۶، ۲۷ جولائی کو منعقد ہوگا۔

پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲۸ جون ۱۹۵۲ء میں فیصلہ کیا گیا کہ لیگ کا آئندہ اجلاس ۲۶-۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور میں کیا جائے، یکم جولائی ۱۹۵۲ء کو اس مطلب کے لئے ایک عارضی ایجنڈا مرتب کر لیا گیا لیکن اس میں مسئلہ ختم نبوت شامل نہ تھا۔ یہ ایجنڈا کونسل کے تمام ممبروں کے

نام بھیج کر ان سے استدعا کی گئی کہ جو قراردادیں وہ پیش کرنا چاہیں، ۱۵ جولائی تک ارسال کر دیں چنانچہ مندرجہ ذیل قراردادیں لیگ کے جوائنٹ سیکرٹری کو وصول ہوئیں :-

۱۔ قرارداد مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء محرک قاضی مرید احمد ایم۔ ایل۔ اے کونسل پنجاب مسلم لیگ موئید۔ صاحبزادہ محمود شاہ گجراتی کونسل پنجاب مسلم لیگ کہ پنجاب مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ مرزائی ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیتے جائیں اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد پنجاب اسمبلی میں ایک قرارداد منظور کرے جس میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ مرزائی ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیتے جائیں۔

۲۔ قرارداد۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء۔ محرک۔ صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی کونسل پنجاب مسلم لیگ موئید۔ قاضی مرید احمد کونسل پنجاب مسلم لیگ۔

کہ پنجاب صوبہ مسلم لیگ کے اس اجلاس کو شبہ ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان ملک کے وفادار نہیں ہیں اور یہ اجلاس یقین کرتا ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان نے وزیر خارجہ کے عہدے سے فائدہ اٹھا کر عقیدہ مرزائیت کی تبلیغ کی ہے اور سرکاری عہدوں پر مرزائیوں کو مقرر کیا ہے اس جلسے کی راتے میں کشمیر کے مسئلے کے حل میں ہماری ناکامی کا باعث صرف چودھری ظفر اللہ خان کی ناقابلیت ہی نہیں بلکہ برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ ان کی اور ان کی جماعت کی روایتی وفاداری بھی اس ناکامی کی ذمہ دار ہے۔ لہذا پاکستان۔ ممالک اسلامی اور کشمیر کے مفادات کا تقاضا یہ ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان کو حتی الامکان جلد سے جلد ان کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔

۳۔ قرارداد۔ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء۔ محرک۔ محمد اسلام الدین ایم ایل اے دہلوی ضلع ملتان۔

کہ چونکہ مرزائی پیغمبر اسلام صلعم کی خاتمیت پر یقین نہیں رکھتے بلکہ اس کے برعکس اس خاتمیت کے ماننے والوں کو کافر خیال کرتے ہیں اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ یہ مطالبہ مذہبی جمہوری اور دستوری اصولوں کا تقاضا ہے۔

کہ پنجاب صوبہ مسلم لیگ مرکزی حکومت پر عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت واضح کرے۔

۴۔ قرار داد مورخہ ۱۲ جون ۱۹۵۲ء۔ محرک : مولانا سید احمد سعید کاظمی ممبر صوبہ مسلم لیگ کونسل، ملتان، موئید۔ خواجہ عبدالکیم صدیقی صدر سٹی مسلم لیگ ملتان، موئید ثانی، صوفی محمد عبدالغفور لدھیانوی، اعزازی آفس سیکرٹری ضلع مسلم لیگ ملتان کونسلر صوبہ مسلم لیگ۔

کہ چونکہ قادیانی با اتفاق خارج از اسلام سمجھے جاتے ہیں اس لئے ان کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور حکومت کو اس اعلان میں تاخیر نہ کرنی چاہیے۔

کہ چونکہ چودھری ظفر اللہ خان قادیانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے نمائندہ نہیں ہیں اس لئے پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کو حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ کوئی قابل اعتبار مسلمان مقرر کیا جائے۔

۵۔ قرار داد۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۵۲ء۔ محرک : محمد ابراہیم قریشی جنرل سیکرٹری سٹی مسلم لیگ جھنگ۔ کونسلر پنجاب مسلم لیگ۔

کہ کونسل کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ احمادیوں کو ان کے اپنے اظہارات اور تحریرات کی بناء پر ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، لیکن ان کے ساتھ حتی الامکان فیاضانہ سلوک کیا جائے۔

کہ کونسل کو پیغمبر اسلام صلعم پر ختم نبوت کے عقیدے کی حفاظت

کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرنی چاہیے اور آئندہ جماعت احمدیہ کے کسی ممبر کو کسی کلیدی عہدے پر مقرر نہ کرنا چاہیے۔

کہ مسلم لیگ کو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی کلمی یا بروزی اس عقیدے کے خلاف کوئی نظریہ پیش کر کے ملک کی سالمیت کو خطرے میں نہ ڈال سکے۔

جلس عامہ کا دوسرا اجلاس ۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو مسٹر دولتانہ صدر پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ڈوٹانہ صاحب نے اعلان کیا کہ میں نے اور دوسرے عہدہ داروں نے ۱۵ جولائی تک ہونے والی قراردادوں کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کونسل میں صرف آٹھ قراردادیں پیش کی جائیں گی۔ کمیٹی نے اس کو قبول کیا اور منظورہ قراردادوں کی فہرست میں نمبر ۳ "قرارداد ختم نبوت" کے متعلق فیصلہ کیا کہ اس کو سید مصطفیٰ شاہ خالد گیلانی پیش کریں گے۔

کونسل کا دوسرا اجلاس ۲۷ جولائی کو آٹھ بجے صبح شروع ہوا، جس میں ذیل کی قرارداد آٹھ ووٹوں کے مقابلے میں ۲۸۴ ووٹوں کی اکثریت سے منظور ہوئی۔

”پنجاب مسلم لیگ کونسل اس صداقت کا پورا شعور رکھتی ہے کہ ختم نبوت دین اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس نے مسلمانانِ عالم کو ایک روحانی اخوت کے رشتے میں جکڑ رکھا ہے اور جو پاکستان میں ملتِ مسلمہ کے اتحاد و سالمیت کی مستحکم بنیاد کا حکم رکھتا ہے۔ اس صداقت کا یہ واضح اور طبعی نتیجہ ہے کہ عقیدہ ختم نبوت کے نہ ماننے والے اسلام کے دینی عقائد سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں۔ اس موقف کی بنیاد پر جس کے متعلق نہ کوئی اختلاف موجود ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ایک تجویز پیش کی گئی ہے جو سیاسی اقدام اور دستوری قانون سازی کے دائرے سے متعلق رکھتی ہے کہ احمدی جو ایک

دینی مسئلے پر اساسی اختلافی رویہ رکھتے ہیں۔ دستور پاکستان میں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیتے جاتیں۔ کونسل کی رائے میں یہ تجویز کسی حد تک مسلمانوں کے اس ردِ عمل کو ظاہر کرتی ہے، جو احمدیوں کے رویے سے پیدا ہوا ہے کیونکہ احمدیوں نے نہ صرف مذہبی معاملات میں بلکہ شہری اور مجلسی زندگی میں بھی اکثر علیحدگی کے قوی رجحانات کا اظہار کیا ہے۔

تاہم اس تجویز میں دستوری اور قانونی نوعیت کے بعض سنگین اور اہم امور شامل ہیں جو پاکستان کے شہریوں کے حقوق و فرائض پر اثر انداز ہوں گے اور اس دستوری نظام کی نوعیت کو متعین کریں گے، جو پاکستان کے لئے تجویز کیا گیا ہے، ان امور پر طبعاً پسگوں اور غیر جانبدارانہ انداز سے نہایت محتاط اور گہرے غور و خوض ضروری ہے جو جذباتیت اور شور و شعلہ انگیزی بنے بالکل غیر متاثر ہو اس لئے پنجاب مسلم لیگ کونسل کی رائے یہ ہے کہ اس دستوری مسئلے کو پورے اعتماد کے ساتھ پاکستان مسلم لیگ کے لیڈروں اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبروں کی پختہ اور صائب دانشمندی پر چھوڑ دیا جائے اور اس اثنا میں مسلم لیگ کی تنظیم کے ہر ممبر کو چاہیے کہ سکون و سنجیدگی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے کیونکہ ایسی ہی فضا میں بنیادی دستوری پالیسی پر اثر ڈالنے والے فیصلے بوجہ احسن کئے جاسکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی کونسل اس اصول پر اپنے غیر متزلزل ثبات کا اظہار کرتی ہے کہ مسلمانانِ پاکستان کا نہ صرف جمہوری بلکہ دینی فرض یہ ہے کہ اس مملکت کے ہر شہری کے جان و مال، آب واد و شہری حقوق کی حفاظت بلا امتیاز ملک و عقیدہ بلکہ اپنے حقوق کی مانند

میں۔ یہ کونسل پنجاب کی مسلم لیگی وزارت سے توقع رکھتی ہے کہ وہ تمام حالات میں اس اصول کی تائید و حمایت کرے گی۔

اس کے بعد مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۲۲ اگست ۱۹۵۲ء کو ہوا جس میں قرار دیا گیا کہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر یا عہدہ دار آل مسلم پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کے جلسوں کی صدارت نہیں کرے گا۔

اب مسٹر دولتانہ اس ردیے کی تصریح میں مصروف ہو گئے، جو صوبہ مسلم لیگ نے اپنی قرارداد مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۲ء میں اختیار کیا تھا، چنانچہ ۳ اگست ۱۹۵۲ء کو حضوری باغ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

”آج دنیا بھر میں پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلامی حکومت قائم کرنے کا دعویدار ہے۔ تمام دنیا ہمارے تجربے کو غور سے دیکھ رہی ہے اور اگر ہم اس ذمہ داری کی تکمیل میں ناکام رہ گئے تو دنیا کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ دنیا میں حکومت کی اسلامی ہیئت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ختم نبوت کے مسئلے میں میرا وہی عقیدہ ہے جو ایک مسلمان کا ہونا چاہیئے۔ میرے نزدیک وہ تمام لوگ خارج از اسلام ہیں جو رسول کریم صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے، میں اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ عقیدہ ختم نبوت پر کوئی بحث اٹھانا خود کفر کے مترادف ہے، کیونکہ بحث کی گنجائش صرف اس مسئلے میں ممکن ہے جس میں کسی کا شبہ وارد ہوتا ہو۔ عقیدہ ختم نبوت ہمارے ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر بحث اور ہر منطق سے بالاتر ہے۔ مرزائیوں کے خلاف جو نفرت پیدا کی گئی ہے اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہے کیونکہ ان کے رجحانات علیحدگی پسندانہ ہیں، وہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم سے علیحدہ ہیں اور انہوں نے اپنی ذاتی۔ سیاسی

اور مجلسی سرگرمیوں کو صرف اپنی جماعت تک محدود کر رکھا ہے۔
 قادیانی افسر اپنی جماعت کے آدمیوں کی طرف داری کے مجرم ہیں کیونکہ
 انہوں نے بہت سی الٹنٹیشن محض اس بنیاد پر کی ہیں کہ الاٹنی مرزائی
 تھا۔ گویا انہوں نے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کیا۔

اس صورت حالات کا علاج جذباتی تقریروں اور عام جلسوں
 سے نہیں ہو سکتا جہاں تک پنجاب کا متعلق ہے، میں فرقدوار وجوہ
 کی بنا پر جانبداری کے مجرموں کے خلاف شدید کارروائی کروں گا
 اور جہاں اس قسم کی کوئی شکایت کی جائے گی اس کی پوری تحقیقات
 کراؤں گا۔ میں آپ لوگوں سے احکام اسلام کا واسطہ دے کر اور
 ملت کی آبرو کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ ہر اس شخص کے جان و مال
 اور آبرو کی حفاظت کیجئے جو اپنے آپ کو پاکستانی شہری کہتا ہے
 جب تک میں چیف منسٹر ہوں۔ میں اپنے صوبے میں بے گناہوں
 کا خون گرانا ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ ہر شہری کی آبرو کے تحفظ
 میں کوئی کسر اٹھانہ رکھوں گا اور ہر قیمت پر اپنا یہ دینی، اخلاقی اور
 سرکاری فرض بجالاؤں گا۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینا ایک دستوری
 مسئلہ ہے۔ ہمارا دستور اب تک وضع نہیں کیا گیا اور دستور ساز
 اسمبلی نے اب تک اس امر کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ اکثریت
 اور اقلیتوں کے درمیان کیا فرق و امتیاز ملحوظ رکھا جائے گا لہذا اس
 مسئلے کو دستور ساز اسمبلی پر چھوڑ دینا چاہیے لیکن اگر بحث کی غرض
 سے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دے دیا
 گیا، اگر اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو مرزائی کہنا بند کر دیا
 تو پوزیشن کیا ہوگی؟ کسی قوم یا گروہ کو اقلیت قرار دینے کا مقصد
 تو یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف اس قوم یا گروہ کے حقوق معین کئے جائیں

بلکہ ان حقوق کی حفاظت بھی کی جاتے اور ان کو سرکاری ملازمتوں اور قانون ساز اسمبلیوں میں رعایات دی جاتیں اگر مرزائی اقلیت قرار دے دیئے گئے تو ہم مجبور ہوں گے کہ ان کو وہ تمام رعایات و حقوق دیں جو بحالت موجودہ ہم انہیں نہیں دینا چاہتے۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے جس پر گہرے اور سنجیدہ غور و خوض کی ضرورت ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کو عام جلسے منعقد کر کے، فساد مچانے پھر پھیلنے اور اسی قسم کی دوسری نادا جب حرکات سے حل کیا جاسکے، میں ان لوگوں سے جو ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں جلسے منعقد کر رہے ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ جس حالت میں ہم سب عقیدہ ختم نبوت پر قائم ہیں، ان جلسوں کی کیا ضرورت ہے۔ ان غیر ضروری جلسوں کو دیکھ کر بعض اوقات میرے دل میں جلسے منعقد کرنے والوں کی نیت پر شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۵۲ء میں مسٹر دولتانہ کی اس تقریر کی رپورٹ درج ہے جو انہوں نے راولپنڈی میں کی۔ آپ نے کہا :-

میں اس ملک کو ایک صحیح اسلامی مہموریہ بنانا چاہتا ہوں جس میں ہر شخص بلا امتیاز عقائد سیاسی مساوی حقوق رکھتا ہو جس میں ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جائے جس میں لوگوں کی اقتصادی اور اخلاقی حالت بہت اچھی ہو اور جس کے لوگ ملک کی مشترکہ بہبود کے حصول کے لئے سنجیدگی، ہوشمندی اور خلوص سے کام کریں۔

میرا پختہ ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں جس شخص کا یہ عقیدہ نہیں، وہ مسلمان نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو اُسے اس ملک میں رہنے کا حق نہیں۔

تمام وہ لوگ جو پاکستان میں رہتے ہیں اور پاکستان کے مفاد

ہیں خواہ وہ ہندو ہوں، عیسائی ہوں یا کسی اور فرقے یا مذہب سے
 تعلق رکھتے ہوں، اس ملک کی حکومت اور اس ملک کے باشندوں
 کی حفاظت میں ہیں، اہل وطن میں سے ایک ایک کی حفاظت
 مسلمان کا اور حکومت کا بھی اولین فریضہ ہے جب تک امور
 حکومت کی عنان میرے ہاتھ میں ہے میں پورا انتظام کروں گا
 کہ کسی وفادار پاکستانی کو محض اس بنا پر کوئی ضرر نہ پہنچے پائے کہ
 اس کا مذہب، اس کی ذات پات یا اس کا مسلک ہم سے جداگانہ ہے
 احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ کوئی دینی مسئلہ نہیں بلکہ ایک
 دستوری معاملہ ہے جس کو یہی حیثیت دینی چاہیے اور اس پر
 ٹھنڈے دل سے بحث کرنی چاہیے، میں اصرار اور دوسری
 مذہبی انجمنوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور و خوض کے لئے
 پرسکون فضا پیدا کریں۔

نظام آباد کے مقام پر ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو مسٹر دولتانہ نے فرقہ بندی کی مخالفت
 کی اور کہا کہ

جو لوگ مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کر رہے ہیں وہ نہ
 صرف اتحاد اسلامی کو بلکہ پاکستان کی سالمیت کو برباد کر رہے ہیں۔
 آپ نے عوام کو مشورہ دیا کہ فرقہ پرستوں کی افتراق انجمنز سرگرمیوں
 میں شریک ہونے سے اجتناب کریں۔

ان تقریروں میں عجن نکات پر زور دیا گیا وہ یہ ہیں کہ
 جو شخص عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں، اہلیوں
 کے متعلق جو مطالبہ ہے وہ اسی دینی موقف کا تقاضا ہے مطالبات
 کی نوعیت دستوری اور سیاسی ہے جس پر صرف مرکزی ارباب اختیار
 (دستوری یا مسلم لیگ) ہی غور کر سکتے ہیں، صوبے کو ان مطالبات سے

کوئی تعلق نہیں اور اصرار کو اس مسئلے پر پنجاب میں کوئی گڑ بڑ نہ کرنی چاہیے۔

مسلم لیگ کے فادار کا حشر | تحریک ختم نبوت کے دوران سیا لکوٹ کے مسلم لیگی خواجہ صفدر نے صدر مسلم لیگ کے حکم کی تعمیل میں مسئلہ ختم نبوت سے غداری کی تو سیا لکوٹ کے غیور مسلمانوں نے خواجہ صفدر کا منہ کالا کیا اسے جوتوں کا ہار پہنایا اور گدھے پر بٹھا کر شہر میں اس کا شاندار جلوس نکالا۔

لاہور مسلم لیگ کا اجلاس | ۳۰ جولائی ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں ہوا تھا اس اجلاس میں پیش کرنے کے لئے مولانا عبدالحامد بدایونی نے ایک قرارداد مرتب کی جو ذیل میں درج ہے۔

”دنیا سے اسلام اور ہر طبقہ ہر خیال کے مقتدر علمائے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں لہذا انہیں مسلم لیگ کے دائرے میں شرکت کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہیے۔“

قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بعض حلقوں میں بڑا چرچہ ہے اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلے کے احترام میں کوئی قادیانی مسلم لیگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔

جیسے ہی مولانا عبدالحامد نے یہ قرارداد اجلاس میں پیش کی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی حالانکہ یہ قرارداد ایجنڈے میں شامل تھی۔

مسلم لیگ کے اجلاس میں مرزائیوں کے متعلق قرارداد پیش ہونے پر روزنامہ نے اپنی اشعبان . . . کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ لکھا۔

مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مولانا عبدالحماد بدایونی کی وہ قرارداد پیش نہ ہو سکی جس کے ذریعے سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ قادیانی چونکہ خارج از اسلام ہیں لہذا انہیں مسلم لیگ کی رکنیت سے نکال دیا جائے، یہ قرارداد اپنی اہمیت کے اعتبار سے فوری توجہ کی مستحق تھی، لیکن بدقسمتی سے جدید تعلیم کے دلدادہ قادیانی اور اسلامی اختلافات کو شیعہ سنی مناقشت کی طرح محض فروعی مسئلہ سمجھ رہے تھے۔ اس لئے وہ صحیح اندازہ لگانے سے قاصر ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص مرزائی نہیں ہو سکتا جب تک وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر قرار نہ دے لے اور یہ قادیانیت کے بنیادی عقیدے کا تقاضا ہے کیونکہ مرزائی غلام احمد قادیانی کو نبی سمجھتے ہیں اور نبی کا منکر مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا لہذا جب قادیانی مسلمانوں کو صحیح معنوں میں مسلمان نہیں سمجھتے، مسلمانوں کو کافر کہنے والا بھی کسی صورت میں مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس اختلاف کے باعث قادیانیت اور اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نہ قادیانی کو مسلمانوں سے کوئی مجلس متعلق ہو سکتا ہے نہ مسلمانوں کے کسی ادارے میں قادیانی کو رہنا چاہیے اور خلیفہ قادیان تو پاکستان کی مذمت کر کے مسلم لیگ سے بے تعلقی کا اظہار کر چکے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اس مجلس سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دے چکے ہیں۔ ان حالات میں مسلم لیگ کو تو خاص طور پر قادیانیت سے قطع مواصلات کا اظہار کرنا چاہیے تھا لیکن اس کے متغافل لے ان غلط فہمیوں کا دائرہ خود ہی وسیع کر دیا ہے جو مسلم لیگ کے مخالفین پھیلا رہے تھے۔

اس فرض ناشناسی سے مسلم لیگ کے وقار و اقتدار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ صحیح الحیال مسلمان مضطرب ہوئے بغیر نہ رہیں گے اور اس اضطراب کا اثر یقیناً ہوگا۔ مقام حیرت ہے کہ جب مسلم لیگ محض فزعی و جبروی اختلاف کے باعث مسلمان خاکاروں سے قطع تعلق کا اعلان کر سکتی ہے تو غیر مسلم قادیانیوں کے متعلق کیوں خاموش ہے۔ شاید اس نے مسئلے کی نزاکت کا اندازہ نہیں لگایا۔ قائد اعظم کا فرض ہے کہ قادیانیت کے متعلق مسلم لیگ کی پوزیشن واضح کریں۔ ورنہ اس افسوسناک رواداری کے نتائج بہت زیادہ افسوسناک ہوں گے۔

ہاں تو! مرکز اور صوبائی حکومتوں کے مابین رواں تحریک مجلس عمل کا قیام سے متعلق باہم کشمکش چل رہی تھی، انہی دنوں اتمامِ محبت کے طور پر علما کا ایک وفد ذریعہ علی پنجاب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ سے بھی ملا لیکن جیسے کہ اوپر کی سطروں میں کہا جا چکا کہ صوبائی حکام ایک خاص مقصد اور ایادے کے تحت اپنا دامن چھڑا رہے تھے، وفد کو بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں سوچ کر بات کروں گا۔

چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۵۲ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک بیان کے دوران وزیر اعلیٰ نے کہا۔

”میں اس ملک کو صحیح اسلامی جمہوریہ بنانا چاہتا ہوں جس میں ہر شخص بلا امتیاز عقائد سیاسی اور مذہبی حقوق رکھتا ہو جس میں ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جائے جس میں

ہر چیز کا فیصلہ بہترین عدل و انصاف سے کیا جاتے۔ جس میں لوگوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو اور جس کے لوگ ملک کی مشترک بہبود کے حصول کے لئے سنجیدگی، ہوشمندی اور خلوص سے کام کریں۔

تحریک جو بنیادی طور پر اپنا مقصد رکھتی تھی، عوام میں پہنچ کر جذباتی ہو چکی تھی۔ عوامی اجتماعات، جلوس اور لغروں کی گونج نے پنجاب بھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، یہاں تک کہ اخبارات کے مضامین اور خبریں تحریک ختم نبوت کو آگے بڑھاتے رہی تھیں، کوچہ و بازار سے نکل کر تحریک گھروں میں داخل ہو چکی تھی، خانگی معاملات میں بھی اس کا ذکر ہونے لگا۔ اس دوران پولیس کی لاکھٹیوں اور فوج کی گولیوں سے شہید اور زخمی ہونے والوں کے لہو نے ایسا رنگ بھرا کہ دیکھتی نظروں میں یہ کارزار حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور مسلمہ کذاب کے مقابلے کا نقشہ دکھائی دینے لگا۔ عوام کے جذبات اڑھیاں اٹھا اٹھا کر حضرت خالد بن ولید اور حضرت وحشی کو ڈھونڈنے لگے، یہی خوف تھا جس نے دجال کی امت کو ربوہ کی پہاڑیوں میں چھپا لیا تھا، اس پر بھی کوڑے، اڈکاڑے اور دیگر مقامات پر۔ مرزائی مسلمان نوجوانوں کے انتقام کا نشانہ بنے۔

ان حالات میں مسلم لیگ کے سینکڑوں کارکن اپنے مرکز سے بغاوت پر اتر آئے، سرگودھا جھنگ، گوجرانوالہ، لاہور (فیصل آباد) منٹگمری (ساہیوال) میانوالی، ملتان، اڈکاڑہ کے مسلم لیگی کارکن جذبہ ایمانی سے سرشار تحریک ختم نبوت کے نعرے لگالے لگے اور جلسوں کی صدارتیں کرنے لگے، جس پر صدر صوبہ مسلم لیگ کا حسب ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا۔

”بعض مقامات پر مسلم لیگ کے ممتاز ارکان نے جن میں بعض ضلعی مسلم لیگ کے صدر بھی شامل ہیں، اصرار کا نفرینوں کی صدارت کی ہے، میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوسری انجمنوں کی کانفرنسوں کی صدارت کرنا مسلم لیگ کے نظم و ضبط کی خلاف ورزی

ہے لہذا میں ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ مسلم لیگ کا کوئی ممبر مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کی صدارت نہ کرے بلاشبہ اس میں وہ تقریبات شامل نہیں جن کی نوعیت خالص مجلسی یا غیر سیاسی ہو، لیکن سیاسی کی تعریف ڈھیلی ڈھالی نہیں بلکہ کڑی ہونی چاہیے، یہ قطعی طور پر ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے ممبر کسی ایسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں جس سے پاکستان کے شہریوں کے درمیان منافرت و مخالفت پیدا ہونے کا احتمال ہو یا جس میں پاکستانی شہریوں کے بعض خاص طبقوں یا گروہوں کو دشنام و ندامت کا نشانہ بنایا جلتے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب کے اس بیان کے باوجود ایمان کی بھٹیاں مزید روشن ہوئیں۔ نیر پنجاب کے پیران عظام اور سجادہ نشین ذاتی اقتدار کی گدیاں چھوڑ کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے دربان بن کر آن کھڑے ہوئے۔ حضرت دیوان سید آل رسول علی خان صاحب سجادہ نشین سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیر شریف،

الحاج خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف

الحاج سید غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف

حضرت ابوالبرکات سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلالپور شریف

حضرت سید علی حسین صاحب سجادہ نشین ثانی صاحب علی پور سیداں شریف

حضرت شوکت حسین صاحب حسنی الحسینی الگیدانی سجادہ نشین حضرت
پیر پیراں موسیٰ پاک شہید ملتان شریف

نوٹ : مندرجہ بالا پیران عظام کے اسمائے گرامی اس وقت کے اخبارات
کے صفحات پر تو دیکھنے میں آتے مگر جیل خانوں کی فائیلوں میں نہیں
ملے، سوائے صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلوہار شریف کے، البتہ
مریدان باصفانے اپنے پیران طریقت کا فرض کفایہ ضرور ادا کیا۔

یوم احتجاج لاہور اور کراچی کے گذشتہ اجلاسوں میں علمائے مجلس عمل کے قیام
کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی کے تحت حکومت سے اُن کی اکثر ملاقاتیں
ہوئیں تاکہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پائے، لیکن عوام کے جذبات اب نہ علما کے قابو میں
تھے اور نہ حکام انہیں سنبھال کر امن قائم کر سکے، اُن حکام کے تشدد نے اس آگ کو
ایسی ہموادی کہ اب اس طوفان کے روکنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اس روز پنجاب
میں ایسی ہڑتال ہوئی کہ مارکیٹیں بازار تو بند رہنے ہی تھیں، تانگے اور سائیکلیں بھی
بازاروں میں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

مساجد میں خطبائے اپنی تقریروں سے اس بھیڑ میں اور ایندھن جھونک
دیا اس طرح مولے اور شہباز کے درمیان لڑائی کامیدان گرم ہونے کے امکانات
پیدا ہوتے چلے گئے۔ دونوں طرف طبل جنگ کھڑکنے لگا۔ راغی اور رعایا
اپنے اپنے محاذ پر مصفیٰ درست کرنے لگے۔

حسن طلب اور حسن تدبیر بچہ روٹھ جاتے یا ضد کرنے لگے تو والدین
کے حسن تدبیر کا تقاضہ ہونا چاہیے کہ وہ
اس کی خواہش کا احترام کرے اور ضرورت سمجھیں تو اسے پورا کرنے کی سعی
کریں۔ اگر بچے کی ضد بے جا ہو تو والدین کے فرائض میں ہے کہ باحسن طریق
اسے ٹال دیں، یہ نہیں کہ لاٹھی لے کر بچے کی پٹائی شروع کر دیں اور گھر سے

نکال دیں اس طرح بگڑی ہوئی اولاد لوٹ کر گھر نہیں آتی اور اگر آجستے تو والدین اس کے پیار اور کردار کی قسم نہیں کھا سکتے اس طرح گھر اُجڑ جاتا ہے اور اولاد بگڑ جاتی ہے۔

جب راعی اور رعایا آمنے سامنے آن کھڑے ہوں تو دونوں میں ایک کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

سیاست کی غیر متعینہ راہوں پر سفر کے دوران سیاستدان جس قدر بڑا ہوگا اسی درجے غلطی کا امکان ہوگا۔

۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء کو حیدر آباد دکن میں ایک تقریر کے دوران قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا

”مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ لیڈر کا انتخاب ہمیشہ احتیاط سے کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈر کے صحیح انتخاب سے ہی فتح ہو جاتی ہے۔“
(نوائے وقت ۱۳ نومبر ۱۹۴۹ء)

لیکن اس کے باوجود ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان نے سر ظفر اللہ (مرزائی) کو اپنے میں کیوں شامل کر لیا۔؟ جس نے آگے چل کر اپنے باطل عقائد کی حفاظت میں اسلام دشمنی کے ساتھ غدار وطن ہونے کا ثبوت دیا۔
ظفر اللہ کی مخالفت میں تحریک ختم نبوت کے دوران بہت سا لٹریچر شائع ہوا، چنانچہ انہیں دنوں ادارہ تحفظ اشاعت اسلام اچھرہ دلاہور کا ایک کتا بچہ بھی شائع ہوا، عنوان تھا۔

”قادیانی عزائم اور پاکستانی مسلمان“

اس کے صفحہ ۲۱ پر ذیل کی عبارت درج تھی۔

چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا وزیر خارجہ کی حیثیت سے تقرر یگی قیادت کی آزاد مرضی سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا یہ تقرر برطانوی سامراج کے دباؤ کا نتیجہ تھا اور ان کے سارے عرصہ

فدائت میں انہیں اینگلو امریکی ہلاک کا مکمل تحفظ حاصل رہا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے ثابت ہوا کہ سر ظفر اللہ کا بطور وزیر خارجہ تقرر ضرورتِ وطن کے لئے نہیں بلکہ ایک پالیسی کے تحت تھا جس کا اعتراف وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے آگے چل کر کیا۔

مجلس عمل کے وفد کی وزیر اعظم سے آخری ملاقات ۲۳ فروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کے

وفد نے وزیر اعظم پاکستان سے آخری ملاقات کی۔ اس وفد میں مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل مولانا عبدالحامد بدایونی، مسٹر تاج الدین انصاری اور مظفر علی شمسی شریک تھے، وفد نے وزیر اعظم سے کہا ۲۲ جنوری (۱۹۵۳ء) کو ہمارے وفد نے آپ کو ایک ماہ کا نوٹس دیا تھا آپ نے مقررہ میعاد کے اندر کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ اب ہم ۲۶ فروری کو اپنا آخری اجلاس بلوار ہے ہیں ہمیں اس کے بعد بحالتِ مجبوری راست اقدام کرنا پڑے گا۔ اس عرصہ میں آپ اب بھی کوئی تسلی بخش جواب دیجئے۔ ہم تو اس حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ الجھاد پیدا نہ ہو۔

وفد کے جواب میں خواجہ صاحب نے کہا کہ

حکومت بڑی الجھن میں ہے آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کے مطالبات سے تو ہمدردی ہے مگر ان مطالبات کے ماننے میں کچھ مشکلات ہیں، کشمیر کا قضیہ ہے، نہروں کا پانی ہے اور خوراک کا مسئلہ ہے، ظفر اللہ خاں کو کس طرح ہٹائیں انہی کی معرفت سب کچھ ہو رہا ہے، ہمیں خوراک کی شکل بھی ہے، اگر ظفر اللہ خاں کو ہٹا دیا جائے تو گندم کا ایک دانہ بھی نہیں مل سکتا، اس جواب نے وفد کو مایوس کر دیا اور وفد نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ پھر تو یہ ثابت ہوا کہ ہماری زندگی ظفر اللہ خاں کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو پانی برسے اور وہ چاہے

تو گندم ملے اگر آپ ہمیں یہ کہتے کہ مہلت دیجئے اور مشکلات سے نکل جانے دو۔ پھر مطالبات مان لئے جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے گزشتہ ملاقات میں آپ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ دو چار مہینے سات آٹھ مہینے ہم اور صبر کر لیں گے، اگر آپ اعلان کر دیں کہ یہ مطالبات مان لئے جائیں گے یا کم از کم آپ وعدہ ہی فرمائیں۔ مگر آپ نے ہماری وہ بات بھی نہ مانی اور آج آپ نے یہ فرمایا کہ ظفر اللہ ہی سب کچھ ہے اگر یہ درست ہے تو ہمارا مطالبہ قطعی حق بجانب ہے اور ہم قطعی فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم بھوکا مرنے کو ترجیح دیں گے، برائیت اس کے مرزائیوں کی رعایا بن کر رہیں اس کے بعد خواجہ صاحب بے دلیل منت سماجت فرماتے رہے اور ہمیں قطعی مایوس کر دیا۔ اس آخری ملاقات میں ڈیڑھ دو گھنٹے صرف ہو گئے، مگر بے نتیجہ اور مایوس واپس آنا پڑا۔

ان حالات میں خواجہ ناسم الدین سے کوئی شکایت نہیں، بلکہ صرف باقی پاکستان سے کیا جاسکتا ہے کہ مردم شناس ہوتے ہوئے انہوں نے سر ظفر اللہ پر کیے اعتماد کو لیا جب کہ وہ مسلمانوں کو بار بار تاکید کرتے ہیں کہ ”مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ لیڈر کے انتخاب میں ہمیشہ

احتیاط کریں“

اگر لیڈر کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت ہے تو حکومتی ذمہ داری سوچتے وقت کیوں احتیاط کی ضرورت نہیں؟
بہر حال حین طلب کے مقابل اگر حین تدبیر بھی ہوتا تو بات کچھ اور ہوتی۔

آخری نوٹس | بڑے سنبھلے بڑی احتیاط کی، لیکن کار پر دازان حکومت نے رعایا کی آواز سنی تو ضرور مگر سمجھ نہ سکے کہ یہ لڑائی شخصی

نہیں وعدہ اس میں کسی قسم کی سیاست کار فرما تھی، اسلام کا ایک مخصوص پہلو اس تحریک سے وابستہ ہے، نیز وطن عزیز کی سالمیت کا تقاضہ بھی تھا کہ اس تحریک کو بہر طور پھیلنے نہ دیا جائے، مگر سیاست اور انداز حکومت کا طفلان نہیں کہ اسے محض چوگان سمجھ کر اپنی راتے کے گھوڑے جہاں جی چاہو لے پھرو۔

۷۔ اندازِ دلبری آتے ہیں آتے آتے

تھیٹر یا فلموں کے آرٹسٹ اگر ڈائریکٹر کے حکم پر شاہی لباس پہن لیں تو وہ حقیقی بادشاہ نہیں ہوتے، ان کے مکالمات بھی ڈرامائی ہوتے ہیں، ہدایت کار جیسے چاہتا ہے وہ انہیں ادا کرتے ہیں۔

اگر کسی بستی میں سیلاب کا پانی زرد کر جائے تو سیلاب کو راستہ دینا عقلمندی نہیں ہوتی بلکہ اس کے سامنے بند باندھنے کو دانائی سمجھا جاتا ہے۔

۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء کو جیسے ہی مجلسِ عمل کا وفد وزیرِ اعظم پاکستان کو راست اقدام کانوٹس دے رہا تھا، اگر حکمران اس بساط کے کھلاڑی ہوتے تو اپنے حریف کو جیلے بہانوں سے مات دے سکتے تھے جیسے کہ ارکانِ وفد نے وزیرِ اعظم سے عرض کیا تھا کہ

” دو چار مہینے، سات آٹھ مہینے ہم اور صبر کر لیں گے، اگر

آپ یہ اعلان کر دیں کہ یہ مطالبات مان لے جائیں گے یا کم از کم آپ وعدہ ہی فرمائیں (اگر اطوار حکمرانی کے داؤ بیچ سے واقفیت رکھتے تو حکومت کے لئے یہ بہتر موقعہ تھا اس تحریک کو ٹالنے یا اس سے دامن چھڑانے کا) مگر اس کے لئے تو ذہن رسا کی ضرورت تھی، لیکن خواجہ ناظم الدین ایسے شریف طبع وزیرِ اعظم ان راہوں کے خوگر نہیں تھے، سیاست اور شرانت کے رشتوں کا باہم کوئی تعلق نہیں۔

۲۳ جنوری کانوٹس گویا ایک قسم کا چیلنج تھا حکومت کے لئے کہ اگر ایک

ماہ کے اندر مندرجہ ذیل مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کر دیا جائے

۳۔ ربوہ کی اراضی پر مرزائیوں کو ناجائز قابض قرار دے کر پرامنی

مرزائیوں سے واپس لے کر مہاجرین کے نام الاٹ کی جائے

۴۔ کلیدی عہدوں پر قابض مرزائی افسران کو ہٹا کر کے ان کی جگہ

مسلمانوں کو متعین کیا جائے۔

ورنہ مجلس عمل راست اقدام کرے گی۔

اس پر دونوں طرف سے تیاریاں شروع ہو گئیں پولیس اور فوج اپنے ہتھیار جمع کرنے لگی۔ مجلس عمل نے رضا کاروں کی بھرتی کے لئے پنجاب بھر میں دفاتر قائم کر دیئے اور برطانوی تھکڑیاں اور جیل خانوں کی وسعت کا اندازہ ہونے لگا، پولیس لاکھیاں اور فوج بند دتوں کے کل پُرزے درست کرنے لگی اور ختم نبوت کے محافظوں جو ان مجلس عمل کے رضا کار فارم اپنے خون سے پُر کرنے لگے۔

۵۔ ادھر آؤ ظالم ہنر آزمائیں

نو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

اس ضمن میں بعض صحافیوں کے قلم اور ضمیر بھی خریدے گئے کہ وہ تحریک ختم نبوت کو سبوتاژ کرنے کے لئے حکومت سے تعاون کرتے ہوئے مجلس عمل اور خصوصاً احرار راہنماؤں کے خلاف مضامین لکھیں اور عوام کو تحریک ختم نبوت سے نفرت کرنے کی ترغیب دیں۔

مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور فقہ جعفریہ کے لوگ ایک صف میں کھڑے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔

مجلسِ عمل کے نوٹس کی معیاد ۲۳ جنوری سے ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء تک تھی اس عرصہ میں مجلسِ عمل کے رہنما اپنی مہم کی کامیابی کے اسباب مہیا کرنے میں مصروف ہو گئے حکومتِ تحریک کو دبانے کے طریق پر غور کرنے لگی اور عوام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو کر شہادتِ تلاش کرنے لگے۔

پنجاب کے علاوہ سندھ اور شمالی صوبہ سرحد بھی جذبہ شہادت سے سرشار تھا۔ سیاست کی بساط پر آنے سے ملنے کے کھلاڑی ایک دوسرے کا لحاظ نہیں کرتے چاہے مقابل میں حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

بن دنوں پنجاب میں ختم نبوت کا مسئلہ عوام اور حکومت کے درمیان فیصلہ کن موڑ پر تھا۔ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور نواب افتخار حسین ممدوٹ اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے، نواب ممدوٹ نے شمالی صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ عبدالقیوم سے دوستی کر کے دولتانہ کو شکست دینے کے منصوبے سوچے ہوئے تھے۔ اور دولتانہ تھے کہ خواجہ نازم الدین کو وزارتِ عظمیٰ کے سنگھاسن سے اتار کر خود بیٹھنا چاہتے تھے۔ اس کشمکش نے بھی تحریکِ ختم نبوت کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔

حضرت امیر شریعت کی تقریر | نوٹس کے مطابق جیسے جیسے دن قریب آتے گئے تحریک میں زور پیدا ہوتا چلا گیا۔ واقعات و حالات نے کئی کرڈیں لیں۔ کارکنوں پر مقدمات قائم ہوتے۔ عدالتوں کے نوٹسوں کے ذریعے درکروں کو ڈرایا اور دھمکایا گیا۔ کئی اضلاع میں کارکنوں کے داخلوں پر پابندیاں عائد کی گئیں ان سب کے باوجود خدا اور رسولؐ کے نام پر حاصل کی ہوئی مملکت کے حاکموں پر مسلمانوں کو یقین تھا کہ کچھ بھی ہو، پاک سرزمین پر تختِ ختم نبوت تک پہنچنے والے پاؤں سلامت نہیں رہ سکتے جو ہاتھ سرتاجِ انبیا کے گریبان تک پہنچنے کی گستاخی کرے گا، شل کر دیا جائے گا، وہ آنکھ پھوڑ دی جائے گی جس کے ارادوں میں بُرائی جھلک رہی ہوگی، مگر اپنی کرسیوں

کے لئے لڑنے والے حاکموں نے پیغمبر خدا علیہ السلام کی نبوت کو لاوارث قرار دے کر اس سے ایسی بے اعتنائی برتی کہ ۲۲ فروری کا دن امید دیاس کے درمیان گذر گیا۔ بالآخر پروگرام کے مطابق کراچی روانگی سے دو روز پیشتر مجلس عمل کے تحت دہلی دروازہ لاہور میں مولانا ابوالحسنات قادری صدر مجلس عمل کی صدارت میں ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس عمل کی تاریخی قرارداد پر تقریر کی جو ذیل میں درج ہے۔

خطبہ منونہ کے بعد

”عزیزان! آج یہ اجتماع تاریخی اجتماع ہے جو مرزائیوں اور سرظفر اللہ کے خلاف مظاہرہ کے لئے منعقد ہوا ہے۔ یہ اجتماع مجلس عمل کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

میں خواجہ ناظم الدین صدر مسلم لیگ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مسلم لیگ کو قوم کی واحد نمائندگی کا دعویٰ ہے۔ آج لاہور کے تمام مسلمان جمع ہیں جو مرزائی وزیر خارجہ کے خلاف عدم اعتماد اور اپنی بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

یہ دہی جلسہ گاہ ہے جہاں کئی سیاسی تحریکات نے جنم لیا اور پروان چڑھیں۔ نہرو رپورٹ کے سلسلہ میں بھی غالباً اسی باغ میں تاریخی اجتماع ہوا تھا اور آج مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور سرظفر اللہ کو اس کی ذمہ داریوں سے علیحدہ کرنے کے لئے بھی اسی باغ میں اجتماع ہو رہا ہے۔

میں کہتا ہوں خواجہ ناظم الدین صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے اس باغ میں ایک جلسہ منعقد کریں اور اسلامیان لاہور کو اس میں شرکت کی دعوت دیں جلسہ کی صدارت خواجہ صاحب خود کریں اور پھر ظفر اللہ کے متعلق عوام کا ووٹ حاصل کریں، ان

باتوں کا فیصلہ آج ہی ہو جائے گا اگر خواجہ صاحب کے فرمان پر کوئی آدمی بھی نہ آیا تب بھی فیصلہ ہو جائے گا اور اگر لوگوں نے اگر کفر اللہ کے خلاف عدم اعتماد اور بیزاری کا اظہار کر دیا تب بھی فیصلہ ہو گیا۔

خواجہ صاحب نے پھلپلی دفعہ ایک تقریر میں کہا تھا کہ کسی کے پیچھے ہجوم ہو جانا، کسی جلسے میں زیادہ حاضری اور کثیر اجتماع اس امر کی دلیل نہیں کہ اُسے عوام کا اعتماد حاصل ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ”خواجہ صاحب ساری زندگی تو اسے دلیل اور مدار قرار دیتے رہے وہ اب کیوں گریز فرما رہے ہیں؟ اور اگر اجتماع دلیل نہیں اور کسی کے ساتھ اکثریت ہو جانا مدار نہیں تو پھر مسلم لیگ کو واحد نمائندگی کا حق کیسے حاصل ہے؟ اور پھر آپ کس واحد نمائندہ جماعت کے صدرِ اعظم ہیں؟“

مرزا ایت جیسے فتنے کی پرورش برطانیہ نے کی ہے، اگر افغانستان ہوتا تو اس فتنے کا کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ امیر حبیب اللہ پرہد کی ہزار ہزار رحمت ہو، جس نے افغانستان کی حدود میں مرزا ایت کو داخل نہ ہونے دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے امیر حبیب اللہ کو ایک خط لکھا کہ میں نبی بن گیا ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ، امیر حبیب اللہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو جواب دیا ”ایں جاہ آ (ہیہاں آ) مرزا غلام احمد وہاں کیسے جاتا؟ اور اگر چلا جاتا تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا اور مرزا غلام احمد کا دماغ درست ہو جاتا۔“

دورانِ تقریر امیر شریعت نے آئی جی پولیس میاں انور علی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”کیا میاں صاحب نے ”الفضل“ میں شائع شدہ مرزا محمود کا خطبہ یا بیان پڑھا ہے ؟ اگر نہیں پڑھا تو اب پڑھیں اور اس کے ساتھ ان پرچوں کو بھی پڑھیں جن میں ”الفضل“ نے ”خونی ملا“ کے آخری دن ”لکھ کر علمائے کرام کو قتل کی دھمکی دی تھی“۔

”الفضل“ کی عبارت

”ہاں آخری دقت آن پہنچا ہے۔ اُن علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو یہ علماء قتل کراتے آئے ہیں۔ اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔“

(۱) سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے (۲) ملا بدایونی سے (۳) ملا احتشام الحق سے (۴) ملا محمد شفیع سے (۵) ملا سودودی پانچویں سوار سے۔

”الفضل“ ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء

آپ یہ اقتباس پڑھ کر سنا رہے تھے کہ مجمع سے ایک آواز آتی ہے حکومت اُس دقت کہاں سو رہی تھی ؟

”حکومت تو وہیں سو رہی تھی جہاں اب ہے لیکن تم کہاں سو رہے ہو ؟ جو اس مشین کے پرزے ہو۔“

میں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں دولتانہ سے ملاقات کی اور ڈائریکٹر تعلقات عامہ کی وساطت سے اخبار ”الفضل“ کا یہ اقتباس پڑھ کر سنایا تو میاں صاحب نے ایکشن لینے کا وعدہ کیا۔ مگر وہ وعدہ ہی کیا جو دفا ہو گیا۔

آخر میں امیر شریعت نے فرمایا:

”مجلس عمل کا جو وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا تھا اس وفد کے سامنے خواجہ صاحب مرزائی وکیل کی حیثیت سے پیش آئے اور فضلی بروزی کا جھگڑا لے بیٹھے۔“

میں پوچھتا ہوں، خواجہ صاحب ایک وزیر ہیں، انہیں شیخ الاسلام
کس نے بنایا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے
بعد خواجہ صاحب خود بخود شیخ الاسلام کے فرائض بھی انجام دینے
لگ گئے ہیں۔

عوام سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعت نے تقریر کے آخر میں کہا۔
تم ناموس مصطفیٰ کا تحفظ کرو، میں تمہارے کٹے پالنے کو تیار ہوں۔
میں تمہارے صودہ چراؤں گا۔ میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان
بنایا، ملک تقسیم کرایا ہے، یہ انجمن احمدیہ نے نہیں بنایا۔ مرزا محمود اور
ظفر اللہ کا پاکستان سے کیا تعلق؟ یہ قوم بریدہ سگان برطانیہ
آج پاکستان میں دندنا رہے ہیں، ہم ان کی یہ خدارانہ سرگرمیاں
ہرگز برداشت نہیں کریں گے، یہ درخواست نہیں چیلنج ہے۔

امیر شریعت
حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی



کراچی پنچ مجلس عمل کے رہنماؤں نے ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں

راست اقدام کا فیصلہ

ایک اجلاس منعقد کیا جس میں راست اقدام کا پروگرام اور طریق کار طے کیا گیا اس اجلاس میں حسب ذیل تاریخی قرارداد منظور کی گئی۔

۱۸ جنوری کے کنونشن میں مرکزی حکومت کو جو نوٹس دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا، وہ چونکہ مجلس عمل کے ایک وفد نے اس حکومت کے حوالے کر دیا تھا اور ۲۲ فروری کو اس نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی ہے، بلکہ مزید چار دن بھی گزر چکے ہیں اس لئے اب پُر امن راست اقدام کی شکل کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔

راست اقدام کی شکل کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانچ رضا کار ایسے جھنڈے اٹھائے ہوں گے جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔ شاہراہ عام پر سے نہیں بلکہ چھوٹی سڑکوں پر سے ہوتے ہوئے وزیراعظم کی کوٹھی پر جائیں گے اگر وہاں سنتری اُن رضا کاروں کو روکے گا تو وہ اس سے کہیں گے کہ وہ وزیراعظم کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کی درخواست کرنے آئے ہیں، اور وہ اسی صورت میں واپس جائیں گے کہ وزیراعظم ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں۔

اگر یہ رضا کار گرفتار کر لئے جائیں گے تو مجلس عمل پانچ رضا کاروں کا ایک اور دستہ بھیج دے گی اور یہ سلسلہ پُر امن طریقے پر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مطالبات تسلیم نہ کئے جائیں گے۔

گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی اسی قسم کا پہرہ لگایا جائے گا تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس تحریک کا رخ محض خواجہ ناظم الدین کی طرف

ہے کہ وہ بنگالی ہیں۔

مولانا ابوالحسنات اس متبرک تحریک کے پہلے ڈیکٹر مقرر کئے گئے اور انہیں گرفتاری کی صورت میں اپنے جانشین کی نامزدگی کا اختیار دے دیا گیا۔ یہ بھی تسرار دیا گیا کہ اسی دن شام کو آرام باغ میں جو جلسہ عام ہو رہا ہے اس میں عوام کو مشورہ دیا جائے کہ وہ حسب معمول اپنے کاروبار میں مصروف رہیں اور رضا کاروں کے ساتھ نہ جاتیں ۷

۲۶ فروری نمازِ عشا کے بعد آرام باغ کراچی میں مولانا ابوالحسنات کی صدارت میں ایک عظیم عوامی اجتماع ہوا جس میں قرارداد کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطبہ منونہ کے بعد کہا۔

”آپ حضرات میری زندگی کے گزشتہ تیس تیس سالوں کو جانتے ہیں میں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا، اپنے ضمیر سے مطمئن ہو کر ڈالا۔ پھر چاہے راتے میں جو آتے، میں نے اسے ہمیشہ ٹھکرا دیا۔ انگریز جیسی جابر سلطنت جب میرے مطالبہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکی تو اس ملک کے حکمران جنہوں نے یہ ملک اللہ اور رسول کے نام پر حاصل کیا تھا اور آج اسی ملک میں وہ اپنے قوانین اور حکومت کے زور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیونکر ٹھہر سکتے ہیں۔

۲۲ فروری کے بعد تائیں دم ہم حکومت کے فیصلے کے منتظر رہے، مگر وہ خاموش تماشائی کی طرح ہمارے جذبات کا امتحان لیتی رہی۔

۶ اگست ۱۹۵۲ء کو پاکستان کے وزیر اعظم نے اپنے ایک آرڈی ننس کے ذریعے سرکاری ملازمین پر پابندی عائد

کی تھی کہ وہ کسی مخصوص فرقہ کے عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود مرزائی افسران نے اس آرڈی ننس کا جو مذاق اڑایا وہ حکومت اور عوام دونوں کے سامنے ہے۔

سب سے پہلے مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے بیان دیا کہ ہم اپنے مذہبی عقائد اور ضمیر کی تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتے، اس کے بعد میاں نصیر احمد فاروقی چیف سیکرٹری حکومت سندھ، خان بہادر ڈاکٹر میا احمد سہرٹنڈٹ راڈر سینی ٹوریم، کرنل سید شبیر حسین شاہ الپکٹر جنرل جیل خانہ جات اور ان کے علاوہ دوسرے مرزائی افسران نے کئی بار کھلے جلسوں کی ملاقاتیں کر کے کفر و ارتداد کی تبلیغ کی اور سرکاری احکام کا کھلم کھلا منہ چڑایا، لیکن ان کے خلاف کوئی ایجنشن نہیں لیا گیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل حکومت خود مرزائیت کی تبلیغ کر رہی ہے۔

ان کے مقابل اگر مسلمان اپنے دینی عقائد اور اسلامی روایات کی تبلیغ کریں تو اسے سرکاری اثر ڈال کر بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی قومیں ارباب اقتدار سے اپنے مطالبات کرتی ہیں اور حکومتیں انہیں تسلیم بھی کرتی ہیں مگر ہمارے ارباب اقتدار عجیب ہیں۔ پوری قوم متفقہ طور پر ان سے مطالبہ کر رہی ہے لیکن ارباب اقتدار کے ہرے کانوں تک کوئی آواز نہیں پہنچ رہی اور وہ ملت اسلامیہ کی آواز کو سنی اُن سنی کر رہے ہیں۔ مسلمانانِ پاکستان نے تاج و تخت ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلے میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور مرزائی وزیر خارجہ کو وزارت سے برطرف کرنے کے متعلق حکومت سے جو

مطالبات کئے تھے، ارباب اقتدار ان مطالبات کو تسلیم نہیں کر رہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے تحفظ ختم نبوت کی تحریک کو دبلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا خواجہ ناظم الدین بھی مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، جیسا کہ مرزائیوں کے متعلق پوری قوم کے مطالبات کو درخور اعتنا نہیں سمجھ رہے۔ مجھے خصوصی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ خواجہ ناظم الدین اور مرزائیوں کے درمیان کوئی رشتہ ناطے بھی ہو چکے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو مسلمان کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کریں گے، کیونکہ مسلمان قوم کے حکمران وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمان ہوں اور محمدؐ عربی کے غلام۔ محمدؐ عربی کے باغی، کافر اور مرتد مسلمان قوم کے حکمران نہیں رہ سکتے۔“

تقریر کے آخر میں آپ نے غصے اور جذباتی لہجے میں فرمایا۔
 ”آل مسلم پارٹیز کنونشن نے حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس دیا، جس کی میعاد چار دن ہوتے ختم ہو چکی ہے۔ ایک ماہ کے مسلسل صبر آزما اور توجہ کے باوجود حکومت نے جس بے اعتنائی کے ساتھ مسلمانان پاکستان کے متفقہ مطالبات کو ٹھکرا دیا یہ اس حکومت کے زوال کی نشانی ہے۔“

عوام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا :-

اس رات کے بعد قوم جو قدم اٹھائے گی، اس کی خبر داری پھر حکومت پر ہوگی۔ مسلمان ناموس مصطفیٰ کے تحفظ کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ رات دو بجے کے قریب یہ اجتماع ختم ہوا۔ تمام رہنما دفتر تحفظ ختم نبوت

(بند بڑو کراچی) میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ ابھی وہ نیند سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے کہ پولیس کی بھاری جمیعت نے دفتر کی تمام عمارت کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ کراچی کے ذمہ دار پولیس افسروں نے رہنماؤں کو جو اس وقت دفتر میں موجود تھے، گرفتار کر لیا۔ یہ ۲۷ فروری صبح چار بجے کا واقعہ ہے جس میں حضرت امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء مولانا سید ابوالحسنات قادری، ماسٹر تاج الدین انصاری، صاحبزادہ فیض الرحمن، مولانا لال حسین اختر، سید مظفر علی شمسی اور مولانا عبدالرحیم جوہر، مولانا عبدالحمید بدایونی، غازی اللہ فاضل ایڈیٹر ہفتہ وار حکومت، کراچی اور چودھری نیاز لدھیانوی۔

(نوٹ) اس اجتماع میں غیر ملکی پریس اور فوٹو گرافرز کے علاوہ امریکی میسج کے ارکان بھی موجود تھے، امیر شریعت کے اندازِ خطابت طرزِ تکلم کو دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا۔

”اگر یہ شخص امریکہ میں ہوتا تو تمام عمر امریکہ کا صدر رہتا“
آرام باغ کی اسی تقریر سے متاثر ہو کر سندھ کے ایک ڈپٹی نے سعودی عرب میں اپنے ایک دوست کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ

اگر ۲۶ تاریخ کو آرام باغ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر نہ سنتا تو شاید میں گمراہ ہو جاتا۔ الحمد للہ کہ ان کی تقریر نے مجھے گمراہ ہونے سے بچا لیا ورنہ قریب تھا کہ میں مرزائی ہو جاتا۔

مذہب پرستی کی سیاست نے مذہب کے قاتل
گرفتاریاں - نظر بندیاں | کو اس بڑی طرح مجروح کیا کہ ۲۸ فروری کا آفتاب

بھی سوگ وار دکھائی دیا۔ ملکی اخبارات کے سیاہ حاشیہ حکومت کے خلاف بغاوت اور نفرت کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کراچی میں مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری حصول پاکستان کی نفی معلوم ہونے لگی جو ملک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے حاصل کیا گیا تھا اس کی اساس نہ صرف میل ہو رہی تھی بلکہ بادِ موسم اُس کی بہاروں کو سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

حکومت کی ناعاقبت اندیشی | مجلس عمل کی تجویز دہنوں اور دلوں سے نکل کر ہنوز زبانوں تک پہنچی ہی تھی کہ

قانون نے دہلیز لیا۔

۱۔ تجویز کے مطابق پانچ رضاکار مجلس عمل کے مطالبات کا پیرز
 اٹھائے کراچی کے بے رونق راستوں سے گزر کر وزیر اعظم کی
 رہائش گاہ تک جاتے گے۔ یہاں اگر سپاہی انہیں روکے تو وہ وہیں
 بیٹھ جاتے گے تا وقتیکہ ان کے مطالبات منظور نہ ہوں۔
 یہ تو خیر بعد کی بات تھی۔

۲۔ آنے والے کسی طوفان کا رونار و کمر

ناخذ آنے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا!

کراچی ایسے پُر ہجوم شہر میں پانچ آدمیوں کا گزر کیا معنی رکھتا جب کہ ان کے
 ساتھ کوئی بینڈ باجا نہ تھا۔ انہیں نعرہ لگانے کی اجازت نہ تھی۔

اول تو حکومت کے آجلانہ فیصلہ نے یہ نوبت نہ آنے دی۔ اگر ایسا ہو بھی
 جاتا تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔

۳۔ تصور میں چلے آتے تمہارا کیا جگرہ جاتا

تمہارا پردہ رہ جاتا، ہمیں دیدار ہو جاتا

مجلس عمل بھی ممکن ہے اس سے آگے نہ جاتی کیونکہ جب پہلا قافلہ گرفتار ہوتا تب دوسرا اس کی جگہ لیتا۔ مگر امور سلطنت اور بات ہے عقل دوسری بات۔

آخری بات کی تائید میں ۱۹۳۹ء کے دو واقعات۔

مرکزی مجلس احرار نے دوسری جنگ عظیم کے دنوں فوجی بھرتی کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کی اس سلسلے میں امرتسر احرار رضا کار سول نافرمانی کرتے ہوئے فوجی بھرتی کے خلاف جلوس نکالتے اور نعرے لگاتے، جب پولیس انہیں گرفتار کر لیتی تو اس کی جگہ دوسرا قافلہ آجاتا، لیکن اسے گرفتار نہ کیا گیا۔ وہ شام کو دفتر احرار میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن بھی یہی کچھ ہوا۔ تیسرے روز رضا کار جلوس کی صورت میں نکلے اور فوجی بھرتی کے خلاف مظاہرہ کرتے رہے مگر امن و امان سے گھروں میں پہنچ گئے۔ یہ عمل ایک ہفتہ جاری رہا۔ شہر میں برطانوی جنگ کی پالیسی اور فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں ہوتیں، جلوس نکلتے، مگر مقامی حکام خاموش تماشہ دیکھتے رہے، بالآخر امرتسر میں احرار کو یہ تحریک واپس لینا پڑی۔

اسی طرح شمال مغربی صوبہ سرحد کے احرار رہنما مولانا عبدالقیوم پوپلزئی اور ان کے رفقاء نے مرکزی حکم کے تحت سرحد میں فوجی بھرتی اور برطانیہ کے خلاف تحریک شروع کی، مگر سرحد حکومت نے کوئی نوٹ نہ لیا آخر ان لوگوں نے راولپنڈی پہنچ کر اپنے پروگرام کو عملی صورت دینا چاہی مگر یہاں بھی وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امرتسر، پشاور اور راولپنڈی میں احرار سول نافرمانی کی تحریک

ناکام ہو گئی۔
 یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ان شہروں کے ڈپٹی کمشنر انگریز تھے۔ ان کی حکمت عملی
 اور سیاسی سوچ بوجھ نے ان شہروں میں فوجی بھرتی کے خلاف تحریک ناکام کر دی۔
 مگر ہمارے نوازیدہ ملک کے حاکم۔ حاکم نہیں تھے بلکہ ہنوز یہ غیر تربیت یافتہ
 تھے کہ انہیں حکومت سونپ دی گئی۔
 بات اگر مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری تک رہتی تو ممکن تھا کہ حالات یہ شکل
 اختیار نہ کرتے مگر وزیراعظم کو یقین دلایا جا چکا تھا کہ مجلس عمل نے پچپن ہزار کے
 قریب رضا کار بھرتی کئے ہیں۔

لندن ٹائمز کے نمائندے نے حکومت پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا
 کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ سائل کے مؤثر ملاو کی قوت
 نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ڈائریکشنل کمشنر نے مجھے بتایا کہ
 ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے
 کہ ملک کی صورت حالات یہ تبدیلی انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ
 غم قریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی، ملک خضریات خان
 اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ڈائریکشنل کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم
 نے مرکزی حکومت کو صورت حالات کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے
 امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرز عمل اختیار کرے گی۔

(منیر انکوائری رپورٹ ص ۱۶۶)

جب وزیراعظم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صورت حال روز بروز
 نازک ہوتی جا رہی ہے اور قانون و انتظام کو جو خطرہ درپیش ہے اس
 کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ تدا بیر فوری طور پر اختیار کرنی چاہئیں۔

تو انہوں نے مرکزی کابینہ کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے نمائندوں کو بھی اس اجلاس میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی چنانچہ یہ اجلاس ۲۶ فروری کی شام کو منعقد ہوا اور اس میں صوبہ سرحد سے خواجہ شہاب الدین گورنر اور خان عبدالقیوم وزیر اعلیٰ اور پنجاب سے مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال، مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انپکٹر جنرل پولیس شامل ہوئے۔ مسٹر آئی آئی چندریگر گورنر پنجاب اور مسٹر ممتاز محمد خان دولتانہ وزیر اعلیٰ دونوں اس اجلاس میں مدعو کئے گئے تھے لیکن چونکہ انہیں لاہور میں بعض دوسری مصروفیتیں لاحق تھیں اس لئے وہ کراچی نہ جاسکے، لیکن انہوں نے وزیر مال پنجاب اور انسٹروں کو پوری ہدایات دے دیں اور وہ کراچی پہنچ گئے۔ اس اجلاس میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔ ایک تو وہ تین مطالبات جو ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم میک پہنچائے گئے تھے، دوسرے وہ خطرہ جو قانون دانتظام کوڈلائٹ ایکشن کے اس پروگرام سے لاحق ہو رہا تھا، جو مرکزی مجلس عمل نے تجویز کر رکھا تھا پنجاب کے نمائندوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کو بتا دیں کہ حکومت پنجاب کی رائے میں مطالبات غیر معقول ہیں اور سختی سے ان کی مزاحمت ہونی چاہیے۔ کابینہ کا اجلاس ۹ بجے شب تک جلدی رہا، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا بعد کی صبح کو دو بجے کابینہ کا ایک اور اجلاس طلب کیا گیا کیونکہ یہ اطلاع موصول ہوتی تھی کہ اسی دن صبح کو رضا کار گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کریں گے، اس اجلاس میں گورنر سندھ، گورنر صوبہ سرحد وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد چیف کسٹرز اور انپکٹر جنرل پولیس کراچی سیکرٹری وزارت داخلہ اور ڈپٹی چیف آف سٹاف شریک تھے۔ اس میں

مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے :-

۱۔ اس شورش کے تمام نمایاں لیڈر بشمول مولانا اختر علی خان مالک "زمیندار" گرفتار کر لئے جائیں۔

۲۔ "آزاد" "زمیندار" اور "الفضل" کی اشاعت روک دی جائے۔

۳۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کو تبیہہ کی جائے کہ وہ ربوہ سے باہر نہ جائیں نہ کوئی ایسا فعل کریں جس سے ہيجان و اشتعال پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

۴۔ رضا کاروں کو کراچی آنے سے روکا جائے اور ان کے خلاف اسی شیش پر کارروائی کی جائے جہاں سے وہ سوار ہو رہے ہوں۔ ان فیصلوں سے متبع ہونے کے بعد مسٹر چٹھہ وزیر مال۔ مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انپکٹر جنرل پولیس اُسی دن لاہور واپس چلے آئے۔

جب پنجاب کے نمائندے، ۲۴ فروری کو لاہور واپس آئے تو انہوں نے اپنی حکومت کو کراچی کے فیصلوں سے آگاہ کیا۔ مسٹر انور علی انپکٹر جنرل پولیس نے ان فیصلوں اور مرکزی حکومت کی اختیار کردہ پالیسی کو عمل میں لانے کے لئے اپنی تجاویز کا مسودہ تیار کیا۔ یہ تجاویز ایک اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئیں جس میں چیف منسٹر، وزیر مال ہوم سیکرٹری، انپکٹر جنرل پولیس اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی شریک تھے۔ تجاویز حسب ذیل ہیں۔

(۱) احراریوں کے تمام سرگرم کارکن اور دوسرے افراد جو "ڈائریکٹ ایکشن" کی حمایت کے ذمے دار ہیں (بروئے فہرست منسلک) آج رات صوبے بھر میں گرفتار کر لئے جائیں۔

(ii) لاہور کے سوا دوسرے اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زیر دفعہ ۳ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ یہ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔ لاہور میں نظر بندی کے احکام حکومت

پنجاب کے حکم کے ماتحت جاری ہونے چاہئیں، بیرونی اضلاع کے افراد کی مزید نظر بندیوں کے احکام مناسب وقت کے اندر اندر حکومت کی طرف سے بھیج دیئے جائیں گے۔

(iii) ذیل کے اخباروں کی اشاعت ممنوع قرار دی جلتے :-

(الف) "زمیندار" (ب) "آزاد" (ج) "الفصل"

(iv) ہوم سیکرٹری خواجہ تھیر احمد کو جو سول ایڈمنسٹریٹو گزٹ کی پالیسی کے نگران ہیں طلب کر کے یہ سمجھا دیں کہ ان گرفتاریوں پر اخبار مسرت نہ کیا جائے اور آئندہ ایک یا دو ماہ کے دوران میں انتہائی ضبط سے کام لیا جائے۔

(v) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ اصالتاً خلیفہ بشیر الدین محمود کو تنبیہ کر دیں کہ وہ اپنی جماعت کے ممبروں کو خصوصاً اپنے سیکرٹریٹ کے عملے کو ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

(vi) جو رضا کار لاہور سے روانہ ہوں ان کے متعلق سندھ پولیس اور کراچی پولیس دونوں کو اطلاع دی جائے تاکہ برسرِ راہ ان کی گرفتاریوں کا انتظام کیا جاسکے۔

(vii) ہوم سیکرٹری ۲۸ تاریخ کو ایک پریس کانفرنس منعقد کریں جس میں اخباروں کو حکومت کا نقطہ نگاہ سمجھا دیں۔ اور ان سے اپیل کریں کہ وہ لوگوں کو مبرور سکون اور ضبط کی تلقین کریں۔

(viii) ایک گشتی مراسلہ تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو بھیجا جائے جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اس اقدام کا پس منظر واضح کیا جائے ان افسروں سے یہ بھی کہا جائے کہ وہ معقول و سنجیدہ عناصر کی امداد سے عوام کو قانون و انتظام کی اہمیت کا قائل بنائیں۔

ہوم بیکری نے مندرجہ ذیل لاسکی پیغام فی الفور اضلاع راولپنڈی گجرات
سیالکوٹ، لاکپور، منٹگمری، ملتان، سرگودھا اور شیخوپورہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور
پولیس پرنٹنٹوں کو ارسال کر دیا :-

” چونکہ امدادیوں کے خلاف شورش پتہ صورت اختیار کر گئی
ہے اس لئے ذیل کے اشخاص کو زیر دفعہ ۳ پبلک سیفٹی ایکٹ چودہ
دن کے لئے گرفتار کر لیجئے۔ مزید نظر بندی کے احکام حکومت جاری
کرے گی اور مناسب وقت کے اندر اندر سال کر دے گی۔ آپ
آپ دونوں میں سے جو صاحب بھی صدر مقام پر موجود ہوں وہ ۲۷
۲۸ فروری کی درمیانی رات کو یہ کارروائی کر کے تعمیل کی رپورٹ بھیج
دیں۔ چٹھی اس پیغام کے ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ صرف پولیس
پرنٹنٹوں کے لئے، تا احکام ثانی آپ روزانہ ضمنیاں ڈی آئی جی
سی آئی ڈی کو لاسکی کے ذریعے سے بھیجا کریں۔ یہ ضمنیاں مختصر ہونی
چاہئیں۔ ان میں ہر قسم کی اہم معلومات جو دستیاب ہو سکے درج ہونی
چاہئیں یہ بھی بتایا جائے کہ حکومت کے اقدام کا عام ردِ عمل کیا ہے۔
خصوصاً اگر لاہور یا کراچی کو رضا کار بھیجنے یا مقامی طور پر سول نافرمانی کرنے
یا اس سلسلے میں سرمایہ فراہم کرنے کی سرگرمیوں کو شش نظر آتے تو اس کی
پوری اطلاع دی جائے۔

راولپنڈی : مولوی غلام اللہ خاں خطیب مسجد پرانا قلعہ راولپنڈی
گوجرانوالہ : مولوی محمد اسماعیل گوجرانوالہ شہر
سیالکوٹ : (۱) قاضی منظور احمد رنگپورہ سیالکوٹ شہر (۲) ولی محمد خیریل
سیالکوٹ شہر

لاٹل پور : (۱) غلام نبی جانباز لاکپور (۲) غازی محمد حسین سالار لاکپور
(۳) مولوی عبید اللہ لاٹل پور۔

منٹگمری (۱) مولوی عبید اللہ جامعہ رشیدیہ منٹگمری (۲) مولوی لطف اللہ
منٹگمری

ملتان (۱) محمد علی جالندھری ملتان (۲) قاضی احسان احمد شجاع آبادی ضلع
ملتان (۳) شیخ محمد سعید خانیوال ضلع ملتان۔۔

سرگودھا: مولوی عبداللہ سرگودھا
شیخوپورہ: قاضی محمد امین شیخوپورہ۔

ایک اور لاسکی پیغام کے ذریعے سے اضلاع گجرات، جلم، کیمبل پور، جھنگ
ڈیرہ غازیخان، میانوالی، مظفر گڑھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں
کو اطلاع دی گئی کہ دوسرے اضلاع میں احمدیوں کے خلاف شورش کے سلسلے
میں جماعت احرار کے بعض مبسروں اور بعض غیر احراریوں کی گرفتاری کے حکام
صادر کئے گئے ہیں لہذا آپ لوگ چوکتے رہتے اور اگر آپ کے اضلاع میں
کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہونے کی توقع ہو تو فی الفور حکومت کو اطلاع دیجئے۔

ایک "نہایت فوری" انتہائی مریح "خفیہ" اوٹی پی مرزوار مورخہ
۲۷ فروری ۱۹۵۳ء مرکزی حکومت کی طرف سے حکومت پنجاب
کو موصول ہوا جس میں اول الذکر نے مطالبات کے متعلق اپنا نظریہ
پیش کیا تھا۔

۲۔ (i) احمدی ہوں یا پاکستانیوں کا کوئی دوسرا طبقہ ہو اس کو اس کی
خواہشات کے خلاف اقلیت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ امر
حکومت کے مذاقات میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو
زبردستی اقلیت بن جانے پر مجبور کرے۔

(ii) احمدیوں کو صرف اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں حکومت کے کلیدی
عہدوں سے برطرف نہیں کیا جاسکتا نہ عزت مآب وزیر خارجہ
کی برطرفی کا مطالبہ محض اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں قابل توجہ ہو

سکتا ہے۔ کسی وزیر کو عہدے سے برطرف کرنے کے لئے ایک آئینی مشینری مہیا ہے جب تک کسی وزیر کو اپنے رنقلاتے کار کا اور مرکزی آہلی میں منتخب نمائندگان جمہور کا اعتماد حاصل رہے اس کو عہدے سے برطرف نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی وزیر محض اس لئے عہدے سے برطرف نہیں ہو سکتا کہ عوام کا ایک طبقہ ڈائریکٹ الیکشن کی دھمکی دے کہ اس کی برطرفی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کوئی سرکاری ملازم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت کے کسی ماتحت عہدے سے محض اپنے مذہب کی وجہ سے موقوف نہیں کیا جاسکتا۔

(iii) حکومت کے کلیدی عہدوں سے احمدیوں کی برطرفی کا مطالبہ بظاہر اس اندیشے کی بنا پر کیا جا رہا ہے کہ غالباً وہ لوگ اپنے مخصوص فرقہ وارانہ عقائد کی تبلیغ کی غرض سے اپنی پوزیشن کا ناجائز استعمال کریں۔ اس اندیشے کو دور کرنے کے لئے حکومت نے سخت ہدایات جاری کر دی ہیں کہ کوئی وزیر یا سرکاری افسر اپنے فرقے کے عقائد کی تبلیغ نہ کرے۔

۳۔ مرکزی حکومت پیرا گراف ۲ کے مطابق کوئی سرکاری اعلان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تاوقتیکہ صورت حال اس قسم کے اعلان کی متقاضی نہ ہو لیکن صوبائی حکومتوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ فی الفور ان خطوط پر نشر و اشاعت کا وسیع انتظام کریں اور اخبارات کی مناسب رہنمائی کریں۔

۴۔ کراچی میں اس شورش کے نمایاں لیڈروں کی گرفتاری کے بعد آج ایک سرکاری اعلان جاری کیا جا رہا ہے یہ ضروری ہے کہ احراریوں کو شورش کے اُن حامیوں سے جو نسبتاً کم جو شیلے ہیں علیحدہ اور منقطع کر دیا جائے اور فی الحال حملے کو احراریوں ہی پر

ترجمہ کیا جاتے۔ سرکاری اعلان میں اصراریوں کے متعلق جو طریق اظہار اختیار کیا گیا ہے۔ اس کو تقویت دینے کے لئے اصراریوں کی گزشتہ بدفعالیوں اور موجودہ افتراق ایگزمرگر میوں کی پُر زور اشاعت کی جاتے۔
(میر انکوائری رپورٹ مش ۱۲ تا ص ۱۲۹)

حکومت کے ان ناما قبت اندیشانہ فیصلے نے دواسی آگ کو ہوا دے کر آلاؤ کی شکل دے دی جس نے سارے پنجاب کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔ ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات کو کراچی میں مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاریوں نے عوام کے جذبات بہت حد تک مشتعل کر دیئے تھے، لیکن ۲۸ اور ۲۹ فروری کی درمیانی شب پنجاب پولیس کے طرز عمل نے برطانوی یاد تازہ کر دی دو اور تین بجے رات تحریک تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں اور لیڈروں کو ان کے گھروں سے گرفتار کرنے کے لئے چاروں اور ڈاکوؤں کی طرح چھاپے مارے۔

۲۹ فروری کو جمعہ تھا۔ اس دن مصنف (جانباز مرزا) نے پنڈی بھٹیاں (ضلع جھنگ) جانا تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر لائلپور (فیصل آباد) پہنچا۔ رات جامع مسجد میں کراچی میں رہنماؤں کی گرفتاریوں پر احتجاجی جلسہ تھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر رات ایک بجے گھر پہنچا۔ ابھی نیند ابتدائی مراحل میں تھی کہ پولیس آن وارد ہوئی۔ ان دنوں رانا جہان داد خان لائلپور پولیس کے ڈی ایس پی تھے۔ نہایت شریف طبع اور منسار پولیس آفیسر تھے، خانگی اعتبار سے ان کا تعلق مفکر احرار چودھری فضل حق سے تھا۔ کوٹوال شہر کا نام تو یاد نہیں البتہ پہلوان کہا جاتا تھا۔ دونوں پولیس آفیسروں نے میرے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور نام لے کر آواز دی۔ میری خوشامنیہ جاگ رہی تھیں انہوں نے پولیس کی آواز سن کر کہا۔ وہ تو گھر نہیں ہیں۔

رانا جہان داد خان، اماں جی! وہ گھر پہنچے ہیں آپ دروازہ کھولیں۔
اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ پتہ چلا کہ پولیس گرفتاری کے لئے آتی ہے۔

میں نے آواز دی رانا صاحب! میں آرہا ہوں اجازت ہو تو کپڑے تبدیل کر لوں۔
رانا صاحب: ہانکل۔

اس پر دوسری آواز کو تو الی شہر کی تھی۔
مرزا صاحب! ذرا دینے کی روشنی زیادہ کر دیں۔
میرے گھر بجلی نہیں تھی۔ کڑوے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ اس پر رانا جہانداد نے
نے برجستہ کہا۔

”پہلوان! الیسوں کے گھرا لیے ہی ہوتے ہیں“

پولیس آفیسر کا یہ فقرہ میری زندگی کا حاصل بن گیا۔
بہر حال گرفتاری کے لئے باہر نکلا تو لا تعداد مسلح پولیس اور فوج کا دستہ
موجود تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔ گلی سے باہر کھڑی پولیس کی جیب
میں بٹھا کر مقامی جیل میں پہنچا دیا۔ جیل کے عملہ نے مجھے اُسی دتت چھانسی کو کھڑی
میں بند کر دیا۔

۱۹۴۲ء کے بعد میں دوسری مرتبہ اس جیل میں لایا گیا تھا۔ اُن دنوں دوسری
جنگ عظیم کے دوران میری طرح ہزاروں محب وطن برطانیہ کی جنگی پالیسی کے
خلاف نبرد آزما جیل خانوں میں پڑے تھے۔

۱۹۴۴ء کے شروع میں تین برس کی نظربندی کے بعد ملتان سنٹرل جیل سے
رہا ہوا تو یقین تھا کہ اب ملک آزاد ہو جائے گا۔ خزاں کے خشک پتے جھڑتے
ہی بہار کی کونسلیں چھوٹنے لگیں گی اور پھر خزاں کا موسم کبھی نہیں آئے گا۔ مگر
نصیب کی بات ہے۔

سہ ہوئے جوان تو مرنے لگے حسینوں پر
 ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے
 جب بہار آئی تو قفس کی تیلیاں راستے کی دیوار بن گئیں۔ جس بہار کی آمد پر شبنم
 نے کئی راتیں آنسو بہائے، آج لالہ و گل کا لہوان بہاروں کو داغدار کر رہا تھا۔
 سہ ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
 ہائے کجخت، وہ بھی تیرا چاہنے والا نہ نکلا
 میں اپنی یادداشتوں کے انہیں زیر و بم میں تھا کہ جیل کے بڑے پھاٹک کے کھلنے کی آواز
 آئی۔ دیکھا تو مقامی مجلس احرار کے صدر مولانا عبید اللہ احرار گرفتار ہو کر لائے گئے تھے۔ انہیں



بھی میرے ساتھ پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

معلوم ہوا اصلاح لائپور سے میرے بعد مولانا عبید اللہ احرار کے علاوہ غازی محمد حسین (ناندیا نوالہ) کی بھی پولیس کو ضرورت تھی مگر وہ زد میں نہیں آئے۔

بعد کا قصہ سناؤ، اسے میری بے ہوشیو!

سن ترانی کی صدا سننے تک تو ہوش تھا

جب کوئی تحریک حکام کے خلاف ابھرتی ہے تو ملکی آئین حکام کا پشتی بان ہوتا ہے۔ دوسری طرف اپنے مقاصد کے حصول میں جا میں دینے والے کفن بردوش موت سے لڑ جانے کو تیار ہوتے ہیں۔

ہم دونوں کی گرفتاری کے بعد لائپور شہر کے عوام پر کیا گندری۔ یہ کہانی پاکستان ٹائمز لاہور کے نمائندہ قلم لائپور حمید اصفہر نجید کی زبانی سنئے۔

”مرکزی مجلس احرار کے رہنما مرزا غلام نبی جانی ز اور مقامی مجلس احرار کے مولانا عبید اللہ احرار کی گرفتاری کے بعد لائپور کو تحریک تحفظ ختم نبوت کا مرکز بنا دیا۔ یہ دونوں رہنما مقامی تحریک کے روح رواں تھے۔ مقامی اخبارات نے ان کی گرفتاری پر ضمیمے شائع کئے۔ کاروباری مارکیٹیں بند ہو گئیں۔ عوام کے چہرے اُداس اور حکام کے خلاف غصیلے نظر آ رہے تھے۔ شہر میں بڑتال کا سا سماں تھا۔ نوجوان ٹولیوں کی صورت میں بازاروں میں ختم نبوت زندہ باد، مرزا سیت مردہ باد کے نعروں سے اپنے دلی جذبات کا پُر زور مظاہرہ کر رہے تھے۔ مقامی اخبارات نے ان واقعات کی صحیح رپورٹ اخبار پاکستان ٹائمز کو بھیجنے سے مجھے منع کر دیا۔ میں نے کہا میں آپ کی رپورٹ بھیج سکتا ہوں لیکن اپنی رپورٹ میں وہی لکھوں گا جو میں نے دیکھا۔

اس موقع پر ڈپٹی کمشنر قدرے ناراض ہوئے۔ ایک مجسٹریٹ نواز صاحب موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا نجید صاحب آپ انتظامیہ

کا موقف انتظامیہ کے الفاظ میں بھجوائیں۔

انتظامیہ کا موقف تھا۔

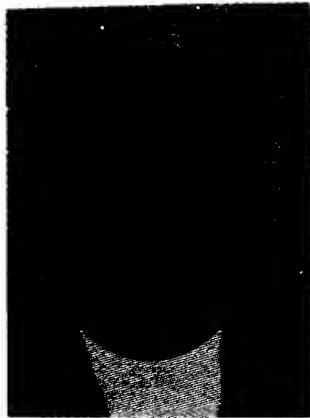
چند شہر پسندوں نے مسافر گاڑی کو روک لیا۔ نعرے بازی کی۔ لوٹ مار کی اور مسافر عورتوں سے دست درازی کی۔ اس پر حالات بگڑ گئے۔ اور پولیس کو بحالت مجبوری گولی چلانا پڑی۔ اب حالات قابو میں ہیں۔ اور شہر میں امن و امان ہے۔ پاکستان ٹائمز لاہور میں میری بھیجی گئی رپورٹ کا صرف سرکاری حصہ شائع ہوا۔



جس پر مجھے سخت شرمندگی تھی۔ لیکن چونکہ لائلپور کے لوگ جانتے اور میرے جذبات سے آگاہ تھے۔ لہذا یہ بات میرے لیے طعن نہیں بنی۔ بلکہ ہر کسی نے محسوس کیا کہ صرف سرکاری رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔

ہر روز عوام کے جذبات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شہر کا کاروبار لائلپور میں کرفیو | بند تھا۔ بے کار اور جذباتی توجہ انوں کے طرز عمل پر مقامی حکام کے تشدد نے حالات کو مزید آگے بڑھنے کا موقعہ دیا۔ شہر کے معزز علمائے کرام کی گرفتاری نے ہنگاموں میں اضافہ کر دیا۔ علماء کی گرفتاری کے بعد مولانا تاج محمود نے مرکزی جامعہ مسجد میں بیٹھ کر حالات کو قدرِ سنبھالا دیا۔ مگر اُن کے روپوش ہو جانے سے حالات اور شراب ہو گئے۔ مقامی جامعہ مسجد کے خطیب مولانا محمد یونس، مولانا محمد یعقوب نورانی، سید افتخار الحسن شاہ، مولانا محمد اشرف عطا کی گرفتاری سے حالات مزید آگے بڑھے۔ اس طرح حالات مقامی حکام کے قابو میں نہ رہے تو انہیں کرفیو لگانا پڑا۔

کرفیو کے دوران بحیثیت نامہ نگار شہر میں گھوم پھر کر واقعات کی رپورٹ کرتا رہا۔ اس پر مجھے وارننگ دیتے ہوئے مجسٹریٹ نے کہا۔



مولانا فیصل احمد قادری

”آپ آئندہ بغیر کرفیو پاس شہر میں نہ پھریں اور نہ کوئی رپورٹ کریں۔“
 مجھے تو کرفیو پاس کوئی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فرض کی
 بجا آداری میں بدستور مصروف رہا۔ آخر مجھے ٹریٹ نے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔
 ”اگر آپ باز نہ آئے تو آپ کو گولی مار دی جائے گی۔“

یہ بات سن کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ کام تو آپ جب چاہیں کر سکتے ہیں۔“

تحریک ختم نبوت کے دوران لائلپور میں سینکڑوں مسلمان گرفتار ہوئے۔

جن میں سے اکثر کو پولیس شہر سے دو چار میل دُور لے جا کر چھوڑ دی جاتی تھی۔

حمید احمد غفر نجید | نامہ نگار خواہ کسی اخبار سے متعلق ہو، ذمہ داری کے اعتبار سے اخبار



فقہ جعفریہ کے رہنما علامہ کفایت حسین

کے ایڈیٹر سے کہیں زیادہ یا اختیار اور حوصلہ مند ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اخبار کے مالک اس کی ہر بات کو یقین کی حد تک اہمیت دیتے ہیں۔ بشرط یہ ہے کہ جو خبر وہ اپنے اخبار کے لیے بھیج رہا ہے اس کی سچائی پر یقین ہو۔ پھر چاہے جان جائے۔ نہ تو وہ خبر کے ذرائع بتا سکتا ہے اور نہ اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں جو قلم ہے وہ اس کے ضمیر اور ایمان کی امانت ہے۔

تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے دنوں لاہپوری حکام نے مسلمان ہوتے ہوئے جو کردار ادا کیا۔ اُن کا ایمان اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ ایسے موقع پر حمید اصغر نجید نے پاکستان ٹائمز کا نامہ نگار بننے سے تہمتیں جس جرأت کا مظاہرہ کیا یہ اُن کی صحافتی ذمہ داری کا ثبوت ہے۔ حمید اصغر نجید کا روحانی اور جسمانی تعلق لدھیانہ شہر سے ہے۔ یہیں کے علمائے سب سے پہلے دجال قادیان پر قلم اٹھایا تھا۔ نیز یہیں کے علمائے کرام نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے فتوے پر دستخط کئے تھے۔

حمید اصغر نجید ۱۹۴۷ء میں لدھیانہ سے ہجرت کر کے لاہپور اور پھر لاہور آ گئے۔



حمید اصغر نجید

یہاں گذشتہ ایکس سال سے پاکستان کے نامور اخبار نویس وقت میں بطور سنیئر سب ایڈیٹر کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اختر علی خان کی گرفتاری اور معافی | کراچی میں گرفتاریوں کے اثرات پنجاب کے دیگر شہروں کے علاوہ لاہور اور لاہور میں شدت سے محسوس کئے گئے۔ ۲۸ فروری کو نوجوانوں کی ٹولیاں شہر کے بازاروں میں دکانیں اور مارکیٹیں بند کرنے میں پرجوش نظر آئیں۔ جلے اور جلوس کی ہنگامہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔ مرزاہیت مردہ باد کے نعروں سے سارا لاہور گونج اٹھا۔ اسی دوران عوام کو اطلاع ملی کہ اختر علی خان مالک اخبار زمیندار کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس خبر نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اختر علی خان کی گرفتاری کے واقعہ کو منیہ انکوائری رپورٹ کے ۱۵۴، ۱۵۳ پر اس طرح درج کیا گیا۔

”مولانا اختر علی خان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا۔ لیکن جب پولیس آفیسر جو اس وارنٹ کی تعمیل پر مامور تھا، نے یہ وارنٹ مولانا کو دکھایا تو انہوں نے کہا، اگر مجھے گرفتار کیا جائے تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ میں آئندہ اس شورش سے قطع تعلق کر لوں گا۔ اس پر پولیس آفیسر انہیں سول لائن ہفتانے میں لے گیا۔ وہاں مولانا نے یہ معافی نامہ لکھ کر دے دیا۔

”میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ تحریک نے اب جو شکل اختیار کی ہے وہ پاکستان کی سالمیت کے لیے نقصان رساں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر یہ تحریک اسی طریقے سے جاری رہی تو پاکستان کے دشمن اس سے ناوابہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اور ہر پاکستانی ایسی تحریک کو ناپسند کرے گا۔ جس سے پاکستان کی سالمیت تباہ ہو۔ اس تحریک کا موجودہ رجحان ملک میں افتراق اور انہری پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔ اگر خدا نخواستہ فسادات بڑھ گئے اور حکومت قوت استعمال کرنے پر مجبور ہو گئی تو یہ امر فریقین کے لیے سخت ذلت کا باعث ہو گا۔

میری رائے میں مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ پوری کائنات سے بھی زیادہ بیش بہا ہے۔ لہذا ہمیں اس معاملے پر مزید غور کرنا چاہئے۔ تاکہ صورتِ حالات کو درست کیا جاسکے۔

میرا کوئی تعلق موجودہ ڈائریکٹ ایکشن سے نہیں ہے میں نے ابھی نشتِ درد کی حمایت کی ہے۔ نہ میں گورنر جنرل، وزیرِ اعظم اور دوسرے اکابرِ پاکستان کو ملامت و دشنام کا نشانہ بنانے، اُن کے جنازوں کے جلوس نکالنے یا اُن کی کوٹھیوں پر پلنگ کرنے کا حامی رہا ہوں۔

اس قسم کے افعال تو درکنار، میری رائے میں ایسے افعال کا تصور بھی کسی صحیح خیال پاکستانی کے لیے زیبا نہیں۔

ہمیں چاہئے کہ اپنے ملک کے داخلی نظم و نسق کو مستحکم کرنے اور غیر ممالک کی نظروں میں حکومت کی ساکھ اور عزت کو بلند کرنے کے لیے ایسے افعال کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔ جن کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم دنیا کی نگاہوں میں اضعوف بن جائیں۔

یہ یکم مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے۔

تحریر یک ختم نبوت سے انحراف | زمین اچھی ہو بیج میں کوئی نقص نہ ہو اور پانی بھی موسموں کے مطابق وافر ہو اس پر بھی اگر فضل امید افزا

نہ ہو تو کسان کو دلی صدمہ ہوتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان جذباتی اور اپنی تلون مزاجی کے باوجود فرنگی سامراج سے زندگی بھر بہادرانہ انداز سے ٹکراتے رہے۔ اُن کی سیاسی اور اخلاقی زندگی پر اگر کوئی داغ آیا تو اُس کی ذمہ داری اُن کے فرزند اختر علی خان پر عائد ہوتی ہے۔ اس کا کلمہ مولانا ظفر علی خان نے اس طرح کیا ہے۔

سے کوئی دشمن میری تذیل نہ کر سکتا تھا کبھی
یہ روزِ سیاہ مجھ کو دکھا یا میرے گھر کے چراغاں نے

اختر علی خان تحریک ختم نبوت کے ابتدائی مشوروں میں برابر کے شریک تھے۔ اُن کے قلم سے تحریک کی حمایت میں کئی اداریے "زمیندار" میں شائع ہوئے جن کی وجہ سے اخبار کی اشاعت بڑھی۔ محرمیدان کارزار میں پہنچ کر اختر علی خان نے اپنے قلم اور ضمیر کی جس طرح مٹی پلید کی اس پر اُن سے کلمہ نہیں وہ پیشتر ازیں تحریک مسجد شہید گنج کے دنوں جبکہ مسلمان مسجد کے حصول میں دہلی دروازہ سے باہر گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ لاہور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایس پرتاب کے اُکسانے پر اپنے والد، جو اُن دنوں کرم آباد میں نظر بند تھے، کا جھوٹا پیغام سنا کر تمام مورچہ برباد کر دیا۔ (اس کی تفصیل مصنف کی کتاب "تحریک مسجد شہید گنج" میں دیکھیں)

عین اسی طرح اختر علی خان نے تحفظ ختم نبوت کی رواں تحریک کے سمندر میں اپنی ایمانی کمزوری کی گندی اینٹ پھینک کر پاک مقاصد کو ناپاک کرنے کی جسارت کی۔ (مصنف)

منیر رپورٹ کے محرک مزید لکھتے ہیں:

"اس ذلت آمیز معافی نامے کی بنا پر مولانا اختر علی خان کو نہ گرفتار کیا گیا، نہ اُن کے اخبار زمیندار کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔"

ہائے! اُس زود پیشیاں کا پشیمان ہونا! | جیسے ہی عوام کو معلوم ہوا کہ مولانا اختر علی خان معافی مانگ کر اپنے گاؤں کرم آباد ضلع گوجرانوالہ پہنچ گئے، عوام غضبناک ہو گئے۔ اُسی غصے کے عالم میں بعض حضرات اُن کے گاؤں پہنچے اور انہیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ اختر علی خان نے الزام کی صحت سے انکار کیا اور ۲ مارچ کی صبح لاہور پہنچ گئے اور مسجد وزیر خان جاکر عوام پر اپنا موقف واضح کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ:

"میں اس تحریک کا اسی طرح وفادار ہوں جیسے پہلے تھا۔"

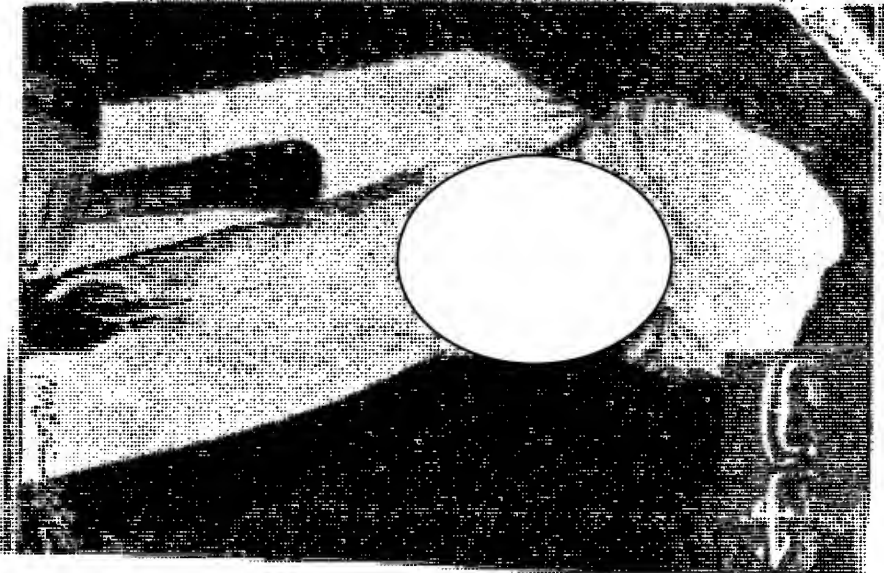
انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ:

"میں تیسرے پر اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کروں گا۔"

چنانچہ شام کے وقت ہزاروں افراد کے ساتھ وہ مسجد وزیر خان سے نکلے تو پولیس نے انہیں دیگر حضرات کے ساتھ گرفتار کر لیا۔
(مینر رپورٹ ۱۵۵، ۱۵۶)

مولانا احمد علی لاہوریؒ کی گرفتاری | میدان کارزار گرم ہو تو آفیسر سے سپاہی تک وقت کا انتظار کئے بغیر ڈھول کی تھاپ پر جہاد کا رقص شروع کرنے لگتے ہیں۔

۲ مارچ کا دن لاہور میں تحریک تحفظ ختم نبوت کا انتہائی گرم اور پرجوش دن تھا۔ عوام مرکزی حکام کی مزرائی نواز پالیسی پر غم دھستے کا اظہار کرتے ہوئے دیوانہ وار کوچہ و بازار میں پھر رہے تھے۔ سرکاری عمارات اور آفیسروں کی گاڑیاں نذرِ آتش ہو رہی تھیں۔ اس طرح ایک طرف انتہائی خان سجدہ سو کرتے ہوئے وزیر خان کی مسجد سے گرفتاری کے لیے جلوس کی صورت قانون شکنی کر رہا تھا تو دوسری طرف قافلہ ہائے حریت کے بہادر جرنیل حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنی پیرائے سالی کے باوجود ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے گرفتاری کے لیے کفن بردوش نکل آئے۔ وہ دہلی دروازہ کے باغ میں پہنچے ہی تھے کہ انہیں پولیس نے زبردستی سیٹھ لکھ گنغا کر لیا۔



لاہور میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ | سر روز کا سورج اپنی کرنوں میں تپش کی ایسی تیزی لے کر طلوع ہوتا کہ لاہور آگ بگولہ دکھائی دیتا تھا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ اپنی جانوں کا نذرانہ لے کر شیع رسالت کے گرد ہورہے تھے۔ وقت کا تقاضہ بھی تھا کہ ختم نبوت کی گرتی ہوئی دیوار کو سروں کا نذرانہ دے کر ختم لیا جائے۔ اس کی سالمیت اور بقاء کے لیے مٹی اور گارے کی جگہ خون اور ہڈیاں دے کر اس عمارت کو قائم رکھا جائے۔

اس طرح ایک طرف ایمان اور دوسری طرف ملازمت کی ذمہ داریاں باہم منضام تھیں۔ ایمان سے زیادہ ملازمت کو مقدم جانتے ہوئے مسلمان پولیس آفیسروں نے امر عامہ کو باقی رکھنا ضروری اور اہم سمجھتے ہوئے اندرون لاہور دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا۔ لیکن جن کا عشق صادق ہو وہ دریا کی تیز موجوں اور طوفانوں سے ٹکرا کر بھی یار سے کٹے ہوئے وعدے کو نبھاتے ہیں۔

ہے خون دل کے بہاروں میں ثمر لائیں گے

ہم رہ عشق میں سردے کے گزر جائیں گے

(جہاننا زمرا)

بغاوت نہیں احتجاج | یاتزاروں سے گھروں تک، ملازمین سے کاروباری منڈیوں تک لوگ سراپا احتجاج تھے۔ کہ سر ظفر اللہ کو پاکستان کی وزارت خارجہ کی ذمہ داری الگ کر دیا جائے اور بس۔

”اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا“

اس پر مجلس عمل کے رہنماؤں نے حکومت کی منتیں کیں، درخواستیں دیں، لیڈروں کے وفد وزیراعظم سے ملے، جلوس نکالے گئے، جلسے ہوئے لیکن کیا مجال کہ حکومت کے کان پر جوں تک رینگے ہو۔ کہا تو یہ کہا کہ:

”اگر ظفر اللہ کو وزارت سے الگ کر دیا گیا تو امریکہ ہمیں گندم نہیں

دے گا۔“

اس کے برعکس دجال اعظم کا بیٹا بشیر الدین محمود بر ملا کہہ رہا تھا:

”ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے اور ساری قومیں
شیر و شکر ہو کر رہیں۔ تاکہ ملک کے حصے بکھرے نہ ہوں۔ بے شک یہ کام بہت
مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد ہوں تاکہ احمدیت
اس میں پروتھی کرے۔“

چنانچہ اس رویہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے عارضی طور پر افتراق ہو، اسی لیے
جماعت احمدیہ کا الہامی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے۔ اور کچھ وقت کے لیے
دونوں قومیں جدا جدا رہیں مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد دور ہو
جائے۔ بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔
(اخبار الفضل ۵ اپریل ۱۹۷۱ء)

ابن دہال بشیر الدین محمود دوسری جگہ کہتا ہے۔

”یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضا مند ہوئے تو خوشی سے نہیں
بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں۔“

(الفضل ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء)

”الہامی کتاب میں مرزا بشیر الدین واضح طور پر کھل کر کہتا ہے کہ پاکستان کی
موجودہ تقسیم عارضی ہے اور یہ تقسیم غیر فطری ہے۔ کچھ دنوں بعد دونوں علاقے ایک
دوسرے سے مل جائیں گے۔ احمدیوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح پاکستان
اور بھارت ایک ہو جائیں کیونکہ اس طرح احمدیوں کو زیادہ فائدہ ہے اور وہ
دوسری قوموں کو اپنی تبلیغ آسانی سے کر سکیں گے۔“

فرقہ باطلہ کے مندرجہ بالا نظریات اور وطن دشمن ارادوں کے باوجود حکومت نے
پاکستانی عوام سے الجھنا مناسب سمجھا۔ جس فرقہ باطلہ کی حفاظت کے لیے حکومت مسلم

عوام سے ٹکراتی ہے۔ وہ نہایت اطمینان سے ہم نوالہ وہم پیالہ ہیں۔



ابن دجال بشیر الدین اور غدار پاکستان ظفر اللہ

جس ملک کی بنیاد کلمہ توحید پر ہو جس ملک کی بنیاد میں ہزاروں بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں کی معیتیں دفن ہوں جس ملک کے حصول میں لاکھوں گھراؤں سے ہوں۔ اربوں جائیداد کی تنہائی ہوئی ہو۔ لاکھوں مسلمان کفر کے ہاتھوں شہید ہوئے ہوں۔ اُس ملک میں بیچہ کراہی دجال

یہ کہے کہ :

”پاکستان کی موجودہ تقسیم عارضی ہے اور یہ تقسیم غیر فطری ہے۔ کچھ دنوں کے

بعد دونوں علاقے ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔“

اس پر اگر مسلمان پُر امن احتجاج کریں تو اُسے بغاوت قرار دے کر انہیں قابلِ گردن زدنی قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔ اگر اس کو بغاوت ہی سمجھ لیا جائے تو یہ بغاوت پاکستان سے نہیں بلکہ حاکمانِ وقت کے غلط فیصلوں کے خلاف تھی۔

۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو حالات مزید آگے بڑھے۔ دوسرے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا قتل | شہروں سے قافلے دھڑا دھڑ لاہور پہنچ رہے تھے۔

ان میں سے اکثر کے گلے میں قرآن مجید اور زبانوں پر کلمہ طیبہ ہوتا۔ ان کا قیام مسجد وزیر خان میں تھا۔ رضا کاروں کی آمد آمد سے مسجد اپنی تنگ دامنی کا بھلہ کر رہی تھی۔

گذشتہ دنوں سے لاہور کے حکام خریک تحفظ ختم نبوت سے جو برتاؤ کر رہے تھے۔ اس سے عوام اور حکام کے مابین ایسا زہر پھیلا جس کا کوئی تریاق نہیں تھا۔ طوفان کا پانی کناروں سے باہر آچکا تھا۔

عوامی تحریکیں جب رہنماؤں کے ہاتھوں سے نکل جائیں تو ان میں ایسا عنصر داخل ہو جاتا ہے۔ جو تحریک کو اپنے ڈھب پر چلانے لگتا ہے اس سے تحریک کے مقاصد بگڑ جاتے ہیں۔

شروع میں مجلسِ عمل کے رہنماؤں نے فیصلہ کیا تھا (جیسے کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے) کہ :
”صرف پانچ رضا کار ہاتھوں میں مجلسِ عمل کے مطالبات پر مشتمل بیڑا اٹھائے

کراچی کے غیر معروف بازاروں سے گذر کر وزیراعظم کی قیام گاہ تک جائیں گے۔“

اس سے قبل تحریک کے رہنماؤں نے وزیراعظم سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ صرف وعدہ کر لیں کہ آج نہیں تو آئندہ دو چار ماہ تک مجلسِ عمل کے مطالبات مان لیے جائیں گے۔ مگر اسے حاکمانِ وقت کے ذہنوں کا سیاسی فقدان کیسے کہ انہوں نے اس مقدس تحریک کو

محض اپنی ناکھچی سیاسی اقتدار اور باہم رقابت کے باعث اس درجے تک پہنچا دیا۔ کہ توڑا تیبہ مملکتِ خدا داد پاکستان کو آگ کے انگاروں پر لا کھڑا کیا۔

لاہور میں جمع ہونے والے رضا کاروں کے قافلے بذریعہ ریل کراچی پہنچ کر رسول نافرمانی کا ارادہ رکھتے تھے۔

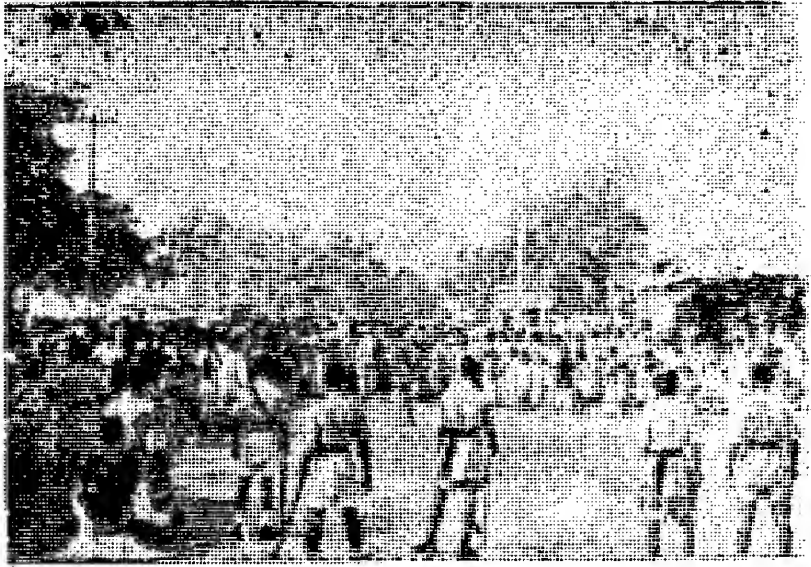
لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کے دو راستے تھے۔ اول دہلی دروازہ سے لنڈا بازار، نوکھا اور ریلوے اسٹیشن، جبکہ دوسرا راستہ دہلی دروازہ سے برانڈرغٹ روڈ، چوک داگراں اور ریلوے اسٹیشن۔ ان دونوں راستوں پر فوج اور پولیس کی بھاری تعداد قافلوں کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ رضا کار آگے بڑھتے پولیس روکتی۔ اس جدوجہد میں پولیس لاٹھی چارج کرتی، جس سے رضا کار زخمی ہوتے۔

اس کھراؤ میں غیر پسندیدہ عناصر (جو عموماً ایسی ہنگامی تحریکات میں شریک ہو کر اپنا کام کرتے ہیں) کے علاوہ مرزائی مختلف لباس پہنے ہنگامہ آرائی میں شامل ہو کر اس پُر امن تحریک کا رخ تشدد کی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ قسم قسم کی افواہیں پھیلاتے جن میں ایک یہ تھی۔ ”چوک داگراں میں پولیس نے لاٹھیاں مار کر ایک بچے کو شہید کر دیا۔ دوسری افواہ کہ قرآن کریم کے اوراق پھاڑ دئے گئے۔“

یہ افواہیں نہیں یا حقیقت۔ بہر حال اس نے جگہ میں آگ کی طرح پھیل کر رواں پر امن تحریک کا رخ موڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی دروازہ سے مسجد وزیر خان کے درمیانی راستے میں پھیلے ہوئے عوامی ہجوم نے پولیس آفیسروں کا گھیراؤ کر لیا۔ اس کی اطلاع جب کوئٹہ والی پہنچی تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس فردوس شاہ پولیس آفیسروں کی امداد کے لیے ہجوم میں آگھسا اور پولیس کی روایتی زبان استعمال کرنا چاہی۔ اس پر ہجوم جو پہلے سے غصے میں تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پر ٹوٹ پڑا۔ اور اسے قتل کر دیا۔

حقیقت اور افسانہ آمنے سامنے | ذمہ دار ہاتھوں سے عوامی تحریکیں جب غیر ذمہ داروں کے ہتھے چڑھ جائیں تو ان کے نتائج حقیقت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ اگر ہنگامہ آرائی کی ذمہ داری وقت کے حکمران پر آن پڑے تو پھر وہ اپنے خود ساختہ آئین کی چھتری میں بیٹھ کر اپنے کو بری الذمہ قرار دینے کے بہانے تراشتے لگتے ہیں۔





رداں تحریک کو غلط قسم کی افواہوں نے جن کے محرک مرزائی اور غنڈہ عناصر تھے، جب اس موڑ پر پہنچایا اور خود حکمران اس کی زد میں آنے لگے تو قانون کی اوٹ میں اپنے کو مجرم ہونے سے بچانا چاہا۔ اس سلسلے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے قتل کی روداد منیئر رپورٹ کے صـ پر اس طرح درج ہے :

ہم مارچ کو کابینہ کا ایک اجلاس ہوا جس میں چیف سیکرٹری ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس بھی شریک ہوئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک تقریر کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ جو گذشتہ شب مولانا عبدالستار نیازی نے مسجد وزیر خان میں کی تھی یہ تقریر سخت اشتعال انگیز تھی۔ اور مقرر کی گرفتاری کے لیے ہوم سیکرٹری نے زیر دفعہ ۳، پبلک سیفٹی ایکٹ ایک حکم صادر کیا تھا۔ لیکن اس کی تعمیل نہ ہو سکی۔ کیونکہ جس مسجد میں نیازی نے اپنے آپ کو مسند نشین کر رکھا تھا۔ وہ شورش پسندوں کا ایک منصوبہ گڑھ بن چکی تھی۔ جس میں داخلہ محال تھا۔

فوج نے بظاہر ہیڈ کوارٹر کے احکام کے ماتحت گشت لگانا بند کر دیا تھا۔ بلکہ ایک یا دو کمپنیاں جناح گارڈن سے واپس چھاؤنی بھی چلی گئی تھیں۔ بہت سے جلوس نکالے گئے اور منتشر کئے گئے۔ ان میں سے ایک جلوس نے احمدیہ یلڈنگز کا محاصرہ کر لیا جس کو اسسٹنٹ سب انسپکٹر محمد اکرم نے جیلے لاکھٹی چارج سے منتشر کر دیا۔ اب ٹرینیوں اور لاریوں سے رضا کاروں کے بے شمار دستے لاہور میں داخل ہو رہے تھے۔ سرگودھا کے رضا کاروں کے ایک دستے کو سب انسپکٹر محمد حامد نے تو لکھا تھا کہ قریب منتشر کیا۔ برائڈر تھر روڈ پر ایک سو دس رضا کاروں کے ایک اور دستے نے سید حسنا احمد سٹی محسٹریٹ، ملک خان بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا سامنا کیا۔ رضا کاروں نے منتشر ہونے سے انکار کیا اور چوک دالگراں پہنچے۔ جہاں ان پر انٹک اور گیس چھوڑی گئی۔ وہ پھر بھی منتشر نہ ہوئے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ جب لاکھٹی چارج بھی غیر مؤثر ثابت ہوا تو پولیس والوں نے انہیں ایک ایک کر کے اٹھایا۔ ٹرکوں میں ڈالا اور لے گئے۔ اس واقعہ کے متعلق غلط افواہیں فوراً پھیلنے لگیں۔ ظاہر کیا گیا کہ پولیس نے رضا کاروں کو منتشر کرتے ہوئے قرآن مجید کی توہین کی۔ اس کو ٹھوکریں لگائیں۔ اس کے اوراق پھاڑ دئے۔ اور ایک چھوٹے سے ٹرک کے کو ہلاک کر دیا۔ دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا جس میں ایک لڑکا پیش کیا گیا۔ جو اپنے ہاتھ میں قرآن مجید کے چند اوراق لیے ہوئے تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں کلام الہی کی اس توہین کا عینی گواہ ہوں۔ ایک مولوی (غالباً مولوی محمد یوسف) نے یہ اوراق ہاتھ میں لے کر حاضرین کو دکھائے۔ اور ایک نہایت پرتشدد تقریر کی جس سے غصے میں بھرا ہوا مجمع اور بھی زیادہ غضبناک ہو گیا۔ واقعہ کی یہ بناوٹی کہانی ہر جگہ چوش میں بھرے ہوئے لوگوں کا موضوع گفتگو بن گئی۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر جیل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی جس سے پولیس کے خلاف غیظ و نفرت کے جذبات براہِ نیچنتہ ہو گئے۔

ہم نے والگراں کے واقعہ کا مذکورہ حال تحریری بیانات اور افسروں کی شہادت سے اخذ کیا ہے لیکن اس کے متعلق احراریوں اور مجلس عمل والوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ قطعاً مختلف ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اس واقعہ کے دوران میں ایک پولیس افسر نے قرآن کو ٹھوکر ماری۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو زد و کوب کر کے مار ڈالا۔ اس قول کی تائید میں محمد نذیر گواہ نمبر ۳۲، محمد ضیف گواہ نمبر ۳۳، شیخ محمد رفیق گواہ نمبر ۳۴، اور سرانج دین گواہ نمبر ۳۵ نے بیان دئے ہیں۔ عدالت نے سید حسناں احمد سٹی مجسٹریٹ اور ملک خان بہادر خان سپرنٹنڈنٹ پولیس (پنجاب کنسٹیبلری) کی شہادت بھی قلمبند کی ہے جو موقف پر موجود تھے۔ غیر سرکاری گواہوں کا بیان ہے کہ رضا کاروں کا ایک دستہ چوک والگراں کی طرف سے ریلوے اسٹیشن کی طرف آ رہا تھا کہ پولیس نے اس کو روکا۔ رضا کاروں سے منتشر ہونے کے لیے کہا گیا لیکن وہ بیٹھ گئے اور جب انہیں پاس کھڑے ہوئے لڑکوں کی طرف بے جا ہٹنے کی کوشش کی گئی تو وہ زمین پر لیٹ گئے۔ اور انہیں گھسیٹ کر لے جانا پڑا۔ جو لوگ اس طرح گھسیٹے گئے ان میں ایک بوڑھا آدمی بھی تھا جس کے پاس ایک حائل تھی۔ جب وہ گھسیٹا جا رہا تھا تو گر پڑی اور ایک پست قامت پولیس افسر نے جس کے گلے میں لٹکھڑکتا اس کو ٹھوکر ماری اس معاملے کے متعلق گواہوں میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حائل ٹھکرا کر نالی میں پھینک دی گئی یا وہیں زمین پر پڑی رہی اور آیا وہ جزدان میں مدفون تھی یا بنیر جزدان کے تھی جو شخص حائل پہنے ہوئے تھا۔ وہ طلب نہیں کیا گیا۔ نہ اُس شخص کا کوئی اتہ پتہ دیا گیا اور نہ اُس لڑکے کے متعلق کوئی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان پولیس آفیسر غواہ وہ کتنا ہی لاندہب کیوں نہ ہو کتاب اللہ کو ٹھوکر مار سکتا ہے اور اس شدید ترین کافرانہ حرکت کا مجرم بن سکتا ہے۔

ہمارے سامنے بحث میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ

ممکن ہے کتاب اللہ نادانستگی کی حالت میں پامال کر دی گئی ہو۔ سید حسناں احمد اور ملک حمان بہادر خان دونوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا ہے اور چونکہ اس بارے میں غیر سرکاری شہادت مایوس کن حد تک ناکافی اور قبل ہے۔ اس لیے ہم قبول نہیں کر سکتے کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکری ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے جو دوسری چالیں اختیار کیں وہ حسب ذیل تھیں:

۱۔ اس مضمون کے اشتہار شدت کئے گئے کہ جھنگ اور سرگودھا میں ایک بزار سے زیادہ اشخاص گولیاں مار مار کر ہلاک کر دئے گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس دن ان مقامات پر ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔

۲۔ یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹر کاروں میں سوار ہو کر اندھا دھند لوگوں پر گولیاں چلاتے رہے ہیں۔

۳۔ مسجد وزیر خان سے یہ اعلان کیا گیا کہ سرکاری ملازموں نے دفتروں میں ہڑتال کر دی ہے اور تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔

۴۔ یہ خبریں پھیلائی گئیں کہ ضلع کی پولیس نے گولی چلانے سے انکار کر دیا ہے اور اب صرف بارڈر پولیس اور کنسٹیبلری پولیس گولیاں چلا رہی ہے۔

یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں اپنے ایک جیب میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا۔ اور اس کی تائید میں متعدد دگواہ پیش کئے گئے۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پُر اسرار گاڑی میں بعض نامعلوم افراد اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اُس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی۔

ساڑھے چالیسے شام دہلی دروازے کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس

کے حاضرین کی تعداد ساڑھے پانچ ہزار کے قریب تھی۔ اس جلسے میں بھی یہ بیان کیا گیا کہ چوک دالگراں میں پولیس نے ایک لڑکے کو گولی مار دی ہے اور فرآن مجید کو پامال کیا ہے۔ جلسے کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا جو مسجد وزیرخان کی طرف روانہ ہوا۔ منظور الحق اور محمد صادق اسسٹنٹ سب انسپکٹروں نے مسجد کے قریب اس ہجوم کو روک لیا۔ سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو فون پر اطلاع ملی کہ لوگ ان اسسٹنٹ سب انسپکٹروں کو اٹھا کر مسجد میں لے گئے ہیں اور یہ دونوں ہلاک کر دیئے گئے ہیں یا عنقریب کئے جانے والے ہیں۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ایک مسلح ریزرو دستہ زیر سرکردگی سب انسپکٹر مظفرخان (نصفاء کوٹوالی) ساتھ لیا اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ اُن کو بلوائیوں نے گھیر لیا اور ان پر پتھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے وہیں ہلاک دیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر باون زخموں کے نشان تھے۔ ان کا اپنا ریلو اور ان کے ساتھی پولیس مینوں کی دوبندوقیں چھین لی گئیں۔ اور سب انسپکٹر مظفرخان زخمی ہو گیا۔ ڈی ایس پی کی نقش کو کسی نے کوٹوالی پہنچا دیا۔

لاہور پولیس کے حوالے | گذشتہ روز کے واقعات نے پُر امن عوام کا سکون بُری طرح متاثر کیا۔ رات بھر گولیاں چلنے کی

آوازیں آتی رہیں۔ ہر مارچ کا دن بھی اسی افرا تفری میں گذرا۔ ڈاکخانے جلائے گئے۔ پولیس کی گاڑیوں کو نقصان پہنچا۔ اس پرسی مجسٹریٹ نے لاہور کے معزین کو امن قائم کرنے کے لیے کہا، لیکن سب نے یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ دفعہ ۴۴ کی دھمکیاں بُری طرح اڑائی گئیں۔ مرزائیوں کے گھر اور جائیدادیں لوٹ کر انہیں نظر آتش کیا گیا۔ لاہور باغیانہ پور میں ایک مرزائی کو قتل کر دیا۔ شہر کے کاروباری اداروں کو نقصان پہنچا۔ بعض مقامات پر عوام اور پولیس کے درمیان تصادم کے واقعات ہوئے۔ کئی پولیس کانسٹیبل زخمی ہوئے۔ لوہاری دروازہ کے باہر فوج پر پتھراؤ کیا گیا۔ جواب میں فوج کو گولی چلانا پڑی۔ سیکریٹریٹ کے ملازمین نے کام چھوڑ دیا۔ اسلامیہ کالج اور دیال سنگھ کالج کے طلباء نے کلاسیں چھوڑ

دی۔ پولیس کے حوصلے بڑھانے کے لیے انہیں حکومت کی طرف سے کئی قسم کے لالچ دئے گئے کہ وہ اس تحریک کو دبا لیں۔ بعض جگہوں سے سائیکلو اسٹائل اشتہار تقسیم کئے گئے جن پر درج عبارت میں پولیس سے کہا گیا:

”کر وہ اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ کیونکہ حکومت کے خلاف یہ جدوجہد ایک جہاد ہے۔ آپ کسی پر گولی نہیں چلائیں۔“

غرض زمین سے دلوں تک بے پنی کی ایک لہر تھی جس نے سارا لاہور آگ کے دھانے پر لا کھڑا کیا۔ اس میں حکام کے عدم تدبیر کو زیادہ دخل تھا۔ باغبان اگر موسموں کا لحاظ کئے بغیر پودوں کی تخم ریزی کرتا ہے۔ تو پھر اُسے خزاں اور بادِ موسم پر غلہ نہیں کرنا چاہئے۔ بادِ بہاری بھی اپنا پلن درست نہیں کر سکتی۔ اور نہ شبنم کی آبیاری پھولوں کی رنگ و بو کو زینت بخشن سکتی ہے۔

پنجاب اور مرکزی انتظامیہ میں باہم اعتماد ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ افواہیں پروان چڑھتیں۔ اندریں اس قسم کے حالات و واقعات کی ذمہ داری نہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔ اور نہ اُن کے ارادوں میں ملک دشمنی کی کوئی جھلک نظر آتی ہے۔ انہیں پُر آشوب دنوں لاہور میں مرکزی عوامی لیگ کا اجلاس مسٹر حسین شہید سہروردی کی صدارت میں

منعقد ہوا۔ جس میں خواجہ عبدالرحیم ایڈوکیٹ، راجہ حسن اختر، ملک غلام نبی ایم اے، ملک محمد اسلم، آغا شورش کاشمیری، اور مشرقی پاکستان سے مجیب الرحمن، عطاء الرحمن خان اور مولانا عبد الحمید جہا شانی شامل تھے۔

اس اجلاس میں تحریک تحفظ ختم نبوت میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا۔ جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس وقت تحریک کی تمام باگ ڈور عبادتازیاں کے ہاتھوں میں تھی۔ اور وہ مسجد وزیر خان پر قابض تھے۔ انہیں عوامی لیگ کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ عوامی لیگ نے تحریک ختم نبوت میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کا وفد اُن سے ملنے آیا ہے۔

مولانا عبدالستار نیازی اپنی اُنا کے مطابق اُن سے مخاطب ہوئے۔
 ”بیجے حضرات! اینگلو انڈین محمدن بھی اس تحریک میں شمولیت کا فیصلہ کر
 رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تحریک میں شامل ہونا کوئی گہری سازش ہے۔“
 عبدالستار نیازی کے اس جواب پر عوامی لیگ کا وفد دل برداشتہ ہو کر واپس
 چلا گیا۔

بہر حال ۴، اور ۵ مارچ کے مخدوش مناظر دیکھتے ہوئے سرکاری سطح پر چپ ذیل فیصلے ہوئے:
 ”صبح کو گورنر چند ریگری نے کابینہ کا ایک اجلاس منعقد کیا جس میں چیف سیکرٹری،
 ہوم سیکرٹری، جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن، بعض سٹاٹ آفسر۔ ڈسٹرکٹ
 مجسٹریٹ اور سینیئر مینسٹرنٹ پولیس بھی طلب کئے گئے۔ اس جلسے میں جو وزراء
 شریک ہوئے۔ اُن سے گورنر نے کہا کہ قوت کا استعمال نہایت مضبوطی سے
 کرو۔ کیونکہ میرا بمبئی کا تجربہ یہی ہے کہ اگر فساد کے اولین مرحلوں میں بلوائی کثیر تعداد
 میں ہلاک کر دئے جائیں تو بلوہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس اجلاس میں طویل بحث
 مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے ہ:

۱۔ چونکہ لاہور کی صورت حال بدتر ہو چکی ہے۔ اور شہر بھر میں عام ہنگامہ برپا ہے۔
 اس لیے اولاً پولیس کو چاہئے کہ فسادات کو فرو کرنے کے لیے زیادہ سے
 زیادہ جتنی قوت کا استعمال ضروری ہو۔ اس سے کام لے کر شدید اقدام کرے۔
 پولیس کے گشتی دستوں کی امداد کے لیے فوجی دستے بھی مامور ہوں گے۔ جو
 اپنے کمانڈروں کے ماتحت ہوں گے۔

۲۔ اگر پولیس کسی خاص حصہ شہر کی حالت پر قابو پانے سے عاجز ہو۔ تو جو
 سینیئر پولیس آفسروں موجود ہو اُس کو چاہئے کہ اس صورت حالات کا انتظام
 اپنے ساتھ کے فوجی کمانڈر کے حوالے کر دے۔

۳۔ اگر مندرجہ بالا تدابیر قانون و انتظام کی بحالی میں ناکام رہیں اور پولیس
 فوج کی اس جزوی امداد سے بھی عام صورت حالات پر قابو نہ پاسکے۔ تو فوج

سے کہا جائے گا کہ شہر کا چارج لے لے۔

۴۔ پولیس کے حوصلوں کو بلند رکھنے کی ہر تدبیر عمل میں لائی جائے۔ پولیس کے آدمیوں کو بتا دیا جائے کہ جو لوگ بہادری کا ثبوت دیں گے۔ اور اپنے فرائض کو امتیاز اور دیانتداری سے انجام دیں گے ان کو مناسب انعامات دئے جائیں گے۔ ان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر ادائے فرض کے دوران میں کوئی جانی نقصان ہو گیا تو وارث کو کافی معاوضہ عطا کیا جائے گا۔ سید فردوس شاہ مرحوم کے وارثوں کو حکومت کسی کالونی کے ضلع میں دو مرہے اراضی عطا کرے گی۔ ۵۔ جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کو بلوائیوں سے الگ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

۶۔ ہزار سلیسنی گورنر آج تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندہ معزز شہریوں سے خطاب کریں گے کہ وہ شہر میں عقل و ہوش کو بحال کرنے میں اپنے اثر کو استعمال کریں۔

۵ مارچ کے واقعات کے متعلق دوسرا متنازعہ فیہ امر کا بینہ کا وہ اجلاس تھا۔ جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ساڑھے چھ بجے شام گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا تھا جس کی صدارت گورنر نے کی تھی۔ اور جس میں میجر جنرل محمد اعظم خان جی اوسی، برگیدیر محق نواز، برگیدیر کلکو، چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ اے ڈی آئی جی، ہی آئی ڈی شامل ہوئے تھے۔ اس اجلاس کے فیصلوں میں ایک مہینہ فیصلہ یہ تھا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کرفیو لگانے کا حکم دیا۔

۵، اور ۶ مارچ کی درمیانی شب کو ساڑھے تین بجے شام سے چھ بجے صبح تک اور ۶ سے ۱۱ مارچ تک ۶ بجے شام سے ۶ بجے صبح تک کوئی شخص کسی طرح بازار، گلی، چھوٹی گلی شارع عام پاکستانی پبلک مقام پر باہر نہ نکلے۔ اس حکم کا اطلاق پورے شہر پر ہونا تھا۔ صرف سول لائٹز کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔

اس رقبے کے اندر کسی سپک مقام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا اجتماع، اور دن اور رات کے کسی حصے میں بھی اسلحہ اٹھا کر چلنا بھی دو مہینے کے لیے ممنوع قرار دیا گیا۔

ان حالات میں ۵ اور ۶ مارچ ۱۹۵۳ء رات تین بجے لاہور فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کارروائی کے انچارج میجر جنرل اعظم خان تھے۔



جنرل اعظم خان

راعی اور رعایا کے مابین ٹھیکیداری ہو جائے تو اس جنگ میں فریقین اپنی اپنی ضرورت کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر ملک غلام ہو تو حکمران غلاموں پر اپنی ضرورت آزماتے ہیں۔ اور غلام اپنی نجات کے لیے اپنا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک نہ تو غلام اور آقاؤں کے درمیان لڑائی کی تحریک تھی اور نہ ہی اس میں سیاست کو دخل تھا۔ ملک اپنا، فوج اپنی، قانون اپنا اور عوام بھی اپنے۔ پھر ملک بھی اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا ہوا۔ اس پر مارشل لا چھ مہینے؟

فوج کا منصب ملکی سرحدات کی حفاظت ہوتا ہے۔ نہ کہ انہوں پر چڑھ دوڑنا۔

قوتِ حاکمہ کی تلوار جب جلا دے گا ہاتھ سوئپ دی جائے تو پھر اس کی ثواب دید پر ہے کہ وہ جس کی گردن چاہے اڑا دے۔

سبیاں بسے کو تو اوال

دشمن اپنی دشمنی کے حصول میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔ مارشل لاء کا اعلان ہوتے ہی ایک طرف فوج نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالی لیں اور وہ شہر میں امن قائم کرنے میں مصروف ہو گئی۔ دوسری طرف مرزائیوں کی فرقان بٹالین فوجی وردی پہنے جیب میں سوار لاہور کے بازاروں میں مسلمانوں کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنانے لگ پڑی۔ جیسے کہ منیر رپورٹ کے صفحہ ۱۵۹ پر درج ہے۔

منیر رپورٹ کے مطابق تحقیقاتی عدالت میں گواہوں نے تسلیم کیا کہ گاڑی میں احمدی فوجی وردی پہنے مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے۔ مرزائیوں نے کسی موقع پر بھی اس کی تردید نہیں کی کہ جیب میں مرزائی نہیں تھے یا وہ جیب کسی مرزائی کی نہ تھی۔ گویا یہ اقرار بالقلب ہے دجالی ٹولے کا کہ وہ پاکستانی فوج کا لباس پہنے نہتے مسلمانوں کو شبید کر رہے تھے۔ (مصنّف)

تحریک کامرکز مسجد وزیر خان تھی۔ مارشل لاء کے باوجود دوسرے شہروں سے سینکڑوں رضاکار روزانہ کسی نہ کسی طرح قافلوں کی صورت میں یہاں پہنچ رہے تھے۔ شہر کے مخیر حضرات ان کے میزبان تھے ختم نبوت کے محافظ رضا کاروں کے دستے ہمیں سے جذبہ ایمانی کے تحت کراچی جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن کو روانہ ہوتے۔ دہلی دروازہ سے لٹا بازار اور پھر ریلوے اسٹیشن یا براسنہ برانڈر تھر روڈ چوک داگلز سے اسٹیشن پہنچتے۔ انہیں دو جگہوں پر پولیس اور فوج انہیں روکتی۔ رضا کار اور فوج کے درمیان انہیں مقامات پر کھڑا ہونا۔ اس دوران کچھ رضا کار آٹھ بچا کر رکھ جاتے، کچھ گرفتار ہو جاتے۔ اور کچھ فوج اور پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنتے۔

چونکہ مسجد وزیر خان تحریک کامرکز تھی۔ حکام کی خواہش تھی کہ کسی طرح اس مرکز کو ختم کیا جائے۔

مشغل عوام اور بے لگام گھوڑا جب آپے سے باہر ہو جائیں تو ان کے قریب جانے

و اے کو عقلمند تصور نہیں کیا جاسکتا۔

پولیس کو ابتداء ہی سے ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ملزم کو مجرم ثابت کرنے میں ایسا رویہ اختیار کرے کہ بے گناہ بھی گناہ کا اقرار کر لے۔

وہی دروازہ کے باہر اور چوک دالمران میں فوج اور پولیس جو کردار ادا کر رہی تھی۔ عوام اس سے بہت زیادہ مشتعل تھے۔ حسب معمول پروگرام کے مطابق رضا کاروں کا قافلہ جیسے ہی مسجد سے نکلے لگا۔ پولیس افسران نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ پولیس کا حلقہ توڑ کر آگے بڑھے۔ پولیس نے پھر دوکا۔ اس شعلش میں عوام اور پولیس کے مابین ہاتھ پائی شروع ہو گئی۔ بالآخر پولیس افسران کو عوام نے اپنے گھیراؤ میں لے لیا۔ تا آنکہ اس واقعہ کی اطلاع ڈی۔ ایس۔ پی سید فردوس شاہ کو ان الفاظ میں ملی کہ :

”عوام پولیس افسران کو اغوا کر کے مسجد میں لے گئے ہیں۔ شاید انہیں قتل کر دیا گیا ہے یا قتل کر دئے جائیں گے۔“

یہ اطلاع پا کر ڈی ایس پی گارڈ کے ہمراہ مسجد میں پہنچ گیا۔ جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہونے لگا۔ پولیس کے روایتی انداز میں ہجوم کو ڈاٹھنے اور زیرِ اہل کئے لگا۔ اس وقت تک مسجد میں شہداء نے ختم نبوت کی بے شمار لاشیں پہنچ چکی تھیں۔ لوگوں کے دل و دماغ اسی غم میں مبتلا تھے۔ نیز مولانا عبدالستار نیازی کی تقریروں نے انہیں مزید مشتعل کیا ہوا تھا۔



مولانا عبدالستار نیازی

ان حالات میں ڈی ایس پی کا رویہ مسجد کے اندر موجود عوام کو ناپسند تھا۔ اور پھر مجاہدین ختم نبوت کا قافلی بھی روانہ ہونے کو تھا۔ دوسری طرف پولیس کوشش میں تھی کہ وہ مولانا عبد الستار نیازی کو جس طرح بھی ہو، گرفتار کر لے۔ تحریک کی تمام دُور اُس وقت اُن کے قبضے میں تھی۔ اسی کشمکش میں عوام اور پولیس مسجد سے باہر آچکے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد وزیر خان کی پہلی ڈیوڑھی تک اُن پہنچے۔ مشتعل ہجوم میں سے کسی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو خنجر مار دیا اور اس کی لاش کو جلانا چاہا۔ لیکن لاہور کے بستہ ب کے ایک بد معاش نے آگے بڑھ کر لاش عوام سے چھین کر کوٹوالی پہنچا دی (یہ ۴ مارچ ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے) اس کی اس خدمت پر بطور انعام اُس کا نام بستہ ب سے خارج کر دیا گیا۔

اس مولر پولیس اور فوج ذہناً دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ فوج نے مارشل لا کی ذمہ داری سنبھال لی تو پولیس اپنے آفیسر (ڈی ایس پی) کے قتل کا انتقام لینے پر اُتر آئی۔ اس طرح عوام اور ختم نبوت کے مجاہدین کا دو طرفہ قتل عام شروع ہو گیا۔ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی شیع ختم نبوت کے پروانے اپنی جانیں تخت نبوت پر قربان کر رہے تھے۔

یہ آگ پھیلتی چلی گئی | مارشل لا اور اخبارات پرنسری کی پابندیوں کے باوجود ظلم و جور کی داستان کو ہوا میں اپنے دوش پر لئے لاہور سے باہر چلے گئے۔

برسنے سیاہ بادلوں کی گھن گرج پنجاب سے باہر صوبہ سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ تک پہنچ گئی۔ یہاں کے اہل ایمان ماہی بے آب کی طرح تر پٹنے لگے۔ کیوں نہ ہو، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی تو ایمان کامل کا جزو ہے۔

تحریک ختم نبوت پنجاب سے باہر کے حاکموں کو بھی اُسی طرح پسند نہ آئی جس طرح مرکزی حکمرانوں یا پنجاب کے اقتدار کو پسند نہیں تھی۔ حالانکہ یہ بھی مسلمان تھے۔ انہیں بھی حضورِ صلعم کی عزت اُسی طرح عزیز تھی جس طرح عام مسلمانوں کو، لیکن اس دُور میں اقتدار کی گری ایمان سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھی جا رہی تھی۔

سندھ کے علماء کرام | سندھ کے سینکڑوں مسلمانوں کے علاوہ یہاں کے علماء بھی تحریک ختم نبوت کے مجرم قرار دے کر گرفتار کر لئے گئے۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب سجاوول - حکیم نواب الدین حیدر آباد
 قاری محمد عیسیٰ گھوٹکی مولانا عبدالحق پٹویدین
 مولانا ناج الدین بسمل پٹویدین مولانا محمد شفیع جیس آباد
 مولانا پیر سید علی احمد شاہ صاحب ٹیاری مولانا عبد الکریم صاحب شکار پوری
 مولانا محمد صادق صاحب کھڈہ کراچی مولانا محمد شریف اتراٹا ہل سندھ مرزاٹی سیٹ
 اسی طرح شمال مغربی صوبہ سرحد سے مولانا عبد القیوم پوپلینی (پشاور) اور ان کے رفقاء
 گرفتار کر لئے گئے۔ ہری پور ہزارہ سے حکیم عبدالسلام گرفتار کئے گئے۔ مولانا غلام غوث کی
 تلاش بھی تھی لیکن وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آئے۔
 انہیں دنوں مشرقی پاکستان کے رہتاؤں کا ایک خط بھی مجلس عمل کے رہتاؤں کے نام
 آیا۔ جو ذیل میں درج ہے :

معززین رہتمایان مجلس عمل !

السلام علیکم

تحفظ ختم نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے میں مسلمانان مغربی پاکستان
 جو قربانیاں دے رہے ہیں مسلمانان مشرقی پاکستان کی ہمدردیاں اور دعائیں
 ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی کوششوں میں کامیاب کرے۔ (آمین)
 الحمد للہ ابھی تک مرزائیت کی دیا ہمارے ہاں نہیں۔ اگر کبھی خدا خواستہ
 یہاں یہ بیماری پیدا ہوئی تو انشاء اللہ ہم اس کا علاج اسی طرح کریں گے جس طرح
 حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میلہ کذاب کا کیا تھا۔
 والسلام

دعا گو (پیر) محسن الدین، (مولانا) اظہر علی

مولوی فرید احمد

نوٹ : مندرجہ بالا خط دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان سے ملا ہے۔

وزیر اعظم پاکستان کا بیان | ۱۹ مارچ (۱۹۵۳ء) کو پاکستان کے وزیر اعظم الحاج خواجہ ناظم الدین نے بیٹ اجلاس کے موقع پر اپنی تقریر کے دوران کہا کہ :

”مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے ممتاز علمائے کرام نے اگرچہ اس خاص مطالبے کی حمایت کی تھی کہ احمدیہ فرقہ کو اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے لیکن یہ ممتاز علماء و ڈائریکٹ ایجنشن کی تحریک سے علیحدہ رہے جو احراری جماعت کے نام نہاد علماء کی حمایت سے مجلس عمل نے شروع کی تھی۔“



خواجہ ناظم الدین

تواناؤں کے مزاج اور شعور میں یہ بات ہمیشہ رہی ہے کہ وہ اپنی کمزوری اور گناہ کو ناقوانوں کے دامن میں گرہ دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

رواں تحریک سیاسی نوعیت کی نہیں کہ اقتدار کو سٹھاس سے اترنے کا خطرہ ہو۔ صرف خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور تحفظ کی تحریک ہے۔ اس کے داعی احرار ہی نہیں بلکہ ہمہ مکتبہ فکر کے مسلمان ہیں۔ وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ یہ تحریک فقط احرار نے

شروع کی ہے، غلط ہے۔ اگر احرار رہنماؤں پر ہی الزام دینا مقصود ہے۔ تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں کہ وہ اس کے محرک اور داعی ہیں۔ کیونکہ یہ ملک مذہب کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا۔ اور پاکستان کے وزیر اعظم جسے جس شخص کی حمایت میں سارے ملک کو بغاوت کی آگ میں جھونک دیا ہے اُس کا عقیدہ ہے کہ:

”ہندوستان کی تقسیم کو ہم نے مجبوری کے تحت قبول کیا ہے۔ ہم (مرزا) جلد کوشش کریں گے کہ یہ پھر سے اکھنڈ بھارت بن جائے۔“

خواجہ ناظم الدین ذاتی طور پر اُس خاندان سے متعلق ہیں جس نے سب سے پہلے برصغیر میں انگریز کی آمد پر اس کے ہاتھ مضبوط کئے تھے۔ اس اعتبار سے خواجہ ناظم الدین احرار کو مجرم قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ احرار مذہباً اور سیاسی عقیدے کے اعتبار سے انگریز کے دشمن تھے اور ہیں۔

سہ نوا ناؤں کے بس میں ہے سر پائے حقارت سے
کر وڑوں ناتوانوں کی نمناؤں کو ٹھکرا نا
زیوال اُس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
کہ جس کو اپنی ہی رعایا سے پڑا ہو ٹکرا نا

(ظفر علی خان)

خواجہ ناظم الدین کی ایک اور پہچان | ۱۹۴۳ء کا سال دوسری جنگ عظیم کا مصروف ترین سال تھا۔ جرمن فوجیں ایک طرف یورپ میں برطانوی وقار کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ تو ایشیا میں آزاد ہند کی فوجی یلغار نے انگریز کے وقار کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اُن کا زیادہ دورِ صوبہ بنگال کی طرف تھا۔ صوبے کے انگریز گورنر نے اس خطرے کو بھانپ کر صوبے کا تمام اناج تلف کر دیا تاکہ عوام کو فوج کی آمد کے انتظار کی بجائے بھوک کی پڑھائے۔ ان حالات نے صوبے میں مصنوعی قحط کی شکل پیدا کر دی۔ خاص کر وہی اضلاع اس کی زد میں آئے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ آگے چل کر یہی اضلاع پاکستان میں شامل ہوئے

مصنوعی قحط انگریز کی فوجی ضرورت اور سیاسی اغراض کے تحت تھا۔ بقول وزیر ہند مسٹر ایمرے ”اس قحط میں اٹھارہ لاکھ ساک سو انہتر انسان موت کا شکار ہوئے۔“ جبکہ غیر سرکاری رپورٹ بھی کہ مرنے والوں کی تعداد نوے لاکھ کے قریب ہے۔

قحط کے دنوں صوبہ بنگال کے وزیر اعظم اے۔ کے فضل الحق تھے اور وزارت خوراک کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین کے سپرد تھی۔ ان دنوں بارہ روپے من خریدے ہوئے چاول ڈیڑھ سو اور دو سو روپے من کے حساب سے فروخت ہوئے۔

مسلمان ہونے کے علاوہ بحیثیت انسان وزیر اعظم سمیت خواجہ ناظم الدین کا فرض تھا کہ وہ ان ذمہ داریوں سے مستغنی ہو جاتے۔ مگر انگریز کی خواہش اور اس خواہش کا احترام ضروری تھا۔

یہ ہے وزیر اعظم پاکستان الحاج خواجہ ناظم الدین کی دوسری بیجان۔
نوٹ: قحط کی تفصیل کے لیے کاروان احرار کی جلد پنجم ص ۴۱۹ تا ۴۲۲ دیکھیں۔

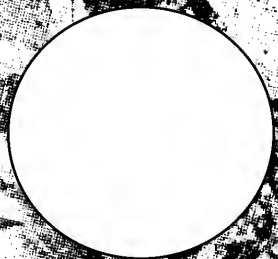
شہدائے ختم نبوت | مارشل لاء کے تحت ہمارے کوچ فوج اور پولیس نے لاہور کو آفت زدہ قرار دے کر مجلس عمل کے رضا کاروں سے ایسا سلوک

کیا، جیسے یہ دشمن کی فوج ہے۔ اور پاکستان پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ دہلی دروازہ سے برائڈر تھ روڈ چوک داگراں تک کا علاقہ کرب و بلا کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ختم نبوت کے مجاہد سینہ تانے فوج اور پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ شہدائے ختم نبوت کی لاشوں کے ڈھیر سرکاری ٹرکوں میں ڈال کر جانے کہاں پھینک دئے جاتے۔ بازاروں میں بکھرے ہوئے خون شہدائے ختم نبوت کے نشان ہر روز فائر بریگیڈ کے ذریعے صاف کر دئے جاتے تاکہ ظلم و جور کا نشان باقی نہ رہے۔ لیکن پروانے تھے کہ شیخ نبوت پر نثار ہو رہے تھے۔ ان کے جذبات میں ٹھہراؤ تھا نہ موت کا خوف۔ دیوانے تھے کہ شوقی جنوں میں ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے۔

وہ جو موت آئے تو زندگی بن کے آئے

قضا کی نرالی ادا چاہتا ہوں

سید
ختم
نور



یہ سلسلہ ۱۳ مارچ (۱۹۵۳ء) تک جاری رہا۔ اس ایک ہفتہ کے دوران تحفظِ ختم نبوت کے کس قدر رضا کار شہید ہوئے؟ اس کا جواب حکومتِ پاکستان کے کسی حربہ میں درج نہیں اور نہ ہی مجلسِ عمل کے اندراج میں ہے۔ البتہ واقعات کی تفصیل گواہ ہیں کہ ملتان، تھانہ کپ، لاہلپور (فصل آباد) چنیوٹ بازار اور ریلوے پھانگ، سیالکوٹ کا اڈا شہباز میں مارشل لاء کے دوران مرزائی فوجی وردی پہنے سرعام لوگوں پر گولیاں چلاتے رہے۔ لاہور دہلی دروازہ سے برائڈر فٹ چوک والگراں تک شہداء کی میتیں جو عوام کے ہاتھ لگ جاتیں۔ جب ان کے جنازے مرزائیوں کے برابر سے گذرتے تو وہ ان پر گولیاں برساتے۔ اس طرح غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق شہداء کی تعداد قریباً دس ہزار ہے۔

سہ رستے شہید ناز کے گرجان ہائے
قربان جانے والے یہ قربان جائے

نہ فوج اور پولیس نے ہارمانی نہ مرنے والوں کے قدم ڈمگائے۔ جب عشق اپنی منزل کی راہ لیتا ہے تو موت راستہ چھوڑ دیتی ہے۔
غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق دس ہزار نوجوانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

شہیدانِ ختمِ نبوت

سلام اُن پر جنہوں نے سنتِ سجاد زندہ کی
سلام اُن پر جنہوں نے کربلا کی یاد زندہ کی
سلام اُن پر کہ جو ختمِ نبوت کے تھے شہیدائی
سلام اُن پر کہ جن کی جرأتِ رندانہ کام آئی
سلام اُن پر جنہوں نے مشعلیں حق کی جلائی ہیں

سلام اُن پر جنہوں نے گولیاں سینوں پہ کھائی ہیں
 سلام اُن پر جو جیتے تھے فقط اسلام کی خاطر
 جنابِ خواجہ ہر دوسرا کے نام کی خاطر
 سلام اُن پر کہ جو ختم رسالت کے تھے پروانے
 جو عاقل با خدا تھے اور حضورِ خواجہ کے دیوانے
 سلام اُن کی شجاعت پر سلام اُن کے قرینے پر
 کہ سینہ تان کر کہتے تھے گولی آئے تو سینے پر
 سلام اُن پر کہ جن کی غیرت ایمان تھی زندہ
 سلام اُن پر قیامت تک ہے جن کا نام پائندہ

مولانا عبدالستار نیازی کی گرفتاری | حق و باطل کے مابین کشمکش جاری تھی۔

ہے ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں گا
 سر بسجود ہے مسیحا کہ میری بات رہے

فوج پولیس کی گولیاں اور مجاہدین کے سینے آمنے سامنے تھے۔ شہداء نے ختم نبوت کا
 لہو، لاہور کے بازاروں کو رنگین اور حکمرانوں کے چہرے سیاہ کر رہا تھا۔ پولیس نے
 مجاہدین ختم نبوت کا مرکز توڑنے کے لیے مولانا عبدالستار خان نیازی کو مسجد وزیر خان سے
 گرفتار کرنا ضروری سمجھ کر مسجد کے ارد گرد کی تمام عمارات کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن شکار
 ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مولانا نیازی اپنے معجز کی اطلاع پا کر مسجد سے بھاگے تھے۔
 اس پر بھی ان کا تعاقب جاری رہا تا آنکہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کے روزنامہ امروز لاہور نے

حسب ذیل تصویر کے ساتھ ان کی یہ خبر شائع کی۔



عبدالستار خان نیازی ممبر پنجاب اسمبلی جو پیر کی صبح تصویر میں گرفتار کر لیے گئے۔ بائیں جانب ان کی گرفتاری کے وقت کی تصویر ہے۔ عبدالستار خان نیازی کو لاہور کی تحصیل قصور سے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے وقت ان کی داڑھی مونچھ منڈی ہوئی تھیں۔

(امروز کے سٹاف رپورٹر سے) امروز ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء
لاہور ۲۳ مارچ علی الصبح چار بجے مسٹر عبدالستار نیازی ممبر پنجاب اسمبلی ایک چھوٹے سے مکان کی چھت پر سے گرفتار کر لیے گئے۔

آج خفیہ پولیس کے افسر نے ان کی گرفتاری کی روئداد بتاتے ہوئے کہا کہ مسٹر عبدالستار نیازی مارشل لاء کے نفاذ کے وقت وزیر خان کی مسجد میں مقیم اور وہیں سے وہ تحریک کے متعلق ہدایت جاری کرتے تھے چنانچہ جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب فوج نے صورت حال پر قابو پایا ہے تو انہوں نے مسجد وزیر خان سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی اور سات مارچ کو وہ وزیر خان کی مسجد سے چلے گئے لیکن وہ رہے اسی علاقے میں اور ۸ مارچ کو بھی وہ ٹھوڑی دیر کے لیے مسجد میں آئے لیکن رات کو انہوں نے اس علاقے کو خیر باد کہہ دیا۔ لاہور سے نکلنے کے لیے انہوں نے داڑھی مونچھ صاف کرا دی اور حلیہ بدل کر وہ لاہور

سے نکل گئے، وہ ساندے سے ملتان روڈ پر پہنچے۔ رات انہوں نے ایک گاؤں میں گزاری اور پھر دوسرے دن وہ لاہور سے ملتان کی طرف ۴۰ میل دور ایک مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ پرسوں قصور پہنچے جہاں آج صبح گرفتار کر لیے گئے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس تمام عرصے میں مشر عبد الستار نیازی لاہور کے قرب و جوار میں رہنا چاہتے تھے۔

کل دوپہر ایک بجے خفیہ پولیس کے ایک ڈپٹی سیرنٹنٹ کی میت میں پولیس کی ایک بھاری جمیت یہاں سے روانہ ہوئی اور انہوں نے اُن تمام مقامات سے نیازی صاحب کے متعلق اطلاعات حاصل کیں۔ بالآخر وہ قصور تک ان کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس وقت پولیس نے ان کے مکان کو گھیرا ڈالا تو نیازی صاحب سو رہے تھے اور ان کو بستر سے اٹھتے ہوئے اچانک گرفتار کر لیا گیا، انہوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حکومت پنجاب نے ان کی گرفتاری کے لیے پہلے دو ہزار روپیہ انعام مقرر کیا تھا، لیکن کل ہی حکومت پنجاب نے یہ انعام دو ہزار سے بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا تھا۔

تحریک کانیا رُخ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی گرفتاری | عوامی تحریکیں اپنی زندگی کے دوران مختلف

موڑوں سے گذرتی ہیں۔ خصوصاً ذمہ دار رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے ذمہ دار رہنماؤں کی گرفتاریوں کے بعد تحریک کارکنوں کی اپنی صوابدید پر آگے بڑھی۔

تحفظ ختم نبوت کی تحریک مرکزی حکومت کے خلاف تھی۔ لیکن جیسے ہی رضا کار کراچی جانے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے، انہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ اس پر ایگزیٹیشن کارکن مرکز کی بجائے حکومت پنجاب کی طرف کر دیا گیا۔ اس کے انچارج چوہدری شفاء اللہ بھٹہ تھے۔ یہ ان دنوں پاکستان مجلس احرار کے ہیڈ کلرک تھے۔

گرفتاریاں تو پہلے ہی پنجاب میں ہوئیں۔ مگر نعرے مرکزی حکومت کے خلاف گئے۔

تحریک کا پھارچ جب نئی سوچ کے تحت آیا کہ تحریک میں مداخلت تو پنجاب حکومت کر رہی ہے کیوں نہ رسول نافرمانی کا رخ بجائے مرکز کے پنجاب کی طرف کر دیا جائے۔ اس موقع پر مشورہ کے لیے چودھری ثناء اللہ بھٹہ اچھرہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملے اور عرض کیا: محضرت! ہم کارکنوں نے تحریک کا رخ صوبائی حکومت کی طرف کر دیا ہے۔ چونکہ مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد آپ ہی واحد رہنما باہر ہیں اس لیے ہماری رہنمائی فرمائیں۔



ثناء اللہ بھٹہ



ثناء اللہ بھٹہ

مولانا مودودی: دیکھئے بھائی میں نے مسئلہ ختم نبوت پر ایک پمفلٹ لکھا ہے جو عنقریب پاکستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے عوام میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ تو کسی ایجنیشن کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بات آپ سے آپ طے ہو جائے گی۔

ثناء اللہ بھٹہ: حضرت! آپ کی بات کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب نومن نیل ہو گا تو رادھانا ہے گی۔ لیکن تحریک تو شروع ہو چکی ہے۔ ملک بھر میں گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ ہزاروں نوجوان شہید ہو چکے ہیں یہ وقت مزید انتظار کا نہیں۔ اور نہ ہی وقت مزید اجازت دیتا ہے بہتر ہے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

مولانا مودودی: بھائی! اس سلسلے میں میرے مشورے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میری کوئی ذمہ داری ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔

جسٹس منیر کی تحقیقاتی عدالت میں تحریک ختم نبوت میں شمولیت سے انکار کے بعد مولانا مودودی کا یہ دوسری مرتبہ تحریک سے متعلق انحراف تھا۔ خیر.... چودھری ثناء اللہ بھٹہ مولانا مودودی کے انکار پر مایوس واپس لوٹ آئے۔ اور حسب دستور پروگرام چلتا رہا۔

پنجاب سی آئی ڈی اس تلاش میں رہی کہ موجودہ تحریک میں کون لوگ ملوث ہیں۔ حالانکہ ماشاء اللہ نافذ ہے لیکن رضا کار بدستور احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

ثناء اللہ بھٹہ اور مولانا مودودی کی ملاقات کے بعد حکام کو شبہ گذرا کہ ہونہ ہو تو اس آگ کو ثناء اللہ ہوادے رہا ہے۔ اس شک پر چودھری ثناء اللہ اور اُن کے دیگر رفقاء کو گرفتار کر کے شاہی قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ ساتھ ہی مجالس احرار کے باقی ماندہ دفاتر سر بھر کر دئے گئے۔ باوجود کہ پہلی پنجاب شمال مغربی صوبہ سرحد کی مجالس احرار خلافت قانون قرار دی جا چکی تھیں۔ اس پر بھی:

نہ نہ تڑپتے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے

گھٹ کے مہجاؤں یہ مہی ہے صیاد کی ہے

لاہور کا شاہی قلعہ جو کبھی مغل فرمانرواؤں کی شاہی قیام گاہ تھی۔ مگر قریبی دور حکومت

میں یہ منجھ نہ بن چکا تھا۔ مجرم آزادی وطن سے سینکڑوں تر تریٹ پسندوں کو یہیں پایہ جولاں سزائیں دی جا رہی تھیں۔ مگر یقین تھا کہ جب اپنا راج ہے تو مجرم و سزا کی وہ کہنہ رسمیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ مگر اپنے بھی پر ائے نیلے۔

ثناء اللہ جہے سمیت احرار کارکنوں پر انگریز کی معنوی اولاد نے قلعہ میں

تشدد کی تمام رسمیں پوری کر دیں۔

ہر روز کوئی نہ کوئی پولیس آفسر سی آئی ڈی، ایک آدھ فوجی آفیسر کے ہمراہ قلعہ میں پہنچ کر مختلف سوالات کرتے۔ اس ضمن میں ثناء اللہ جہٹ کہتے ہیں کہ ایک روز کچھ آفیسران نے مجھ سے سوالات کئے۔

۱۔ موجودہ تحریک کا مقصد کیا ہے؟

۲۔ اس وقت تحریک کے رہنما کون ہیں؟

۳۔ آپ کی مالی امداد کون کر رہا ہے؟

۴۔ یہ تحریک کس کے اشارے پر چل رہی ہے؟

۵۔ موجودہ تحریک پنجاب حکومت کے خلاف کیوں؟ جبکہ مجلس عمل کی تحریک مرکزی حکومت

کے خلاف چل رہی تھی اور اُن کے مطالبے کا تعلق بھی مرکزی حکومت سے تھا۔

چودھری ثناء اللہ: یہ سوال آپ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے کریں۔ ہم تو اُن کے رضا کار ہیں۔ جیسے وہ حکم دیتے ہیں ویسا کرتے ہیں۔

انسپیکٹر پولیس: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تحریک اُن کے حکم پر چل رہی ہے۔

ثناء اللہ: یہی سمجھ لیں۔

اس کے بعد تمام آفیسر چلے گئے۔

دوسرے دن صبح قلعہ میں ہماری کوٹھڑیوں کا نگہدار دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا۔

چودھری صاحب آپ اپنے بسترے باندھ لیں۔ بڑے بڑے مولوی آرہے ہیں۔ باہر نکل کر دیکھا

تو مودودی جماعت کے مولوی طفیل سمیت تمام بزرگوں کی قطار لگ رہی تھی۔

ہماری کوٹھڑیوں میں اُن سب کو بند کر دیا گیا۔ اور یہیں لاہور سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ وہاں

بہنچ کر پتہ چلا کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو مارشل لاء حکام نے گرفتار کر کے سزائے موت کا حکم دیا ہے۔ ان سے بیشتر مولانا عبدالستار نیازی کو بھی سزائے موت سنائی جا چکی تھی۔ دونوں بزرگ برابر برابر کوٹھڑیوں میں موت کے انتظار میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

سہ آغند لیب مل کے کریں آہ و زاریاں

تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل!

مولانا مودودی کی پارٹی نے سزائے موت کا بہت چرچا کیا۔ مگر مولانا رہا کیسے ہوئے **رہائی** یہ سنو زرا زہی ہے۔ جبکہ مولانا عبدالستار نیازی مارشل لا کے اقتدام پر رہا کر دئے گئے۔

ہر چیز کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے خواہ اچھا ہو یا بُرا۔

مولانا مودودی بمعہ اپنی جماعت کے ذمہ دار ارکان کے لاہور سے کراچی تک مجلس عمل کے اجلاسوں میں برابر کے شریک رہے۔ یہاں تک کہ قیام کراچی کے دوران یہ لوگ کھانے کے دسترخوانوں پر بھی دیکھے گئے۔ مجلس عمل کے آخری فیصلے پر بھی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے دستخط کئے۔ پھر نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر انہوں نے تحریک سے یار بار انحراف کیا۔

۲۶، اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے وقت پولیس وہ تمام کاغذات اٹھا کر لے گئی جس پر مجلس عمل کے رہنماؤں کے دستخط ثبت تھے۔ جن میں مولانا مودودی بھی شامل تھے۔ منبر عدالت کے فیصلے کے بعد جب تمام امیران مجلس عمل چھوڑ دئے گئے تو مجلس عمل کا پہلا اجلاس لاٹھور (فیصل آباد) میں ہوا جس میں حضرت امیر شریعت نے تقریر کے دوران کہا:

”خدا کا غضب ہو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مجلس عمل کے اجلاس میں

فیصلے کے وقت میرے گھٹنے سے گھٹنا جوڑ کر بیٹھے تھے اور انہوں نے میرے

ساتھ ہی مجلس عمل کے فیصلے پر دستخط کئے۔ مگر آج کہتے ہیں کہ میں شامل نہیں“

تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت نے جو رویہ

اختیار کیا مستقبل کی تاریخ انہیں کبھی محاف نہیں کرے گی۔

تحریک مستقبل کے حوالے | سال میں کئی موسم آتے ہیں۔ بہار و خزاں کے ساتھ دریاؤں کے نشیب و فراز بھی شامل ہیں۔ سمندروں کے جوار بھانا موسموں کے محتاج سمجھے گئے ہیں۔

اسی طرح عوامی تحریکوں پر بھی کئی دور آئے ہیں۔ گلابی حکومتیں غالب آجاتی ہیں اور کبھی عوام حکمرانوں کو شکست دے دیتے ہیں۔

دفعہ ختم نبوت کی تحریک جسے ۱۹۳۱ء میں احرار رہنماؤں سے شروع کیا تھا ۱۹۵۳ء میں اس موڑ پر آن پہنچی کہ وقت کے برسرِ اقتدار طبقہ نے بعض ذاتی اور سیاسی اغراض کے لیے تحریک کو ختم کرنا ضروری سمجھ لیا۔ ورنہ یہ لڑائی جھوٹ اور سچائی کے مابین حدفِ اصل تھی۔ باطل کے لیے تو ضروری تھا کہ وہ سانپ کی طرح اسے دُس لے لیکن حاکمانِ وقت کے لیے واجب نہیں تھا کہ وہ بند وقوف اور لالچوں سے ختم نبوت کے دشمن کا دفاع کرے۔ مسئلہ کذب کے بعد قادیان سے اٹھنے والا یہ بڑا عظیم فتنہ تھا۔ اس شجرِ خبیثہ کی اگر بیج کئی نہ کی جاتی تو اسلام کا بنیادی مسئلہ (عقیدہ ختم نبوت) ایسی طرح مجروح ہوتا۔ بہر طور تحریک ختم نبوت ایک طرف جیل خانوں سے گزری۔ خون کے دریا عبور کئے۔

پولیس کی لالچوں سے زخمی ہوئی۔ فوج کی گولیوں سے اس کا تقدس پامال کیا گیا۔ عوامی تحریکات میں لوگ مختلف ذہن لے کر شامل ہوتے ہیں۔ بعض ذاتی شہرت کے لیے۔ بعض دولت کے لیے، بعض کلر و باری نیت سے، کئی ایسے ہوتے ہیں جو راستہ چھوڑ جاتے ہیں۔ حکومت کا تشدد جیل خانوں کی سختیاں منہ موڑ دیتی ہیں۔ اندرونِ خانہ حالات بھی پاؤں کی زنجیر بن کر لپیٹ جاتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو خلوص اور ایمان کا اثاثہ لے کر مقاصد کی راہ پر سفر کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ تحریک کے دوران ایسے بہت سے ارکانِ طے جن کے سانس راستے میں پھول گئے۔ ایسے بھی طے جنہوں نے منزل کے قریب پہنچ کر دم توڑ دیا۔

ان میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

۷ جی میں آتا ہے لگا دوں آگ کوہ طور کو

پھر خیال آتا ہے موسیٰ بے وطن ہو جائے گا

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَفْوُ الرَّحِيمُ

انہیں حادثات و واقعات سے گزند ہی ہوئی تھریک اس موٹر پر پہنچ کر رک گئی اور حالات

نے اسے مستقبل کے حوالے کر دیا۔ مقاصد نیک ہوں اور رہنماؤں کے دلوں میں کھوٹ نہ ہو تو عوامی تحریکیں دب سکتی ہیں مٹ نہیں سکتیں۔

۸ تیرے کوچے میں ہم میں مثال نقش قدم

مثا تو سکتے ہو لیکن اٹھا نہیں سکتے

تحقیقات اور رہنماؤں کی رہائی | فوری ۱۹۵۳ء کے اختتام پرنس عمل کے رہنماؤں کی

کے لیے حکومت پاکستان نے جسٹس محمد نیر اور جسٹس اے آر کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت قائم کی جس کی بظاہر کوئی آئینی حیثیت نہیں تھی بلکہ محض واقعات کی معلوماتی رپورٹ کا حصول تھا۔ اس رپورٹ کو فسادات پنجاب کا عنوان دیا گیا۔ اور اس کے نتیجے میں تمام رہنماؤں کو جیلوں سے رہا کر دیا گیا۔

حقیقت سے فرار کیوں | اقتدار کے گھوٹے پر سوار مگر دیکھنے کو گناہ جانتے ہوئے کئی

حقیقتوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ حالانکہ سچائی کے ہی موڑ

چھوڑتے ہیں۔ جہاں سے بناؤ سنگھار کی تدلیخ شروع ہوتی ہے۔

ظلمات اپنے جرائم کے دماغ ہمیشہ سے چھپاتی پٹی آرہی ہیں۔ محض اس لیے کہ ان کے استحکام کی عمر طویل ہو۔ مگر جیسے ہی یہ سورج ڈوبتا ہے۔ رات کی پابندی اندھیروں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی سیاہی کا اعتراف کریں۔

۱۹۱۹ء کو امرتسر علیا تالہ باغ میں گولی چلی ہزاروں ہندوستانی شہید ہوئے لیکن بھارتی

سامراج نے اپنے جرم کا اعتراف کرنے پر ہزاروں کے ہندوؤں کو سینکڑوں میں بدل دیا۔

۱۹۳۰ء کو قصہ خوانی بازار پشاور میں انگریز نے سینکڑوں پٹھان شہید کر دیے اور اس خونِ ناحق کو وہ شیرِ مادر کی طرح ہضم کر گیا۔

۱۹۳۵ء کو تحریک مسجد شہید گنج کے دوران دہلی دروازہ سے لٹے بازار تک قتل و غارتگری کا بازار دو دن گرم رہا۔ مگر سرکاری رپورٹ میں کہا گیا کہ صرف تیرہ آدمی مرے ہیں۔

اسی طرح ۶ مارچ سے ۱۳ مارچ تک مرزائی، فوج اور پولیس لاہور میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رضا کاروں پر گولیاں برساتی رہی مگر حکومت نے اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح اس ظلم و جور کا ذکر تک نہیں کیا۔

میز رپورٹ کے محررین نے دودھ اور پانی کی چھان بھٹک میں سینکڑوں صنعت، لکھ مارے۔ تحریک سے وابستہ افراد اور جماعتوں کے کردار پر بحث کی۔ مگر اپنے اوپر آنے والے مارشل لاء کے ذمہ دار میجر جنرل اعظم خان اور آئی جی پولیس مسٹر انور علی سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ:

”فوج اور پولیس نے ختم نبوت کے رضا کاروں پر کس قدر گولیاں برسائیں؟“

کس قدر مسلمان شہید اور مجروح ہوئے؟

یہ فرد جرم انکوائری رپورٹ سے مصلحتاً اوجھل کر دی گئی۔

بہ قریب آیا ہے روزِ محشر جیسے کاشتوں کا خون کیونکر

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لو پکارے گا آستیں کا

دولتانہ وزارتِ برطرف | بظاہر سارا پاکستان حکمرانوں کی ضد اور ہٹ دھرمی پر بے بسی و مضطرب تھا۔ مگر پنجاب خصوصیت سے تحریک ختم نبوت کا داعی ہونے کی وجہ سے مارشل لاء کی زد میں رہا۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اندر خانہ مکرز سے اپنے وقار کی لڑائی لڑ

رہے تھے۔ وزیر اعظم اس سے بے خبر نہیں تھے۔ تحریک کا زیادہ زور بھی پنجاب میں تھا۔ بدین حالات مرکزی حکومت نے تمام تربیتی کی ذمہ داری پنجاب کے وزیر اعلیٰ پر ڈالتے ہوئے ۲۴ مارچ ۱۹۵۳ء کو نہ صرف دولتانہ کو وزارت سے الگ کر دیا بلکہ اُن کی کابینہ بھی توڑ دی۔

جاری ہے

مسلمہ کذاب

سے

جمال قادیان

جلد دوم
(آخری)

(تحریک ختم نبوت کے مختلف ابواب)

جناب جانبا زمرزا کے قلم سے

کبھی اور ان کبھی

نبی نہیں ہے سا غرو میں کبھی بغیر

مسئلہ کذاب

سے

دجالِ قادیان

تک

تحریکِ تسمِ نبوت کے مختلف ابواب

جانناز مرزا